امر شہزادہ
مُصنّف
باطش لدھیانوی

THE IMMORTAL PRINCE

امر شہزادہ

(نہرو و چین پر تمثیلی ناول)

از قلم

باطش لدھیانوی

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق ساؤتھ دہلی سٹی زنرز کونسل محفوظ ہیں۔
اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کرنے کے لئے ناشر کی اجازت
لینا ضروری ہے
نیز اس کتاب کی کُل آمدنی رفاہ عام کے کاموں کے لئے وقف ہے۔

ناشر: جی۔ ایس۔ بھلہ
صدر ساؤتھ دہلی سٹی زنرز کونسل
۲۸۴۷ نیتاجی نگر، نئی دہلی ۲۳

بار اوّل

تعداد ۱۰۰۰

قیمت: پانچ روپے ۵/-

یہ کتاب "یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں زیر نگرانی جناب منشی رفیق احمد صاحب چھپی۔
کاتبان: منشی محمد حامد صاحب و منشی راحت صاحب رامپوری۔
آرٹسٹ: شری نرین سرکار
تاریخ اشاعت:- ۱۲ر نومبر ۱۹۶۷ء

یہ کہانی ہے
دنیا کے اُس عظیم ترین انسان کی
جس کا دل کبوتر کے سفید پنکھ کی طرح نرِمل تھا
جس نے صدیوں سے مُرجھائے ہوئے چہروں کو
شگفتہ گلاب کے سُرخ پھُول کا تبسم دیا —
جس نے
دُشمن کو بھی سینے سے لگایا اور کہا
"آؤ! ہم ہتھیاروں کو زمین میں گہرا دفن کر دیں۔
مظلوم اور دُکھی انسان کی پلکوں سے آنسو پونچھ ڈالیں۔
اور دائمی دوستی کی بنیاد ڈالیں..."
مگر ———— ؟

باطش لدھیانوی
مصنف "امر شہزادہ"

राष्ट्रपति भवन नई दिल्ली 4
RASHTRAPATI BHAVAN,
NEW DELHI-4.
مورخہ ۱۵ اکتوبر ۶۷ء

مکرمی تسلیم!

نوازش نامہ ملا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔

یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ دہلی سٹیزنز کاؤنسل نے باطش لدھیانوی کا تمثیلی ناول "امر شہزادہ" طبع کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ نے از راہِ مہربانی مجھ سے پیش لفظ لکھنے کی خواہش فرمائی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں پیش لفظ نہ لکھ سکوں گا۔ اور میرا مشورہ یہ ہے کہ کسی سے پیش لفظ نہ لکھوایئے۔ کتاب کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے دیجئے۔ پیش لفظ کی رسم اگر ختم ہو جائے تو بہت اچھا ہو۔

مخلص

(دستخط) ....

(ذاکر حسین)

شری جی۔ ایس۔ بھلہ
پریذیڈنٹ "ساؤتھ دہلی سٹیزنز کاؤنسل"
۲۸۴۷ - نیتاجی نگر۔ نئی دہلی - ۲۳

شبیہ عکسی شری جی۔ ایس بھلہ بتقریب رسم افتتاح ماہانہ انگریزی رسالہ "وائس آف کنزیومر" از جناب گلزاری لال صاحب
سابق ہوم منسٹر سرکار ہند

مجھے ساؤتھ دہلی سٹیزنز کاؤنسل کی جانب سے جناب باطش لدھیانوی کے تمثیلی ناول "امر شہزادہ" کے کتابی صورت میں منشر ہونے سے انتہائی مسرت نصیب ہوئی ہے۔ کیوں نہ ہو مصنف نے اسے نہایت سلیس اور عام فہم الفاظ کا دیدہ زیب جامہ پہنا کر ناول کے شعبہ میں بکمال قابلیت ایک اچھوتی جدت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ناظرین اس ناول کو از حد دلچسپ دیکھنے کے علاوہ صحیح تاریخی واقعات پر مبنی بھی پائینگے۔ ناول ہذا قارئین کرام کے پیش خدمت ہے۔ اسکے محاسن کے متعلق مزید لکھ کر میں ناظرین کے شوقِ تجسس کی راہ میں حائل ہونا نہیں چاہتا۔ میری تو یہی دلی دعا ہے کہ پروردگارِ دو عالم باطش صاحب کو اس نوعیت اور پایہ کی لکھی ہوئی مزید تصانیف اہلِ نظر کے سامنے پیش کرنے کی استطاعت اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین!

نیاز کیش

جی۔ ایس بھلہ آنریری ایجوکیشن آفیسر منسٹری آف ایجوکیشن سرکار ہند۔ صدر ساؤتھ دہلی سٹیزنز کاؤنسل و کشمیری گیٹ دہلی کا ایڈیشنل ... ریذیڈنٹس ویلفیئر ایسوسی ایشن (رجسٹرڈ) نئی دہلی۔

سردار دلجیت سنگھ جی ممبر میٹرو پالیٹن کونسل دہلی

فرزند ارجمند پدم شری سردار موہن سنگھ جی

"باطش لدھیانوی کا نام نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ایک مخلص سوشل ورکر ہونے کے علاوہ ادبی دنیا میں انہیں ایک بلند مقام حاصل ہے۔ ان کی تازہ تصنیف "امر شہزادہ" واقعات پر مبنی ایک انتہائی دلچسپ ناول ہے جسکا ایک ایک لفظ دل و دماغ میں اتر جاتا ہے اور سورگیہ جواہر لال جی کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔ اس نادر تصنیف کیلئے میں باطش صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

دلجیت سنگھ

شری ایچ۔ ایس سوڈھی بی اے اسسٹنٹ سیکرٹری ہوم ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ پنجاب چنڈی گڑھ

ساؤتھ دہلی سٹی زنز کونسل نے جناب باطش لدھیانوی کے نادر ناول "امر شہزادہ" کو اردو دنیا کے سامنے پیش کر کے ایک اہم ترین قومی خدمت سر انجام دی ہے۔ کیوں نہ ہو اس میں مصنف موصوف نے ہمارے محبوب ترین لیڈر شری جواہر لال نہرو مرحوم کی اعلیٰ تعلیمات کی نہایت دلچسپ پیرایہ میں عکاسی کی ہے۔ میں کونسل کے پریذیڈنٹ شری جی ایس بھلہ بی اے اور جنرل سیکرٹری ڈاکٹر جے ایس جوگی کو جن کی ان تھک کوششوں کی اس کتاب کی اشاعت مرہون منت ہے۔ تہہ دل سے مبارک باد دیتا ہوں۔

ناظرین کے لئے اس ناول کا ہندی و انگریزی ترجمہ بھی چھپوا دیں تو بہتر ہوگا۔

ٹکا سُرجیت سنگھ صاحب بیدی بی اے ایل ایل بی انسپکٹر سنٹرل اکسائز کانپور

ساؤتھ دہلی سٹی زنز کونسل اور جناب باطش لدھیانوی "امر شہزادہ" کے بلند پایہ ناول کی اشاعت پر ادبی دنیا کے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ ناول واقعی انتہائی دلچسپ ہے۔ اور اس کا ایک ایک لفظ دل و دماغ میں اتر جاتا ہے۔ ناول کیا ہے نہرو جی کی زندگی کے حالات اور تعلیمات کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اس

نایاب تصنیف میں تمام دنیا کے سامنے ہندوستان کے قابلِ داد طرز و تمدن، مجلسی زندگی منطق اور سیاست کو بحسنِ وجوہ بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کا انگریزی ترجمہ چھپوانا چاہیئے۔

جناب جے ایس سوڈھی ایم اے آڈیٹر چنڈی گڑھ

جناب باطش لدھیانوی کے "امر شہزادہ" کی نوعیت اور بلند پایہ کے سلجھے ہوئے تمثیلی ناول کو ادبی دنیا کے روبرو پیش کر کے ساؤتھ دہلی سٹی زنز کونسل نے اہلِ نظر پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

اس تصنیف میں نہرو جی کی قابلِ صد تعظیم تعلیمات کی باکمال قابلیت واہلیت کی وکالت کی گئی ہے۔ عبارت نہایت سلیس اور چھپائی وغیرہ اعلیٰ ترین ہے۔ اس کے لئے میں بھلہ صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں۔

اس ناول کی بزبان انگریزی بھی اشاعت ہونی چاہیئے۔

لالہ گردھاری لال آف ایمپائر سٹورز نئی دہلی

"امر شہزادہ" مرحوم جواہر لال جی نہرو کی تعلیمات پر بکمال قابلیت روشنی ڈالتا ہے۔ شری بھلہ اور جوگی اس تصنیف کے لئے مبارک باد کے حق دار ہیں۔

شری سی ایل گروور۔ پریذیڈنٹ نئی دہلی سوشل ورکرز ایسوسی ایشن لودھی کالونی

"امر شہزادہ" نام کا تمثیلی ناول اپنی قسم کا پہلا نرالہ ناول ہے جسے پڑھ کر ہر فرد بشر جواہر لال جی نہرو مرحوم کی تعلیمات سے بخوبی واقف ہو جاتا ہے۔

ہمارے کرم فرما جن کے مخلصانہ تعاون کی کتاب ہذا مرہون منت ہے

ڈاکٹر جوگندر سنگھ جوگی

جنرل سکریٹری، ساؤتھ دہلی سٹی زنز کونسل ماہانہ انگریزی اخبار "وائس آف سٹی زنز" کے بعد "امر شہزادہ" کی اچھوتی نوعیت کا ناول ساؤتھ دہلی سٹی زنز کونسل کے لئے طرۂ امتیاز کی حیثیت رکھتا ہے۔ قارئین کرام اب پدم شری سردار موہن سنگھ جی مرحوم کے نام نامی سے تعلق رکھنے والے ناول کا انتظار فرما دیں۔

سردار ترلوچن سنگھ ترلوچن

جنرل سکریٹری "پنج دیب" کلا کیندر۔ د

باطش لدھیانوی کے "امر شہزادہ" کی پیش کش اُردو ادب میں ایک اچھوتی جدت ہے۔ ساؤ دہلی سٹی زنز کاؤنسل واقعی اس کے لئے مبارکباد مستحق ہے

شری این۔ ایل۔ ککڑ۔ ریذیڈنٹ مجسٹریٹ، نئی دہلی

"..... امر شہزادہ" اپنی طرز کا ایک انوکھا شاہکار ہے...."

شری آر۔ ایس ہیرا ایس اے ایس انسپکٹر آف سٹورز اکاؤنٹس ناردرن ریلوے دہلی

قصہ خوانی صدیوں سے بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کا عزیز مشغلہ رہا ہے۔ سوانح عمریوں میں تحریر کردہ خشک واقعات اگر کہانی کی صورت میں پیش کیے جائیں تو زیادہ خوش آیند و دلکش دکھائی دے سکتے ہیں۔ جناب بالکش لدھیانوی کا تمثیلی ناول "امر شہزادہ" اس لحاظ سے ایک کامیاب ترین کوشش ہے جس کے لئے وہ تحسین و ستائش کے حقدار ہیں۔ میری رائے میں اس ناول کا انگریزی ترجمہ بھی چھپنا چاہیئے۔

شری آر۔ ایس نیتر۔ آئی۔ آر۔ اے ایس سینئر اکاؤنٹس آفیسر (ریٹائرڈ) ڈی ۲۴ راجوڑی گارڈن نئی دہلی

بالکش لدھیانوی کا واقعات پر مبنی تمثیلی ناول "امر شہزادہ" نہایت سلیس اور عام فہم الفاظ میں لکھا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے نہرو جی کی تصویر آنکھوں کے آگے گھوم جاتی ہے اور جبین کی چہرہ دستیوں سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور وہ اپنے اصل روپ میں دکھائی دیتا ہے۔ اس ناول کی اشاعت سے ساؤتھ دہلی سٹی زنز کونسل نے ہمارے محبوب وزیر اعظم نہرو جی مرحوم کی بین الاقوامی تعلیمات کو بکمال قابلیت نشر کیا ہے۔

کتاب کا انگریزی و ہندی ترجمہ بھی طبع کرانا ضروری ہے۔

سردار سنگت سنگھ بی اے ایل ایل بی سیکشن آفیسر منسٹری آف ہیلتھ نئی دہلی

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں سوانح عمری کی سی تصنیفات بہت کم دلچسپی کیساتھ اہلِ نظر کے مطالعہ سے گزرتی ہیں۔ کہانی کے پیرایہ میں کی گئی ناول نگاری قارئین کرام کے تئیں مقابلتاً بہت دل کش اور ہر دلعزیز ثابت ہوئی ہے۔ "امر شہزادہ" اس کسوٹی پر پورا اترے گا۔ فی الواقعی اسمیں نہرو جی کی زندگی و تعلیمات کی صحیح طور پر ترجمانی کی گئی ہے۔ میں ساؤتھ دہلی سٹی زنز کونسل کے پریذیڈنٹ شری جی۔ ایس بھلہ کو اس نادر تصنیف کی نشر و اشاعت پر دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اس ناول کا ترجمہ انگریزی میں بھی شائع کر دیا جائے۔

باوا جگدیش سنگھ بی اے سیکشن آفیسر ریلوے بورڈ نئی دہلی

جناب بالکش لدھیانوی نے اپنے قابلِ قدر تمثیلی ناول "امر شہزادہ" میں نہرو جی کی زندگی و تعلیمات پر دلچسپ پیرایہ میں روشنی ڈال کر ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ میں مصنف موصوف سے امید کرونگا کہ وہ اہلِ ادب کو اس نوعیت کی مزید کتابیں دیگر قومی لیڈروں کے متعلق بھی تحریر کر کے ممنون فرمائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ پبلسٹی کے نظریہ سے کتاب کا ترجمہ دیگر زبانوں میں بھی شائع کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

شری وی پی۔ اگروال
پرنسپل
جے بھارت کالج۔ سروجنی نگر نئی دہلی

★

امر شاہزادہ کے پایہ کا تمثیلی ناول شائع کرکے ساؤتھ دہلی سٹی زنز کاؤنسل نے ادبی دنیا میں ایک قابلِ ستائش قدم اٹھایا ہے۔

سردار سنتوکھ سنگھ صاحب۔ ایم ایس سی
ممبر پارلیمنٹ نئی دہلی

بالمش لدھیانوی کا رُومانی اور تمثیلی ناول ایک ٹھوس حقیقت کا حامل ہے۔ جس پیرایہ میں اس میں انقلاب کا ذکر کیا گیا ہے اُس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ کتاب کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ شروع کرلینے پر ختم کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ ساؤتھ دہلی سٹی زنز کونسل کو ایک ایسا ناول اہلِ ادب کی خدمت میں پیش کرکے انتہائی خوشی نصیب ہوئی ہے۔

شری ایس سُندر راجن، انفرمیشن آفیسر، سرکار ہند فرماتے ہیں:
"...... بالمش لدھیانوی کا ناول "امر شہزادہ" شری جواہر لال جی نہرو سے تعلق رکھنے والے تاریخی واقعات کا قابلِ تعریف مرقع ہے ......"

شری دیس راج صاحب چھابڑہ چیئرمین ورکرز فورم۔ دہلی

قصے اور کہانیاں لکھنا افسانہ نگاروں کا معمول ہے لیکن کسی خاص مقصد کو مدِنظر رکھ کر ناول نویسی ایک قابلِ ستائش خوبی ہے۔ بالمش لدھیانوی کا تمثیلی ناول "امر شہزادہ" یُگ پُرش نہرو جی کی زندگی سے تعلق رکھنے والے حقیقی واقعات کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ساؤتھ دہلی سٹی زنز کونسل اور مصنف موصوف اس لاثانی تصنیف کیلئے اہلِ ادب کے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر ایس کرشنا مورتی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی لنڈن
ایڈیٹر "وائس آف کنزیومر" و ڈائریکٹر کنزیومر کونسل آف انڈیا

میں شری جی ایس بھلہ پریذیڈنٹ ساؤتھ دہلی سٹی زنز کونسل کو "امر شہزادہ" کی قابلِ قدر تصنیف کی نشر و اشاعت پر دلی مُبارکباد پیش کرتا ہوں۔

سردار شری پال سنگھ لدبرائے سول انجینیر
الیف۔ ۲۸۔ حوض خاص۔ انیکلیو نئی دہلی

"...... ساؤتھ دہلی سٹی زنز کونسل نے "امر شہزادہ" کی اشاعت سے ادبی دنیا میں ایک قابلِ قدر خدمت سرانجام دی ہے ......"

جناب میر مشتاق احمد صاحب۔ ایڈیٹر "ایشیا" ویکلی (سابق چیف ایگزیکٹو کاؤنسلر دہلی سٹیٹ) کی تقریظ

ناول شروع کرنے سے پہلے چند ضروری باتیں

مجھے باآتش لدھیانوی کے ناول "امر شہزادہ" کے مسودہ کے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بظاہر یہ ایک ایڈونچرس adventurous اور رومانی romantic ناول ہے۔ مگر میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسا نرالا اور انوکھا ناول شاید ہی آج تک کسی کی نظروں سے گذرا ہوگا۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ قصے اور کہانیاں فرضی ہوتے ہیں۔ اس ناول کو بھی سطحی طور پر پڑھنے سے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ مگر اہلِ نظر اس ناول میں ایک ٹھوس حقیقت دیکھیں گے۔ یہ ناول ہمارے محبوب رہنما پنڈت جواہر لال نہرو کے دورِ حکومت کے ایک باب کی عکاسی کرتا ہے۔ مصنّف نے اگرچہ تمام کتاب میں کسی بھی کریکٹر کا نام نہیں لکھا، تاہم پڑھنے والے پر یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتا ہے کہ ناول کا ہیرو دراصل ہمارا پیارا "نہرو" ہی ہے۔ ان واقعات کا تعلق جو اس کتاب میں درج ہیں، ہمارے پڑوسی ملک چین سے ہے خوبصورت مگر خطرناک ملکہ کا کردار اُس وسیع ملک کی موجودہ حکومت سے ہے جو آج کی دنیا کے لئے خطرہ بنکر سامنے آچکی ہے۔ اس تھوڑی سی واقفیت سے وہ کم و بیش تمام تاریخی واقعات نظروں کے سامنے گھوم جائینگے۔ جو گذشتہ دنوں ہندوستان کی آزادی کے بعد پیش آئے ہیں۔ مثلاً آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ مصنف نے "وقت" کی ملاقات مہاتما گاندھی سے کروائی۔ نہرو جی نے کوریا کی بھیانک جنگ کو روکنے میں مدد کی۔ پھر بنڈونگ کانفرنس Bandung Conference کا ذکر آتا ہے۔ چین کی سخت اور انسانیت سوز طرزِ حکومت کا نقشہ نہایت خوبصورت طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ اور آخر میں ملکہ کا بے نقاب کیا جانا۔ اور شہزادے کی کمر میں چھری گھونپنا ایسا ہی ہے جیسا کہ چین کا ہندوستان پر جارحانہ اور بزدلانا حملہ تھا۔

اِن چند واقعات کے علاوہ جن کا میں نے خصوصی طور پر ذکر کیا۔ اہلِ نظر ناول میں جگہ جگہ مختلف واقعات کہانی کے روپ میں دیکھیں گے جن کا ذکر کرکے میں آپکے شوقِ تجسّس کو زیادہ دیر روکنا نہیں چاہتا۔ اس کتاب کو آپ جتنی بار پڑھیں گے۔ اتنی ہی بار کوئی نیا واقعہ آپ کے ذہن میں گھوم جائے گا۔

ویسے ہی رومانی اور ایڈونچرس ناول دلچسپ ہوتے ہیں مگر تاریخی حقائق پر مبنی یہ ناول دلچسپیوں کا حامل ہے۔ میری دعا ہے کہ خدا مصنّف کو اسطرح کی اور تصنیفیں پیش کرنے کی ہمت عطا کرے۔

دستخط..........

(میر مشتاق احمد)

عرضِ حال

میں آپ کی خدمت میں ایک تمثیلی ناول پیش کر رہا ہوں جو تفریحِ طبع کے لئے پڑھا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس کتاب میں دنیا کے ایک عظیم ترین انسان کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ جس کی تجلی نے نہ صرف ہمارے دیش واسیوں کے دلوں کو منور کیا۔ بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے دلوں کو بھی روشن کر دیا۔ اس کتاب کے مناظر و واقعات قطعی فرضی ہیں۔ تاہم ان کے پیچھے ایک حقیقت پنہاں ہے۔ جو بغیر بتلائے ہوئے بھی ناظرین کے سامنے آجاتی ہے۔ اس کتاب کا ماحول گزشتہ زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اس ناول میں دلچسپیاں پیدا ہو جائیں۔ اس میں ایک غیبی شکتی کو انسانی شکل دیکر اس سے حالات بیان کروانے کی سعی کی گئی ہے۔ میرے خیال میں اس کا کردار ایسا موزوں ہے کہ عام انسان اسے بخوبی نہ نبھا سکتا۔ علاوہ ازیں دوسرا کردار جو ملکہ کے روپ میں سامنے آیا ہے وہ اس ملک کی موجودہ روح ہے۔ جس نے امن و شانتی کو دنیا سے ختم کرنیکا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ مگر ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء کو دنیا کے بلند ترین شہزادے کے اچانک ہم سے جدا ہو جانے کے غم نے جو اثر مجھ پر کیا۔ اسے اپنے ہی ڈھنگ سے سپردِ قلم کرتا چلا گیا۔ ناظرین سے التماس ہے کہ پیشکردہ ماحول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مجھے اس ناول سے متعلق اپنے مشورے سے آگاہ کریں۔ جسے میں بصد شکریہ قبول کرونگا۔

میں اپنے ان تمام کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس ناول کو پیش کرنے میں میری حوصلہ افزائی کی جنہیں شری دلجیت سنگھ۔ شری جی ایس بھلہ۔ جناب میر مشتاق احمد شری ولیسراج چھابڑہ، شری ایس۔ ایس پریم و شریمتی شکنتلا دیوی شرما کے نام خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اس ناول کو میں اپنے مرحوم دوست شری دھرم سروپ شرما کی یاد میں وقف کرتا ہوں جو خلوص و محبت کا سرچشمہ تھا۔

آپ کا خادم: اوم پرکاش باطش لدھیانوی
۸۹۶۔ لکشمی بائی نگر۔ نئی دلی ۲۳

فہرست

باب		صفحہ
	پہلا حصہ	
پہلا	میں کون ہوں؟	۹
دوسرا	شہزادے سے ملاقات	۱۸
تیسرا	انوکھا سفر	۳۱
چوتھا	روحانی ارتقا	۴۵
پانچواں	پُر اسرار خاتون	۸۵
	دوسرا حصہ	
چھٹا	حسین ملکہ	۱۰۵
ساتواں	نجومی	۱۳۳
آٹھواں	شیطانی دربار	۱۴۸
نواں	جہنم کا نظارہ	۱۷۱
دسواں	خزانے کی تلاش	۱۹۷
	تیسرا حصہ	
گیارہواں	شہزادے کی آمد	۲۲۳
بارہواں	کیچڑ میں کنول	۲۴۴
تیرہواں	ملکہ کا سحر	۲۵۸
چودہواں	ہماری واپسی	۲۸۶
پندرہواں	جام شہادت	۲۹۷

پہلا حصہ

پہلا حصہ

پہلا باب

مَیں کون ہُوں؟

میں ایک مُسافر ہوں. میرا سفر کب شروع ہوا اور کب ختم ہو گا۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ اِس کا جواب دینے سے میں بھی قاصر ہوں۔ یہاں میرا مدعا ایک شہزادے کی کہانی بیان کرنا ہے۔ یوں تو وقتاً فوقتاً ہزاروں شہزادے دنیا میں پیدا ہوئے اور فنا ہو گئے۔ اُن کی کہانیاں مِٹ گئیں۔ افسانے نہ رہے۔ مگر یہ شہزادہ نرالی قسم کا ہے۔ یہ کبھی فنا نہیں ہو گا۔ آپ کو شاید میری بات کا یقین نہیں آیا۔ مگر اس کی تصدیق جلد ہی ہو جائے گی۔ آپ کا شک اُس وقت تک بجا ہے، جب تک کہ آپ مجھے نہیں جانتے۔ مگر میں جو کہتا ہوں وہ کبھی جھوٹ نہیں ہوتا۔ ہاں! تو پہلے میں اپنا تعارف آپ سے کرا دوں، تاکہ آپ کو میرے کہنے پر یقین آجائے اور آپ کو اِس شہزادے کی شہرتِ دوام کا علم ہو جائے۔

میں نے بتایا نا آپ کو کہ میں ایک مسافر ہوں۔ ایک بوڑھا جس کی کمر جھک گئی ہے۔ میں صدیوں سے اور یُگوں سے ایک اندھی شکتی کے سہارے سفر کی منزلیں طے کر رہا ہوں۔ میری طاقت میں۔ توانائی میں کبھی کمی واقع نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ یہ ایک امر مسلمہ ہے۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ شاید آپ میری لمبی سفید داڑھی کو دیکھ کر تصور کریں گے کہ میں کمزور ہو گیا ہوں میری کمر کے خم سے آپ اندازہ لگائیں گے کہ اس بوڑھے کا انجام نزدیک آ گیا ہے مگر ایسا نہیں۔ اے لوگو! یہ آپ کی خام خیالی ہے۔ جب میں اپنا ہاتھ آنکھوں کے پپوٹوں اور بھوؤں کے اوپر رکھ لیتا ہوں تو میں دُور۔ بہت دور تک دیکھ سکتا ہوں۔ چند گز۔ فرلانگ یا میلوں تک ہی نہیں۔ یہ پیمائش تو عام انسانوں کی سوجھ بوجھ کا پیمانہ ہے۔ مگر میری نگاہ کی وسعت نہ صرف ملکوں۔ پردیشوں۔ برِاعظموں تک ہی محدود ہے بلکہ میں یگوں اور صدیوں کے آئندہ حالات کا بھی جائزہ لے لیتا ہوں۔ میرے ہاتھ میں یہ جو عصا دیکھ رہے ہیں۔ میرا جیون ساتھی ہے یہ میری طاقت کا منبع ہے۔ میرے ہاتھ میں یہ پکڑی ہوئی چھوٹی سی شمع مجھے ہمیشہ روشنی دیتی رہتی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے اندھکار۔ دیو کی مانند مُنہ پھیلائے ہوئے راستے میں آنے والے بھیانک اندھیارے مجھے ڈرا نہیں پاتے۔ یہ شمع یا لائیلٹین۔ جو کچھ بھی آپ اسے کہیں مہیب اور گہری خلاؤں میں میرے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔ اس کی روشنی مجھے اتنی تیز لگتی ہے جتنا کہ آپ کا یہ سورج۔ آگ کا ایک بڑا سا گولہ۔

دنیا مجھے مختلف ناموں سے جانتی ہے۔ لیکن نام میں کیا ہے میرا کام تو اپنا تعارف کروانا ہے۔ بہرحال آپ کچھ کچھ مجھے پہچاننے لگے ہوں گے۔ مگر نہیں میرا تعارف ابھی مکمل نہیں ہوا۔ تو مختصر سا بیان میں اور کئے دیتا ہوں۔ کہ

میں کون ہوں۔ میرا سفر کب شروع ہوا۔ آپ میرے بیان سے اندازہ لگا لیں گے .... جب یہ دنیا نہ تھی۔ یہ چاند۔ سورج یہ ٹمٹماتے ستارے جو آج کے یُگ میں آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس شکل میں نہ تھے۔ اُس وقت بھگوان شنکر کا تانڈو نرتیہ شروع ہوا۔ خلا میں ایک بھینکر طوفان اٹھا۔ ایک پرلے آ گئی ستاروں سے ستارے ٹکرا گئے۔ اندھی شکتیاں آپس میں گڈمڈ ہو گئیں آگ کی لپٹیں آکاش میں پھیل گئیں۔ اُس وقت نہ کوئی جیو تھا نہ جنتو۔ کسی بھی جان دار شے کا نام و نشان نہ تھا۔ جل کی بھی کوئی سیما نہ تھی۔ یہ ہوا۔ یہ مند مند بہتی ہوئی وایو جو آج آپ محسوس کر رہے ہیں۔ نہ تھی۔ میرا سفر اُس وقت بھی جاری تھا اس سے پہلے بھی جاری تھا۔ اُس وقت دُکھ اور سُکھ کا احساس نہ تھا۔ وہ بھی قدرت کا ایک قانون تھا۔ اُن کی شباہت کو کوئی نہیں جانتا تھا مگر قدرت اپنے تلے اصولوں کے ساتھ کام کر رہی تھی۔ جل۔ وایو۔ اگنی۔ آکاش۔ مٹی۔ ان میں اُتھل پتھل چل رہی تھی۔ شاید ایک شکل لینے کے لئے کسی قیمتی شے کو جنم دینے کے لئے۔ مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کس لئے ہو رہا تھا۔ ہاں مگر جاننے والا ایک تھا... خیر

پھر دو بڑے ستاروں میں ایک خوف ناک ٹکر ہوئی۔ آگ کا ایک مہیب گولا دوسرے گولے سے ٹکرایا۔ اُن میں سے بڑے بڑے ذرے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئے۔ کچھ اِدھر کچھ اُدھر۔ بھیانک آوازیں پیدا ہوئیں۔ مگر اُس وقت آواز کو سننے والا کوئی نہ تھا۔ آہستہ آہستہ نظام شمسی اپنے معین راستے پر آنے لگا۔ آگ کا ایک بڑا سا ٹکڑا پرکرتی کے بھینکر آکار کے آگے یہ ٹکڑے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا) خلا میں گھومنے لگا۔ اُسی ایک گولے کے گرد جس سے ٹوٹ کر علیحدہ ہوا تھا۔ دھیرے دھیرے یہ ٹھنڈا ہوتا گیا۔ اس میں جل

اور تھل نظر آنے لگے۔ پھر خشکی کے اوپر درخت۔ پھل، پھول وغیرہ پیدا ہوئے۔ اس طرح سے زمین کی تشکیل ہوئی۔ ہر طرف سکون تھا۔ شانتی تھی، مگر یہ خاموشی کچھ عجیب سی تھی۔ یہ روح کو چین دینے والی شانتی نہ تھی۔ گویا ایک موت کی سی خاموشی تھی۔ مگر قدرت نے یہ کمی بھی پوری کردی۔ آہستہ آہستہ حشرات الارض پیدا ہو گئے۔ مچھلی۔ سانپ اور عجیب عجیب جانور۔ جل اور پرتھوی کے میل نے لاتعداد قسم کے جان دار پیدا کر دئے۔ اُن کی شکلیں زمانے کے ساتھ بدلتی گئیں۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ پرندے۔ جو آپ آج دیکھ رہے ہیں پہلے ایسے نہ تھے۔ مگر یہ جنت ابھی ادھوری تھی۔ اِس میں کوئی کمی لگ رہی تھی۔ جیسے کسی ضروری شے کی کمی ہو۔ صبح و شام اِن بے حد خوب صورت مناظر سے لطف اندوز ہو کر اُس کی تعریف کرنے والا ابھی تک کوئی نہ تھا۔ قدرت نے پھر اِس کمی کو پورا کر دیا۔ انسان کا وجود اس دنیا میں آگیا۔ اس کے دنیا میں آنے سے گویا میرے سفر میں لطافتیں پیدا ہو گئیں۔ میری روح کو تسکین مل گئی۔ میں اُس کے کارہائے نمایاں دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ اُس کی دن دونی رات چوگنی ترقی نے مجھے انگشت بدنداں کر دیا۔ اس کی صلاحیتوں نے مجھے اچنبھے میں ڈال دیا۔ آہستہ آہستہ وہ اپنی عادتیں بدلنے لگا۔ غاروں اور کھنڈروں سے نکل کر وہ آبادیوں اور مکانوں میں رہنے لگا۔ کشاں کشاں وہ تہذیب کا جامہ پہنتا چلا گیا۔ وہ اپنی کاریگری اور ذہانت سے اس خطہ ویران کو سچ مچ جنت کے سانچے میں ڈھالنے لگا۔

مجھے خصوصاً ایک خطہ زمین بہت بھایا۔ یوں تو دھرتی پر ہر جگہ انسان اپنے کرشمے دکھا رہا تھا۔ مگر یہاں میرے لئے کشش کا اور ہی سامان پیدا ہو گیا تھا۔ میں جو دلوں کے اندر گھس کر انہیں دیکھنے کا شوق رکھتا ہوں۔ روحوں کی بلندی میری کشش کا باعث بنی۔ اور یہ سب کچھ مجھے ایک ایسے خطہ زمین پر نظر آئی

جسے آپ بھارت کہتے ہیں۔ اِس دھرتی نے نہ صرف بڑے بڑے مہا رشی پیدا کئے، نہ صرف اس جگہ گیان کے ہی چشمے پھوٹے جن کے کرشموں کو دہرا کر آج دنیا فخر کر رہی ہے۔ بلکہ یہاں کا گیان مجھے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ چوٹی کے فلاسفر۔ صوفی اور مفکر بھارت نے دنیا کے سامنے پیش کئے۔ یہاں سے آتما کو ملنے والی روشنی وقتاً فوقتاً پھوٹتی رہی۔ اِس پوتر دھرتی نے رام کو جنم دیا۔ کرشن نے گیان کی امر جیوتی پھیلائی۔ بُدھ کے تیاگ نے آنے والی نسلوں کو تیاگ اور اہنسا کا مارگ دکھایا۔ بھارت کے نزدیک ہی ایک ملک نے مسیح جیسا روحانی انسان پیدا کیا۔ اور اس کے ایک مغربی خطے نے محمد کو دنیا کا عَلم بردار بنا کر پیش کیا۔ اِن تمام روشن روحوں نے ہندوستان کے تمدن اور اس کی تہذیب کو ایک عجیب سانچے میں ڈھال دیا۔ ان کے پیروکاروں نے خالق کے خوابوں کی تعبیر پوری کر دکھائی۔ اشوک مہان۔ اکبر اعظم اور نانک صاحب جیسی ہستیاں یہاں اپنا اپنا کام کرتی رہیں وہ اُن رہبروں کے بتائے ہوئے راستے پر چلتی ہوئی دنیا کو اپنا پیغام دینے لگیں شاید اب آپ کو میری اِس خصوصی لگن کا جو مجھے بھارت کے ساتھ پیدا ہوئی شک جاتا رہا ہو۔

مگر اے لوگو۔ یہ مت بھولو۔ کہ میں تمھارے آگے تمہاری بڑائی بیان کر کے تمہیں ایک جھوٹے فریب کی طرف لئے جا رہا ہوں۔ جس طرح میں نے تمہاری خوبیاں تمھارے سامنے رکھی ہیں اسی طرح خامیاں بھی بیان کروں گا۔ تم نے اُن بڑے بڑے مفکروں اور مدبروں کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنا چھوڑ دیا۔ اُن کی روشن کی ہوئی مشعلوں کے اُجالے سے بے نیاز ہو گئے۔ اپنے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں پڑ کر ان کے بتائے ہوئے بلند اصولوں کو بھول گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ تمہارا مہان دیش یہ اونچے آدرشوں والا ایک چھوٹا سا

بہ اعظم غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ ایک مسلسل روشن شمع کے آگے پردہ پڑ گیا۔ ایک بہتے ہوئے دریا کی روانی رک گئی۔ اِس سنسنی خیز واقعہ نے میرے دل کے تاروں کو جھنجوڑ ڈالا۔ میں جو شنکر کے تانڈو نرتیہ کو بے نیازی سے دیکھتا چلا گیا۔ عالمی جنگ و جدال کا لاپرواہی سے مطالعہ کرتا رہا تمھارے ملک کی گراوٹ کو دیکھ کر تڑپ اٹھا۔ کیونکہ میں نے پہلے بتایا نہ کہ مجھے اِس دیش سے پھوٹتی ہوئی صبح کی روشنی سے پیار ہو گیا تھا۔ بھارت کی غلامی نے مجھے نراشا او ر آشا کے ساگر میں ڈبو دیا۔ میرے آگے یہی سوال ہر دم رہنے لگا۔ اب اِس دیش کا کیا بنے گا۔ کیا یہ شمع ہمیشہ کے لئے بجھ جائے گی۔ کیا اب دنیا میں اندھکار پھیل جائے گا۔ مگر نہیں میرا وہم غلط ثابت ہوا۔ یہ تو ویسے ہی تھا۔ جیسے دیئے میں تیل ڈالتے سمے روشنی دھیمی پڑ جاتی ہے اور پھر اس تیزی سے بھڑک اٹھتی ہے کہ روشنی پہلے کی نسبت دوچند ہو جاتی ہے۔

شوقِ تجسس نے میرے اندر ایک خیال پیدا کیا۔ ایک انوکھا تصور۔ مگر ایک لمحہ کے لئے میں اِس خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ شاید آپ اِس لمحے کو سو یا دو سو سال کہیں۔ مگر میرے لئے تو ایک لمحہ ہی تھا۔ میں نے سوچا۔ کیوں نہ میں اِس دیش کا مطالعہ نزدیک سے کروں۔ یہاں کے لوگ کیسے ہیں۔ کیا سوچتے ہیں میرے اندر کشمکش بڑھنے لگی۔ مگر یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔ اتنا نزدیک سے مطالعہ کیسے کیا جا سکتا تھا۔ اِس کا مجھے ایک ہی راستہ دکھائی دیا۔ وہ یہ کہ میں بھی انسان بنوں۔ اس کی شکل اختیار کروں۔ اپنے آپ کو اسی سانچے میں ڈھال لوں۔ اتنا نزدیک سے بھارت کو تو انسانی شکل میں ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ خیال ایک طوفان کی شکل اختیار کر گیا۔ اب مجھے فیصلہ کرنا تھا۔ کہ یہ سب کچھ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اِس کا انتظام بھی میں نے سوچ لیا۔ اور جس کہانی کو میں بیان کرنے جا رہا ہوں

وہ اب شروع ہوتی ہے۔

میں نے اپنی شمع کو ہوا میں بلند کیا۔ وہ آکاش کی طرف بڑھنے لگی۔ اب میری وہ غیبی شکتی جس کے ذریعہ میں مستقبل میں دیکھ سکتا تھا غائب ہو گئی۔ اِس تبدیلی سے میرے اندر خوف پیدا ہو گیا۔ میں عام انسانوں کی طرح محسوس کرنے لگا مگر مجھے اپنا شوق پورا کرنا تھا۔ آپ میرا یہ شوق ہی سمجھیں۔ مگر ایک عظیم کام کرنا تھا میں نہایت خلوص سے سرنگوں ہو کر عرض کروں گا۔ کیا بھگوان وشنو نے رام کا روپ لے کر دنیا کے بگڑتے ہوئے روپ کو نہیں سنوارا تھا؟ مگر میں تو ایسا کچھ نہیں کر رہا تھا۔ میں تو صرف ایک سیاح کی طرح دنیا کو نزدیک سے دیکھنے جا رہا تھا۔ پھر کوئی اِس میں نقطہ چینی کیوں کرے؟ کیوں میری اس ننھی سی خواہش کو بے وقوفی پر معمول کرے؟ شمع کے غائب ہو جانے سے میرے اندر عام کمزوری آگئی مگر میرا عصا میرا ساتھی تھا۔ اِس لئے میں نے اُسے نہیں جانے دیا۔ شاید مجھے اس کی ضرورت پڑے۔ اس کے سہارے چلتا ہوا میں انسانوں کے ایک گروہ میں شامل ہو گیا۔ میں نے سوچا شاید میرا وجود نرالا ہو گا۔ لوگ مجھے شک کی نظر سے دیکھیں گے۔ مگر میرا اطمینان جلد ہی ہو گیا۔ میری طرف سے بے نیاز لوگ اپنے کاموں میں مگن تھے۔ کوئی میری طرف دھیان نہ دے رہا تھا۔ عام آدمیوں کی طرح میں بھی اُن میں چلا جا رہا تھا۔ مگر کدھر؟ کہاں تھی میری منزل؟ یا یوں کہئے کہ میری جستجو کا آغاز کہاں سے ہو گا؟ انسانوں کی طرح مجھے بھوک اور پیاس محسوس ہونے لگی۔ رہنے کے لئے مجھے جگہ درکار ہوئی۔ میں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ ہندوستان میں سادھوؤں اور فقیروں کی کافی قدر ہوتی ہے خصوصاً اُن کی جو تارک الدنیا بن جائیں۔ بس یہی حربہ بہتر تھا۔ اور میری شکل بھی تو اُن سے ملتی جلتی تھی۔ لہٰذا میں ایک بیابان خطے کی طرف چلنے لگا۔ پتہ نہیں کتنی دیر چلتا رہا۔ یا آپ کے پیمانہ کے

مطابق کتنے دنوں کی مسافت طے کی۔ پھر میں ایک پہاڑی غار کے پاس گنگا کے کنارے پہنچ گیا۔ اب میں محسوس کرنے لگا کہ انسان کا جیون بھی کتنا دچتر ہے گو کہ اِس وقت میرے اوپر کوئی ذمہ داری نہ تھی۔ مجھے کسی سے غرض نہ تھی۔ تاہم اس کے دکھ سکھ کا احساس ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سی حس مجھ پر طاری تھی۔

اب روزانہ میرا معمول بن گیا۔ کہ صبح سویرے نور کے تڑکے اٹھ بیٹھتا۔ کھُلے میدان میں سیر کرتے دور دور تک چلا جاتا۔ ہوا کے ہلکے جھونکے دل کو مسرور کرتے۔ چہچہاتے ہوئے پرندے قدرت کے خوب صورت سنگیت کا رس میرے کانوں میں گھولتے۔ گنگا میں اٹھتی ہوئی ہلکی ہلکی اُبھرتی گرتی لہریں۔ اُس کا پوتر اور نرمل جل میرے دل میں ایک سکون پیدا کرتا۔ قدرتی پھول اور درخت کتنا دلچسپ منظر پیش کر رہے تھے کہ بیان سے باہر ہے۔ پرکرتی اِس دیش پر مہربان ہے۔ مجھے تو اب تک یہی علم تھا۔ یہاں آکر کچھ ایسا لگا۔ کہ انسان کا جیون کتنا عظیم ہے۔ اور گویا میں بھی یہاں کا باسی ہوں۔ مجھے بھی یہ انسانی جیون یہیں بتانا ہے۔ گویا میرا مسلسل سفر ختم ہو گیا تھا۔ یا آپ یوں کہیے کہ وقت کی رفتار رک گئی تھی۔ لیکن یہ خاموشی۔ یہ فضا آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ مجھے ایک لمبے اور عجیب سفر پر جانا تھا۔ آنے والی نسلیں اِس سفر کو تواریخ کے اوراق میں مطالعہ کریں گی۔ لیکن میں اسے اپنی زبانی اپنے بدلے ہوئے رُوپ کے ساتھ پیش کروں گا فرق صرف اتنا ہے۔ کہ تاریخ ایک ٹھوس مگر خشک حقیقت کے ساتھ بیان کریں گی۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں اِس میں رنگینیاں بھر دوں گا۔ تاکہ آپ اِس سے اکتا نہ جائیں۔ میں اسے ایک افسانے کے طور پر بیان کر دوں گا۔ تاکہ آپ میری طرف سے یکدم منہ نہ موڑ لیں۔ میں آپ کو ایک ایسی ملکہ کے متعلق بتاؤں گا۔ جس کی بھلائی کے لئے ہمارا عظیم شہزادہ خطرات کا

سامنا کرتا چلا گیا۔ میں بیان کروں گا اُس ملکہ کے متعلق جو بظاہر بے مثال طور پر حسین تھی۔ مگر اس کا باطن کتنا سیاہ تھا۔ کہ رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں۔ اس کی ادائیں جتنی دلربا تھیں۔ اس کی حرکتیں اتنی ہی لرزہ خیز تھیں۔ وہ ایک چمکدار بھر یرے بدن والی ناگن تھی۔ جو اپنی نگاہوں کی کشش سے دوسروں کو مقناطیسی طاقت سے اپنی طرف کھینچتی تھی۔ مگر ناگن تو ناگن ہی ہے۔ اس کا کام توڈسنا ہے۔ وہ اپنے جال کو دوسروں کے اوپر کمند کی طرح پھینکتی تھی۔ انجان اور بھولا بھالا شکار اس کی چالبازیوں میں پھنس جاتا۔ وہ اس کے شکنجے میں تڑپتا اور وہ اس کی تڑپ سے حظ اٹھاتی۔ کچھ تو اس کے رعب حسن کا شکار ہو جاتے اور کچھ اس کی بے پناہ طاقت اور رعب و دبدبے سے اثر انداز ہو جاتے۔ آج کی دنیا میں اس نے ایسا تہلکہ مچا رکھا ہے کہ اس کے دشمن تو بھلا اس سے گریز کریں گے ہی۔ اس کے دوست جن کی بدولت ملکہ نے یہ وقار اور طاقت حاصل کی اس سے خوف کھانے لگے ہیں اس سے دور رہنے لگے ہیں اور اس کی چالوں اور ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں۔

دوسرا باب

شہزادے سے ملاقات

شام کا سہانا موسم تھا۔ اپنی جھونپڑی کے باہر میں خاموش بیٹھا ہوا مناظرِ قدرت کی تعریف میں مگن تھا۔ ساتھ کے ساتھ میں اپنے بدلے ہوئے روپ کے متعلق بھی سوچنے لگا۔ دنیا کو دیکھنے اور سمجھنے کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ کیا مجھے یہ کرنا واجب تھا؟ شاید آنے والے حالات ہی بتا سکتے تھے۔۔ عجیب سی کشمکش تھی میرے وجود میں۔ میری عادت رہی تھی۔ نگاہ سامنے اٹھائے دور تک دیکھنے کی۔ مگر اب میرے اندر وہ طاقت کہاں تھی؟ جتنی دور تک ایک انسان دیکھ سکتا ہے اب میں بھی اتنی ہی دوری تک دیکھ سکتا تھا۔ میری نگاہ سامنے پھیلے ہوئے سلسلہ کوہ کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ شاید میں اس وقت ان کی بلندیوں میں پنہاں خوب صورتی کی جستجو میں مگن تھا پھر میں نے دیکھا۔ مجھے ایک نقطہ سا نظر آیا۔ میں نے اپنا دھیان دیگر خیالات سے ہٹا کر اس حدِ نگاہ پر مرکوز کر دیا۔ عجیب سا نقطہ لگ رہا تھا مجھے۔ گویا وہ حرکت میں تھا۔ آہستہ آہستہ وہ ایک شکل اختیار کرنے لگا۔ گویا وہ نقطہ نہ ہو۔ کوئی انسان ہو جو آہستہ آہستہ میری طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ میں نے سوچا۔ اس وقت یہ کون ہو سکتا ہے؟ یہ کہاں سے آ رہا ہے؟ جب رات کے سائے اپنا منہ پھیلانے کے لئے بے تاب ہیں۔ چرند و پرند اپنی آرام گاہوں کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ تو اس سنسان و بیابان جگہ پر جہاں آج تک میں نے اپنے سوا کسی انسان کو نہیں پایا کون چلا آ رہا ہے؟ میرا کوئی ساتھی نہیں سمبندھی نہیں۔ کون

میری جستجو میں آنے والا ہے؟ اس کا آکار بڑھنے لگا۔ پھر میں نے دیکھا۔ ایک دُبلا پتلا سا انسان ہاتھ میں لاٹھی پکڑے اور اُسے زمین پر ٹیکتا ہوا قدم بڑھا رہا تھا۔ ایک وقت تو مجھے محسوس ہوا جیسے کہ میرا ہی سایہ۔ یا میرا ہی مجسمہ ہوا میں سے ہویدا ہو گیا ہو مگر میرا وہم جلد ہی دور ہو گیا۔ آنے والے کا وجود مجھ سے مختلف تھا۔ مگر اُس کی آمد کی وجہ سے میں اب تک بے خبر تھا۔ اگرچہ اُس کی چال مدھم تھی۔ مگر پُر وقار تھی۔ تھوڑے ہی سمے کے بعد وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔ اُس نے اپنا لاٹھی والا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے ملایا اور ایک عجیب سی مسکراہٹ پیدا کر کے مجھے مخاطب کرنے لگا:-

"کال دیوتا کو پرنام!"

میں بھونچکا رہ گیا۔ یہ کون ہو سکتا ہے جو میرے راز سے واقف ہے۔ جتنے عرصے سے میں نے انسانی شکل اختیار کی تھی کوئی بھی مجھے پہچان نہ پایا تھا۔ کسی نے شک کی نظر بھی مجھ پر نہ ڈالی تھی۔ کوئی میرے بھید سے شناسا نہ تھا۔ مگر یہ عجیب سا ہڈیوں کا ڈھانچہ میرے سامنے میرے پوشیدہ راز کو کتنی بے نیازی سے ظاہر کر رہا تھا۔ مجھے غصہ آنے لگا۔ جھنجھلاہٹ سی ہونے لگی۔ مگر نہیں یہ موقعہ جوش میں آنے کا نہ تھا۔ ضرور کوئی گہرا راز ہے۔ یقیناً یہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہوگا۔ یہ دوسرے لوگوں سے شاید مختلف ہو۔ میں نے بھی تہیہ کر لیا کہ دیکھوں بھلا یہ کیسی شکتی کا مالک ہے۔ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے صبر و تحمل ہی فائدہ مند ہو سکتا تھا۔ میں اپنے اوپر قابو پا چکا تھا۔ لہٰذا نہایت متانت سے میں اس سے گویا ہوا:-

"اجنبی۔ تم کون ہو اور مجھے اس عجیب نام سے کس لئے مخاطب کر رہے ہو؟"

اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس مسکراہٹ میں مجھے انسان کا بچپن نظر آنے لگا۔ اس کا بھولا پن۔ جو سچائی اور شردھا کا پرتیک ہوتا ہے۔ میں نے اندازہ لگایا۔ یہ انسانی سچائی اور دھرم کا ایک آدرش میرے سامنے کھڑا ہے۔ کیونکہ بھارت میں مجھے ایسے انسانوں سے واسطہ پڑنے کی توقع تھی۔ اس نے اسی مسکراہٹ بھری آواز میں کہا:۔

”کیا سچائی کے پجاری سے سچائی چھپ سکتی ہے؟“

کتنی بلندی تھی اس کے ان الفاظ میں۔ مگر میں نے مصنوعی غصے کو چہرے پر پیدا کر کے کہا:۔

”بڑا بول مت بولئے محترم۔ بڑے بول کا سر نیچا ہوتا ہے“

”او معاف کیجئے۔ شاید آپ کو میری سچائی پر شک گزرا۔ تاہم میں فخر نہیں کرتا میں نمرتا سے کہتا ہوں۔ کہ میں زندگی بھر سچائی کی کھوج میں سرگرداں رہا ہوں میری زندگی محض سچائی کے تجربے کرنے میں گذری ہے۔“

اس بزرگ کی باتوں نے مجھے شش و پنج میں ڈال دیا۔ اب میرے سامنے ایک معمہ تھا کیا میں اپنی اصلیت قبول کر لوں۔ یا اس کے الفاظ کو جھٹلا دوں۔ بہرحال میں اسی کشمکش میں تھا کہ وہ اچانک بول اٹھا۔

”کیا میں آپ کے بہروپ کا مقصد جان سکتا ہوں؟

اب میرے لئے کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا۔ یقیناً وہ میرا بدلا ہوا روپ پہچان چکا تھا۔ اصلیت سے منحرف ہونا عبث تھا۔ اعتراف کرنا لازم ہو گیا۔ لاچار میں بول اٹھا۔

”محترم! جب آپ نے مجھے پہچان ہی لیا۔ تو کیا میرے بہروپ کا مقصد نہیں جان سکے؟“

”جانتا ہوں۔ اور بخوبی پہچانتا ہوں۔ میرے من کو کتنا سکون ملتا ہے آپ کی موجودگی میں۔ آپ بروقت میری مدد کو آگئے۔“

”آپ کی مدد؟ آپ تو پہیلیاں بجھاتے ہیں میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟“

اس نے ایک لمبا سانس لیا۔ کچھ خوشی اور رنج کے ملے جلے تاثرات چہرے پر پیدا کر کے اس نے کہنا شروع کیا:۔

”میرا مقصدِ زندگی ختم ہو گیا۔ اگرچہ میں دنیا میں کچھ اور بھی کرنا چاہتا تھا۔ مگر میری زندگی کی ڈور کٹ گئی۔ یہ کیوں کر ہوا۔ مجھے کہنے کی ضرورت نہیں۔ مگر میرا مشن جسے میں پورا کرنے آیا تھا۔ کچھ پورا ہو گیا اور کچھ ابھی ادھورا باقی ہے۔ مگر مجھے اس کا غم نہیں۔ میری ماں کی زنجیریں کٹ گئیں۔ میں نے اُسے آزادی دلانے میں مدد کی۔ جو کچھ مجھ سے بن سکا۔ میں نے کیا۔ مگر افسوس اس جد و جہد میں اس کے انگ زخمی ہو گئے۔ میں اپنی پیاری ماں کو صحیح سلامت آزادی کی منزل پر پہنچتے نہ دیکھ سکا۔ اس کے جسم کے چند اعضا کٹ گئے۔ اس افراتفری میں اس کے بچوں سے بھول ہو گئی۔ زنجیریں کاٹتے وقت اُن سے کچھ ٹیڑھے میڑھے ہتھیار چل گئے۔ وہ آج زخمی حالت میں ہے۔ مگر پھر بھی وہ آزاد ہے۔ اس کے گھاؤ تازہ ہیں۔ اُن زخموں کو ابھی بھرنا ہے۔ اس کے کمزور جسم میں ابھی طاقت آنا باقی ہے۔ اُسے تندرست و توانا کرنا ہے میں اس میں مدد کرنے سے مجبور ہوں۔ مگر ہاں۔ اُسی کا ایک سپوت ہے۔ اُس کا ایک فرماں بردار بیٹا۔ جو یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ وہی شہزادہ اپنی ماں کے زخموں پر اب پھاہا رکھیگا۔ وہ اُسے طاقت دے گا۔ میری ماں کسی زمانے میں مہارانی رہ چکی ہے۔ دنیا اُس کی انوکھی طرزِ حکومت کی مداح ہے۔ وہ شہزادہ اُس کے سر پر پھر سے تاج پہنائے گا۔ اسے ایک دفعہ پھر ایک عظیم ملک کے روپ میں پیش کریگا۔

ایک دفعہ پھر دنیا کے تاجدار اُس مہارانی کو سجدہ کریں گے۔ اس کی عظمت کے گیت گائیں گے۔"

"آپ کی باتیں کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہی ہیں۔ اور مجھے اس بات سے بے حد خوشی ہے کہ میں نے اپنا روپ اس وقت بدلا جب یہ مادرِ وطن آزادی کی سانس لے رہا ہے۔ محترم بزرگ۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تمہیں شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جس انسان کی تم روح ہو۔ وہ واقعی بلند تھا میرا سر اس عظیم انسان کے آگے جھکتا ہے اب بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

اس بزرگ نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اپنی لاٹھی ٹیک کر میرے برابر جھونپڑی کے باہر زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے ایک عجیب نور برس رہا تھا۔ اگرچہ اس کا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دے رہا تھا تاہم اس کے اندر امر جیوتی کا تیج تھا۔ اس کا جواب سننے کے لئے میں بے چین ہو گیا۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے سے بولا:۔

"ہر بقا کو فنا ہے۔ جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ مرتی بھی ہے۔ ہر مادی چیز اپنا چولا بدلتی ہے۔ قدرت کے اس اصول کے مطابق میں نے اپنا خاکی جسم تیاگ دیا۔ اب اس دنیا میں میرا وجود نہیں۔ صرف میری روشن کی ہوئی ایک شمع ہے۔ جو ایک شہزادے نے اپنا لی۔ وہ اب تک میرے ساتھ قدم بقدم شانہ بشانہ چلتا آیا ہے۔ مجھے اس پر بھروسہ ہے۔ باقی ماندہ کام کو وہی پورا کر سکتا ہے۔ اور مجھے یقین ہے وہ کرے گا۔ وہ دنیا کو امن اور شانتی کی راہ دکھائے گا۔ وہ دنیا کو تباہی اور بربادی سے بچائے گا۔ اور ساتھ کے ساتھ اپنی ماں کا مستقبل شاندار اور روشن کرتا چلیگا۔ آپ نے اُس کا ساتھ دینا ہے۔ اِس سے اس کی منزلیں آسان ہو جائیں گی۔ وہ آپ کا زبردست مداح ہے۔ شہزادے کی زندگی تک آپ اس کا

ساتھ دیں۔ یہی میری پرارتھنا ہے"

"اے شانتی کے اوتار! تم نے میرے اوپر ایک ذمہ داری لادی ہے۔ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آخر تک نبھاؤں گا۔ میرے روپ بدلنے کا مقصد شاید آج پورا ہو گیا۔ مجھے انسانی زندگی کی منزل مل گئی۔ اے دیوتا! تو نہیں جانتا کہ جب تیرا یہ وشال دیش غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ میں اُسی وقت سے سوچ رہا تھا کہ میں اِس عجیب وغریب دیش کو قریب سے دیکھوں۔ آج اِس ملک کو آزادی دلوانے والے کو سامنے دیکھ کر عقیدت سے میرا سر جھکا جاتا ہے۔ آجتک بڑے بڑے سورما۔ تلوار کے دھنی۔ ماہرینِ جنگ اور خطرناک ہتھیاروں سے لیس لوگوں کو ملکوں کو آزادی دلواتے دیکھا تھا۔ لیکن یہ ایک عجیب منظر دیکھ رہا ہوں کہ تم جیسا کمزور اور ناتواں انسان اتنے بڑے ملک کو آزادی دلوائے۔ یہ کیا معجزہ ہے؟ کیسا عُقدہ ہے۔ جو اب تک وا نہیں ہو سکا۔"

"آپ حیران نہ ہوں۔ پریم اور محبت میں بڑی طاقت ہے۔ توپ اور تلوار اس کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ اہنسا کے ہتھیار کے سامنے بڑی سے بڑی طاقتیں جھک جاتی ہیں۔ میرے صرف یہی ہتھیار ہیں۔ اور انہیں کی مدد سے میں اپنے پیارے دیش کو آزاد کروانے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

اگر میں اپنے اصل روپ میں ہوتا۔ تو یہ سب کچھ فطرتاً معلوم ہو جاتا اس حالت میں اِن باتوں کا میرے اوپر قطعاً کوئی اثر نہ ہوتا۔ لیکن انسانی شکل میں میں کس طرح محسوس کر رہا تھا۔ میری آنکھیں اس بزرگ کی روح کے سامنے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس کی باتوں نے میرے اندر ایک عجیب سی سنسنی پیدا کردی۔ وہ انسان مجھے فرعونوں سے زیادہ بارعب دکھائی دینے لگا۔ زبردست نیرو اس کے سامنے ہیچ دکھائی دینے لگے۔ چنگیز خاں اور ہلاکو کی بھیانک شکلیں

اس کے آگے گھگھیاتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ انسان تو انسان۔ طوفان بھی اس کے سامنے دم مارنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ وہ انسان مجھے بھونچال سے زیادہ زبردست دکھائی دے رہا۔ دنیا کے تمام ہتھیاروں خطرناک بموں کے سامنے سینہ سپر کرنے والا یہ ایک ہڈیوں کا ڈھانچہ اپنے اندر کتنی طاقت رکھتا تھا۔ شاید وہ بھگوان شنکر کے تانڈو نرتیہ کو شانت کر سکتا تھا۔ اپنے ان انوکھے اور لاثانی ہتھیاروں سے۔ جن کا اس نے میرے سامنے ذکر کیا تھا۔ مجھے خاموش دیکھ کر بے چینی سے اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے ہڑبڑا کر جواب دیا۔

"جو آپ کہتے ہو۔ میں وہی کروں گا۔"

"بس! میں مطمئن ہوں۔ میں اب آپ سے رخصت چاہوں گا۔ مجھے اجازت دیجئے"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ ہاتھ جوڑ کر مجھے پرنام کیا اور لاٹھی ٹیکتا ہوا اسی راستے پر چل پڑا جدھر سے وہ آیا تھا۔ مگر میں نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"مگر میں شہزادے کو پہچانوں گا کیسے؟"

اس نے دھیرے سے پلٹ کر اسی دل فریب مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"وہ شہزادہ بھارت ورش میں اپنا پرتیک ایک ہی ہے۔ آپ کو پہچاننے میں دقت نہ ہوگی۔ وہ میری سمادھی پر اکثر آتا ہے۔"

میں خاموش ہوگیا۔ وہ اپنا رخ موڑ کر آگے بڑھ گیا۔ میں اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ دور بہت دور۔ وہ خلا میں چلا جا رہا تھا۔ میری نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ پھر ایک نقطے میں تبدیل ہوگیا۔ آخر میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ ہر طرف خاموشی چھا رہی تھی۔ فضا پرسکون تھی۔ مگر میرے دل میں ایک کشمکش پیدا ہو چکی تھی۔ ایک آرزو۔ جستجو۔ ایک فرض میرے اوپر لازم

ہو چکا تھا۔

دوسری صبح کا اجالا ہوتے ہی میں اپنی جھونپڑی سے نکلا۔ ایک انجان اور انوکھے سفر پر روانہ ہوگیا۔ ایکانت میں رہنے کے کارن میں آبادیوں کے حالات سے بے خبر تھا مجھے معلوم نہ تھا کہ اس بڑے ملک کے لوگوں کا رہن سہن کیسا ہے۔ ان کی طرز گفتگو کیا ہے۔ مگر پھر بھی میرے لئے یہ کوئی کٹھن سمسیا نہ تھی۔ میں تمام دنیا کی زبانیں جانتا ہوں۔ ان کے مختلف زمانوں کے علم میرے اندر مسدود ہیں۔ اگرچہ میں کبھی ان کی راہ میں حائل نہیں ہوا تو کیا بات ہے۔ ایک سیاح کی طرح میں نے یہ سب کچھ سیکھ رکھا ہے۔ ایک تاریخ داں کی طرح دنیا کی تہذیبوں۔ تمدنوں۔ ان کی خامیوں اور خوبیوں سے واقف ہوں۔ میں کبھی ناصح نہیں بنا۔ ان کے رخ کو موڑنے کی میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ اور نہ ہی مجھے اس سے سروکار رہا ہے۔ ابد سے اجل تک میرا کام تو سفر کرنا رہا ہے۔ مجھے اب معلوم کرنا تھا کہ ان کے خیالات کیسے ہیں۔ وہ کیا سوچتے ہیں۔ ان کی خواہشات کیسی ہیں۔ انسان بن کر تو انسانوں کی طرح ہی مجھے سب کچھ کرنا تھا۔ جوں جوں میں ان کے نزدیک بڑھتا چلا گیا۔ مجھے ان کے چہرے سنجیدہ اور پُروقار نظر آنے لگے۔ کچھ عجیب خلط ملط سے تاثرات تھے ان کے۔ میں نے جلد ہی یہ راز معلوم کر لیا۔ کسی تازہ گھاؤ نے ان کے شیشہ دل کو پگھلا دیا تھا۔ اکثر پلکیں آنسوؤں سے تر نظر آئیں۔ جلد ہی یہ معمہ حل ہوگیا۔ ملک کا نجات دہندہ چل بسا تھا۔ یہ لوگ اس سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ اسی کے غم میں نڈھال ہو رہے تھے۔ اس کی جدائی بری طرح محسوس کر رہے تھے۔ کتنا مہان اور سچا تھا وہ انسان جس سے ابھی کل ہی میں نے گفتگو کی تھی۔ اب مجھے ہرگز دیر نہ کرنا تھی۔ میرے کام کرنے کا وقت نزدیک آ چکا تھا۔ مجھے اس شہزادے کا پتہ معلوم کرنا تھا۔ مگر یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔ ہر آدمی بلکہ ایک چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی اس میں میری رہنمائی کر سکتا تھا۔ میں راستہ

پوچھتے ہوئے اس مہان یوگی کی سمادھی پر چلا گیا۔ اگرچہ وہاں پہنچنے میں مجھے کئی روز لگے۔ لیکن میں ٹھیک وقت پر ہی پہنچا تھا۔ وہاں کافی بھیڑ تھی۔ عقیدت مند لوگ اس سمادھی پر شردھانجلی ارپن کر رہے تھے۔ پھولوں کی مالائیں اس کے اوپر بکھری پڑی تھیں۔ اَن گنت لوگ۔ گورے۔ کالے۔ مٹیالے رنگ کے۔ زرد اور کچھ سرخ چہرے مجھے وہاں نظر آئے۔ میں شہزادے کو اُن میں ڈھونڈنے لگا۔ مگر خوب اس بزرگ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ کہ وہ شہزادہ اپنی مثال خود ہی ہے۔ اس اتھاہ بھیڑ میں وہ سب سے نرالا تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ سفید کپڑوں میں ملبوس وہ کوئی آسمانی دیوتا نظر آ رہا تھا۔ میں بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ کسی نے مجھے نہیں ٹوکا۔ میں آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ نہایت نمرتا سے پہلے میں نے سمادھی کے آگے سر جھکایا! برابر ہی مجھے ان کا حسین چہرہ نظر آنے لگا۔ میں دنگ رہ گیا۔ کچھ دیر تو میں نگاہیں جمائے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ گورا بدن۔ تیکھا اور نہایت ہی مناسب ناک و نقش۔ متناسب جسم۔ بلا کی پھرتی۔ میں چپ چاپ اپنی جگہ سے اٹھا اور قدرے جھک کر میں نے اپنا داہنہ ہاتھ اس کی پیٹھ پر رکھ دیا۔ وہ میری طرف مُڑا۔ پھر یکدم سیدھا کھڑا ہو گیا اور بولا:-

"اوہ۔ آپ!"

وہ مجھ سے ایسے مخاطب ہوا گویا عرصے سے مجھے جانتا تھا۔ کسی نے اس واقعے کو خصوصی طور سے نہ دیکھا۔ ہزاروں لاکھوں لوگ اس سے ملتے تھے۔ وہ شیش محل میں رہنے والا شہزادہ نہ تھا۔ سینکڑوں لوگ روزانہ اس سے گفتگو کرتے تھے۔ میں نے آہستہ سے کہا:-

"چلئے۔ میں آپ کا ساتھ دینے آ گیا ہوں۔"

وہ خاموشی سے میرے ساتھ چلنے لگا۔ کسی نے میری حاضری پر توجہ نہ دی۔

ہم اس کی جائے رہائش کے قریب آ گئے۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کے لئے ضد کی۔ مگر میں نے اسے منع کر دیا۔ اور پھر قریب ہی میرے رہنے کا انتظام کر دیا گیا۔ مجھے زیادہ جگہ درکار نہ تھی۔ اس لئے ایک معمولی سے مکان میں بود و باش اختیار کر لی میری ضروریات محدود تھیں۔ تاہم وہ فراخدلی سے انہیں مہیا کرتا رہا۔ اس کی زندگی میں کتنی گہما گہمی تھی۔ اس کا تمام دن ملک کی بہتری و بہبودی کے ذرائع سوچنے میں صرف ہو جاتا۔ آدھی رات گئے تک وہ کام میں مشغول رہتا۔ میں اکثر کوشاں رہتا۔ کہ علیحدگی میں اس سے ملاقات کروں۔ مگر اتنے عدیم الفرصت شخص کو بھلا فرصت کہاں؟ مجھے صرف وہی جانتا تھا۔ دیگر لوگوں کے لئے میں ایک معمولی کردار کا فرد تھا۔ جس سے کسی کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ کوئی میری طرف دھیان نہ دیتا تھا۔ وہ بڑے بڑے مسائل حل کرتا چلا جا رہا تھا۔ دنیا کے مدبرین اس کی رائے لینے آتے اس سے صلاح و مشورے کرتے۔ اور نیک رائے سے فیضیاب ہو کر جاتے۔ میں ایک تاریخ داں کی طرح اسے دیکھتا رہا۔ اسی طرح مہینے بلکہ چند سال گزر گئے۔ وہ اس بزرگ ہستی کے غم کو بھولتا گیا۔ مگر اس کے اصولوں کو اس نے اپنا لیا تھا۔ وہ اُنہیں سدھانتوں پر چلتا ہوا ملک کی نیا آگے ہی آگے بڑھائے لئے جا رہا تھا۔ مگر وہ تو اپنے آپ کو لوگوں کا سیوک تصور کر رہا تھا۔ جو جنتا چاہتی تھی۔ وہی وہ کرتا۔ لوگوں کی نگاہوں میں سندر سپنے چمکنے لگے۔ اُن کے خوابوں کو عملی جامہ پہنا رہا تھا۔ جنتا کے اندر امنگوں کا ایک اتھاہ ساگر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ غلامی کی بیڑیاں پہننے کے بعد ملک میں جو گھاؤ ہیں آ چکی تھیں۔ انہیں وہ آہستہ آہستہ دور کرتا چلا جا رہا تھا۔ امیر و غریب۔ اچھوت اور سورن جاتیاں۔ پردیشوں کے بھید بھاؤ سب مٹتے جا رہے تھے۔ اس کا اپنا دل صاف تھا۔ اس لئے وہ کسی میں تمیز نہ رکھتا تھا۔ اس کے دروازے سب کے لئے کھلے تھے۔ وہ بہت دور کی

سوچتا تھا۔ اس نے دنیا میں ملک کا نام روشن کر دیا۔ عالمی مجلس میں اس کے ملک کی عزت بڑھ گئی۔ اس دوران میں میری چند ہی ملاقاتیں اس سے ہو سکیں۔ اس لئے کوئی خاص واقعہ قابل بیان نہیں۔

ایک دن میں اپنے چھوٹے سے مکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ انسانی خیالات اُمڈ رہے تھے۔ میں سوچنے لگا۔ میری اسے کیا ضرورت ہے۔ اس کے اپنے اندر دُور تک دیکھنے کی صلاحیتیں ہیں۔ میں نے کیوں اپنا چلن بدلا۔ میں نے جو کچھ اب تک دیکھا تھا میرا دل اس سے مطمئن تھا۔ وہ میرے بغیر ہی سب کچھ کئے جا رہا تھا۔ پھر میں کیوں بقید حیات رہ کر خشک زندگی بسر کروں؟ کیوں نہ اپنے معین راستے پر چل دوں؟ میری تو ڈگر ہی دوسری ہے۔ اس لئے میرا دل اکتانے لگا۔ آخر میں نے ارادہ کر لیا کہ میں اس سے اب اجازت مانگوں گا۔ اور بخوشی اس سے رخصت حاصل کر کے اپنا اصلی روپ اختیار کر لوں گا۔

اچانک میرے کمرے کا دروازہ کھلا۔ پُر وقار۔ بصد جاہ و جلال۔ ہزاروں روشنیوں کا منبع میرے سامنے کھڑا تھا۔ میں اچانک اس کی آمد پر حیران ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایک ابدی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اپنی مردانہ سُریلی آواز میں کہا:-

"میں جانتا ہوں۔ آپ واپس اپنے سفر پر جانے کے لئے بے تاب ہیں۔ لیکن ابھی آپ نہیں جائیں گے۔ آپ کو میرا ساتھ دینا ہے۔ میں آپ کو ایک سفر پر چلنے کے لئے دعوت دینے آیا ہوں۔ یہ سفر پُر خطر اور بھیانک ہوگا۔ مگر میں اس سے نہیں ڈرتا۔ میں نے زندگی میں ڈرنا نہیں سیکھا"

میں نے اس کا خوش آمدید کیا۔ وہ بغیر کچھ کہے میرے برابر ہی بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اپنے آنے والے سفر کی تفصیل بیان کرنے لگا۔

"جس دن آپ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں آپ کا ہی منتظر تھا۔ سمادھی پر جب میں دھیان لگائے بیٹھا تھا۔ تو مجھے آپ کی آواز سنائی دی تھی۔ پھر آپ کی باتیں جو تہاتما سے ہوئیں مجھے ان کا گیان ہو گیا۔ مجھے آپ کی اشد ضرورت ہے یوں تو میرے بہت سے صلاح کار اور مشیر ہیں۔ مگر جس مہم پر میں روانہ ہونے والا ہوں۔ وہاں مجھے آپ کا ہی ساتھ درکار ہے۔ صرف ایک سفر کے لئے ہیں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ ہم اپنے ایک بڑے پڑوسی دیش کی طرف جائیں گے۔ ہمیں وہاں کی ملکہ سے ملاقات کرنی ہے۔ وہ ایک چالاک اور عیار عورت ہے۔ ہمیں اسے اُس کے خطرناک ارادوں سے باز رکھنا ہے۔ اگر اُسے نہ روکا گیا۔ تو وہ امنِ عالم کے لئے تباہی اور بربادی کا باعث بنے گی۔ ابھی اس کی طاقت محدود ہے۔ مگر وہ دنیا پر چھا جانے کے سپنے دیکھ رہی ہے۔ اس کے ارادے دنیا کو نگل لینے کے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کا فاتح تصور کر رہی ہے۔ اس کے دشمن تو اُس سے بیزار ہیں ہی۔ لیکن اُس کے ساتھی بھی اُس سے خائف ہیں۔ محبت اور پیار۔ خلوص و ہمدردی سے ہمیں یہ مسئلہ حل کرنا ہوگا۔ مبادا وہ خطرناک ہتھیاروں سے کھیلتی ہوئی دوسروں کے اوپر بربادی نازل کر دے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ آگ سے کھیلتی ہوئی خود بھی راکھ ہو جائے۔ آپ کو اس مہم پر چلنے سے پس و پیش تو نہیں؟"

میں اُس کے اِن زبردست ارادوں کو سن کر شش و پنج میں پڑ گیا۔ ملکہ کے کردار کو میں نے دُور سے جھانک کر دیکھا تھا۔ جب سے اُس نے عنان حکومت ہاتھ میں لی تھی۔ ظلم و تشدد کا ایک طوفان برپا ہو گیا تھا۔ پھر مجھے یہ ڈر ستا رہا تھا کہ کس طرح ہم اُس خون کی پیاسی عورت کو راہ راست پر لا سکیں گے۔ وہ دوست و دشمن میں تمیز کرنا نہ جانتی تھی۔ وہ روحانی جذبات سے عاری تھی۔ شاید اُس کے سینے میں دل تو تھا ہی نہیں۔ بیک وقت وہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں

انسانوں کا خون بہانا۔ اُن کو خون میں تڑپتے دیکھنا پسند کرتی تھی۔ یہ تو اُس کا مشغلہ تھا۔ انسانی زندگی کی قدر اُسے ہرگز نہ تھی۔ جہاں اُسے رتی بھر بھی فائدہ نظر آیا۔ وہ اپنی غریب اور مجبور رعایا کو آگ میں جھونک دیتی۔ کیا یہ سیدھا سادھا انسان اُس کی کالی کرتوتوں کا مقابلہ کر پائے گا۔ سچائی کا یہ علمبردار اُس کے ظلم کا نشانہ تو نہ بن جائے گا۔ میں اِسی مخمصے میں پڑا ہوا حالات کے اُتار چڑھاؤ سوچ رہا تھا۔ کہ وہ پھر بول اُٹھا۔

" آپ کو شاید میری چنتا ستا رہی ہے یا اِس خطرناک سفر سے خائف ہیں لیکن محترم! بغیر اپنے آپ کو خطرے کے سپرد کئے کوئی بڑا کام سر انجام نہیں پاتا۔ مجھے اندیشہ ہے۔ کہ ہمیں اِس مہم میں ناکامی ہوگی۔ شاید زندگی سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جائے۔ لیکن زندگی کے فلسفے کو میں نے غور سے پہچانا ہے۔ ایک دیئے سے ہزاروں دیئے روشن کئے جاتے ہیں۔ ایک زندگی تباہ کر کے لاکھوں کروڑوں انسانی زندگیاں بچائی جا سکتی ہیں۔ یہ کوئی بُرا سودا تو نہیں۔"

اُس کے اِن الفاظ نے میری گردن شرم سے جھکا دی۔ واقعی آدمی ہونا بہت بڑی بات ہے۔ جنت کے خاموش اور بے حس نظاروں کی نسبت انسان کی ایک پُر خطر زندگی بدرجہا بہتر ہے۔ جو کسی مقصد کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک آدرش کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔ میں فوراً بول اُٹھا۔

" مجھے بھلا آپ کا ساتھ دینے سے کیا انکار ہو سکتا ہے؟ اچھا یا بُرا موقعہ جیسا بھی ہوگا۔ میں ہر دم آپ کا ساتھ دوں گا۔ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کروں؟ آپ کونسا کام میرے سپرد کرنا چاہتے ہیں؟"

" خیر۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ آپ نے میرا ساتھ دینا منظور کر لیا۔ باقی رہیں آپ کی ذمہ داریاں۔ تو وہ بہت ہیں۔ اور ضرورت پڑنے پر خود بخود آپ پر عیاں ہو جائیں گی۔ اچھا اب میں اجازت چاہوں گا۔ شب بخیر میرے رفیق! پھر

ملیں گے"

چلتے وقت اُس نے ایک اور جملہ کہا۔ جو میرے دل میں اُس شخصیت کی اہمیت اور بلندی کا احساس پیدا کر گیا۔

" میرے مشفق و مہربان بزرگ! میں نے زندگی بھر تمہاری قدر کرنا سیکھی ہے۔ اور تمہارے نپے تُلے اصولوں کا قائل رہا ہوں"

یہ الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ وہ میرا زبردست مداح ہے میرا قدرداں ہے تو مجھے بھی اُس کی خاطر کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔ اُسے ہر خطرے سے آگاہ کرنا میرا فرض ہوگا۔ میں اُسے ہر مصیبت سے خبردار کروں گا۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ آئندہ سالوں میں میں ہر لمحہ اُس کا خیال رکھوں گا۔ اُس کا کوئی قدم ٹیڑھا نہیں پڑنے دوں گا۔ اور خصوصاً اُس کی اُس مہم کو جو دراصل مجھے بھی نہایت ہی بھیانک اور لرزہ خیز معلوم ہوتی تھی۔ جہاں تک ہو سکے گا کامیاب بنانے کی کوشش کروں گا۔

تیسرا باب

انوکھا سفر

چند روز کے بعد ہم اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ راستے میں وہ مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ اُس کی گفتگو فلسفہ اور گیان سے بھری ہوئی تھی۔ وگیان یعنی سائنس کا وہ ایک ماہر عالم تھا۔ ہنسی و مذاق اُس کی گھٹی میں پڑا ہوا تھی۔ اِس سے ہمارا سفر

دل چسپ رہا۔ آبادیوں میں جہاں سے وہ گذرتا۔ لوگ اُسے دیکھنے کے لئے میلوں سے چلے آتے۔ وہ اُن سے مخاطب ہوتا۔ لوگ اُس کی باتیں غور سے سنتے۔ اُن کی نگاہیں اُس کے چہرے کو ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہتیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ لوگ اُس کے خیالات سے کیا اثر لیتے تھے غالباً اچھی ہی رائے لے کر جاتے تھے۔ مگر وہ اُس کے درشنوں سے اپنے دل کی پیاس ضرور بجھا لیتے۔ بچوں میں وہ بالکل بچہ بن جاتا۔ گھنٹوں اُن سے کھیلتا رہتا۔ اُنہیں گود میں کھلاتا۔ چومتا، پیار کرتا۔ بچے اُس سے چمٹ جاتے۔ وہ اُس کے اوپر بے تحاشا گر پڑتے۔ لوگ بچوں کو روکنے کی کوشش کرتے۔ مگر وہ اُنہیں منع کر دیتا اور خود آگے بڑھ کر اُنہیں اپنی باہوں میں لے لیتا۔ اُنہیں جھولا جھلاتا۔ جہاں کہیں سے بھی ہم گذرتے یہی منظر دہرائے جاتے۔ اُسے بھیڑ سے کبھی جھنجلاہٹ نہ ہوتی۔ انسانوں کا پیاسا اُس کی روح رواں تھا۔ اُن کا دکھ درد اس کا اپنا تھا۔ وہ اُن کی بہتری و بہبودی کی ترکیبیں اُنہیں بتاتا لوگوں کو کیا کرنا لازم ہے۔ وہ اُن کے لئے کیا کر رہا ہے۔ سفر کے دوران میں وہ اُنہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے حکم جاری کرتا رہا۔ کسان اور محنت کش لوگ اُس کے سامنے آتے۔ وہ اُنہیں پسینے سے شرابور دیکھتا وہ خود آگے بڑھ کر اُن کے آگے ہاتھ جوڑ دیتا۔ اُس کی نمرتا دیکھ کر لوگ بچھے جاتے۔ اگرچہ ملک میں غربت تھی۔ افلاس تھا۔ بے کاری تھی۔ لیکن لوگوں کی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔ اُنہیں اپنا مستقبل اِس شہزادے کے دورِ سلطنت میں شاندار نظر آ رہا تھا۔ وہ اُنہیں کل کا معمار نظر آ رہا تھا۔ اِسی لئے اُن کے چہرے پُر امید نظر آتے۔

آبادیوں کو ہم پیچھے چھوڑتے چلے گئے۔ اب ہمارے آگے جنگلوں اور پہاڑوں۔ ندیوں اور کہساروں کا پُر خطر سفر تھا۔ شہر گاؤں اور مکان اب ہمارے آرام کے لئے نہ ملنے والے تھے۔ دو مسافر آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ جاں

اُسے جسمانی تھکاوٹ محسوس ہوتی ہم کچھ دیر کے لئے رُک جاتے۔ مگر اُسے روحانی تھکاوٹ کبھی محسوس نہ ہوتی تھی۔ اپنے مقصد کی لگن۔ اور جستجو سفر اُسے آگے ہی آگے کھینچے لئے جا رہی تھی۔ ہم ایک بھیانک جنگل میں پہنچ گئے۔ جنگلی جانور، جگہ جگہ گھوم رہے تھے۔ مجھے خوف پیدا ہوا۔ کہ ہم دو نہتے انسان اُن کا کس طرح مقابلہ کر پائیں گے؟ جگہ جگہ سے اُن کی خوف ناک آوازیں سنائی دے رہی تھیں کہیں دُور سے شیر کی دہاڑ سنائی دیتی۔ کہیں کوئی عجیب سی خطرناک چیخ جنگل میں گونج اُٹھتی۔ کہیں کراہنے کی آواز آ جاتی۔ یہاں میری حالت دگرگوں ہونے لگی مجھے خیال پیدا ہوا کہ اب بھی کسی شے نے ہمارے اوپر جھپٹا مارا۔ بڑے بڑے سانپ درختوں سے لپٹے ہوئے تھے۔ اُن کی دبی دبی سرسراہٹ کچھ عجیب سا خوف پیدا کر رہی تھی۔ مگر شہزادہ مسکرا رہا تھا۔ آخر وہ میرا وہم سمجھ گیا۔ اُس نے کہا۔

" جانور کسی کو کچھ نہیں کہتا۔ صرف بھوک لگنے پر ہی وہ شکار کرتا ہے ورنہ وہ اپنے راستے پر بنا روک ٹوک چلا جاتا ہے۔ وہ ہمارے راستے میں اُس وقت تک کاوٹ پیدا نہیں کرے گا۔ جب تک کہ ہم ہی اُس پر وار نہ کریں"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ کسی نے ہمارا راستہ نہیں روکا۔ جنگلی جانور دور سے ہماری طرف دیکھتے اور آگے بڑھ جاتے۔

اچانک ہمیں شیرنی کے دو چھوٹے چھوٹے بچے نظر آئے۔ جو ندی کے کنارے پھر رہے تھے۔ اُن میں سے ایک آہستہ آہستہ پانی کی طرف بڑھنے لگا۔ شاید پانی پینے کے لئے۔ ندی کا بہاؤ اُس معصوم کی طاقت کے مقابلے میں تیز تر تھا۔ وہ ایک اُٹھتی ہوئی لہر کی زد میں آ گیا۔ وہ پانی کے ساتھ ساتھ بہتا ہوا چلا جا رہا تھا دوسری طرف سے ہمیں یکدم ایک دہاڑ سنائی دی۔ میں خوفزدہ ہو کر شہزادے کے پیچھے ہو گیا۔ سامنے شیرنی منہ پھاڑے کھڑی تھی۔ مگر دریا کا پاٹ اُسے اپنے بچے

کو بچانے کے لئے حایل تھا۔ وہ بے چینی کے عالم میں پانی کے پاس چکر کاٹنے لگی۔ اُس کی دُم تیزی سے لہرا رہی تھی۔ پھر اُس نے ایک دفعہ زور سے دہاڑا۔ اُف کیسی خوف ناک تھی اُس کی آواز۔ میں لرز اُٹھا۔ مگر دوسرے ہی لمحہ میں نے دیکھا شہزادے نے ندی میں چھلانگ لگادی۔ وہ تیرتا ہوا بچے کے پاس پہنچ گیا۔ ایک ہی جست میں اُسے اپنی گود میں اُٹھالیا۔ اور اُس پانی میں غوطے کھاتے ہوئے معصوم کو بچالیا۔ وہ تیرتا ہوا دوسرے کنارے بڑھنے لگا۔ میں نے چیخ کر آواز دی۔ کہ اُدھر نہ جائے۔ اُدھر خطرہ تھا۔ شیرنی اُسے ایک جھپٹے میں مار گرا سکتی تھی مگر وہ شیر نڑ آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ اُس نے ندی کو پار کرلیا۔ اور اُسی وقت میں نے دیکھا شیرنی یکدم آگے بڑھی۔ اُس بچے کو اپنے مُنہ میں دبوچ لیا جسے شہزادے نے اُس کے آگے بڑھا دیا تھا۔ مگر میں حیران کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ تیزی کے ساتھ وہ پھر لوٹا دوسرے بچے کو جو ابھی اِس طرف کنارے پر تھا۔ اُسے گود میں اُٹھایا اور لے کر دوسرے کنارے جانے لگا۔ رفتہ رفتہ وہ اُس پار پہنچ گیا۔ اُسے بھی اُس کی ماں کے سپرد کردیا۔ اب میں دیکھ رہا تھا۔ کہ جنگل کی مہارانی شہزادے کو کیسی ممنون نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی لمبی دُم اِس طرح ہلا رہی تھی۔ گویا وہ اُس کا شکریہ ادا کررہی ہو۔ شہزادہ واپس اِسی کنارے پر پہنچ گیا۔ گویا اُس نے کوئی خاص کام نہ کیا تھا۔ محض ایک معمولی سا کام سرانجام دیا تھا۔ اُس کی یہ بے خوفی دیکھ کر میں انگشت بدنداں ہوگیا۔

جب ہم آگے بڑھے۔ تو راستہ اور بھی پُرخطر ہوگیا۔ جنگل زیادہ گھنا ہوتا چلا گیا۔ درخت اتنے زیادہ اور پھیلے ہوئے تھے۔ کہ سورج کی دھوپ اب ہمیں محسوس نہ ہوتی تھی۔ راستہ پتھروں اور خاردار کانٹوں سے پٹا پڑا تھا۔ چلتے ہوئے ہمیں ایک خوف ناک چنگھاڑ سنائی دی۔ نزدیک ہی کہیں جنگلی

ہاتھی گھوم رہے تھے۔ مگر ہم آگے بڑھتے چلے گئے۔ دُور فاصلے پر ہاتھیوں کا ایک بڑا سا غول آتا نظر آیا۔ میں نے شہزادے کو درختوں میں چھپ جانے کی صلاح دی۔ مگر وہ نہیں مانا۔ اپنے معین راستے پر چلتا گیا۔ رفتہ رفتہ ہم اُن کے نزدیک پہنچ گئے۔ اب اُن میں سے کسی کی لمبی جھُولتی ہوئی سونڈ ہمیں اپنی لپیٹ میں لے سکتی تھی۔ مگر کسی نے کوئی نازیبا حرکت نہ کی۔ البتہ میں نے دیکھا۔ کہ سب سے آگے والے ہاتھی نے جو جسم میں لحیم و شحیم ہوگا۔ غالباً غول کا سردار تھا۔ اُس نے اپنی سونڈ اوپر اٹھائی۔ لمحہ بھر کے لئے وہ تمام جانور رُک گئے۔ ایک تیز چنگھاڑ انہوں نے ماری۔ پھر ساتھ کے ساتھ باقیوں نے بھی اپنی سونڈیں بلند کیں۔ گویا وہ ہمیں سلام کر رہے تھے۔ شہزادہ مسکرایا۔ اُس نے اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ اور آگے بڑھ گیا۔ ہاتھیوں نے اپنی سونڈیں جھکا لیں۔ وہ قطار باندھے ہمارے پاس سے نکل گئے۔ عجیب منظر مجھے نظر آیا۔ انسان تو انسان۔ جانور بھی شہزادے کو سجدہ کرتے تھے۔ اتنا بہادر اور نڈر تھا وہ بھارت کا سپوت۔ میں نے اُس سے سوال کیا:-

”شہزادے۔ اتنی بہادری تم نے کہاں سے پائی؟“

اس نے نہایت ہی سیدھے سادھے سبھاؤ سے جواب دیا:-

”دوست جب میں کسی کا بُرا نہیں چاہتا۔ تو کوئی میرا بُرا کیوں چاہنے لگا؟ دُنیا کا تو اصول ہے۔ اِس ہاتھ لے اُس ہاتھ دے۔ جانور تک اِس اصول کو مانتے ہیں۔ میرا من صاف ہے۔ اس لئے مجھے دُنیا سچی اور صاف دکھائی دیتی ہے۔ میں نے یہ سب کچھ اُس بزرگ کے قدموں میں بیٹھ کر سیکھا جس نے آپ کو میرا ساتھ دینے کا آدیش دیا ہے“

مجھے اُس بزرگ کی عظمت کا اعتراف ہوگیا۔ کاش یہ دنیا ایسی سچی اور

صاف دل ہو جائے۔ تب یہ خوف باقی نہ رہے۔ دنیا سے جنگ و جدل کا نام بھی جاتا رہے۔

اب جنگلی علاقہ ختم ہونے لگا۔ سامنے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ دُور دُور تک ایک سلسلہ کوہ چلا جا رہا تھا۔ نہ معلوم اِن کی گود میں کیا کچھ تھا۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہم آسانی سے چڑھتے گئے۔ پھر عجیب ٹیڑھی میڑھی چڑھائیاں سامنے آنے لگیں۔ یکدم سپاٹ علاقہ کہیں آ جاتا۔ یا پھر عمودی بلندی۔ ہم اُن میں سے اپنا راستہ ڈھونڈ نکالتے۔ شہزادے کی سُوجھ بوجھ کافی تھی۔ اِس طرح چڑھتے چڑھتے ہم کافی چڑھائی تک پہنچ گئے۔ اب ہمارے سامنے ایک بہتی ہوئی لمبی چوڑی ندی تھی بلکہ ایک جھیل تھی۔ ہمارے پاس کوئی بیڑا نہ تھا۔ کوئی دریائی نوکا نہ تھی۔ میں سوچ رہا تھا۔ کہ کیسے اس جھیل کو پار کیا جائے۔ مگر شہزادے نے کہا۔ آج ہمیں یہیں آرام کرنا ہے۔ اگلی صبح کوئی ذریعہ تلاش کرنے کا اِرادہ کیا۔ شاید کوئی لکڑی کا بڑا سا لٹھا ہی اُس کے ذہن میں تھا۔ جسے تلاش کر کے ہم اُس پر سوار ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اُس رات ہم نے وہیں آرام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پہاڑ کی ایک گُفا میں ہم نے ڈیرا ڈال دیا۔ خورد و نوش کا سامان جو ہمارے ساتھ تھا۔ اُس سے پیٹ کی آگ بجھائی۔

آسمان پر چاند پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ تمام کائنات خاموش تھی۔ ہم غار کے اندر گھس گئے اور آرام کرنے لگے۔ شہزادہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا۔ میں بھی اُس کے برابر لیٹا ہوا تھا۔ یہ کیسا سفر تھا؟ ہماری منزل کدھر ہے؟ ہمیں کہاں جانا ہے؟ کیا کیا منظر ہم نے ابھی دیکھنے ہیں؟ کچھ ایسے ہی خلط ملط سے خیالات مجھے گھیرے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی پلکیں موند لیں۔ شہزادے کو خیال ہوا شاید میں سو رہا ہوں۔ وہ آہستہ سے اٹھا۔ شاید اُسے یہ منظر بھا گیا تھا۔ چاند کی تیز روشنی

تمام پہاڑی علاقوں کو جگمگا رہی تھی۔ بڑا ہی پُرلطف منظر تھا۔ مگر ساتھ کے ساتھ خاموش اور خوفناک بھی۔ جو لوگ بستیوں میں رہنے کے عادی ہیں۔ وہ اِس منظر سے بھلا کیسے لطف اندوز ہو سکتے ہیں؟ پہاڑ کی اٹھتی گرتی بلندیاں ہمیں دلچسپ معلوم دے رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوگھا سے باہر نکل گیا۔ میں نے اُسے جاتے ہوئے کنکھیوں سے دیکھ لیا۔ مگر اُسے روکا نہیں۔ جھیل ہم سے آدھ ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ وہ رفتہ رفتہ اُس کے نزدیک پہنچ گیا۔ ایک بڑی سی چٹان کے اوپر بیٹھ گیا۔ چاند کی کرنیں اُس کے چہرے کو منور کر رہی تھیں۔ وہ اس کے گورے مکھڑے سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں۔ دُور سے مسکراہٹ بھرا اُس کا دلفریب چہرہ اُس پُرسکوت منظر کی شان کو دوبالا کر رہا تھا۔ اتنے میں مجھے کچھ شور سا سنائی دیا۔ گویا کوئی بھاگتی ہوئی شے ہماری طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ ملی جلی آوازوں نے میری اُتسکتا بڑھا دی۔ مگر میں اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ میں اِسی بات کی تاک میں تھا کہ اگر کسی طرف سے کوئی خطرہ درپیش ہوا۔ تو فوراً میں شہزادے کی مدد کو اٹھ کھڑا ہوں گا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ دُور سے سرپٹ دوڑتا ہوا چھلانگیں مارتا ہوا ایک ہرن بڑی تیزی سے اِدھر بڑھا چلا آ رہا ہے۔ پورے چاند کی روشنی میں اُس کی آنکھوں سے خوف و ہراس کے آثار نمایاں تھے۔ یقیناً کوئی جانور اُس کا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ سیدھا بھاگتا ہوا شہزادے کے قریب آ گیا۔ اُسے آنے والے خطرے کا احساس ہو گیا۔ وہ چوکنا ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور فوراً ہی لپک کر ہرن کو دبوچ لیا۔ پھر میں نے دیکھا۔ بھیڑیوں کا ایک غول پیچھے بھاگا چلا آ رہا تھا۔ شہزادہ بڑی سرعت کے ساتھ اُن کی طرف بڑھا۔ ایک بھیڑیا سب سے آگے تھا۔ اُس نے فوراً ہی اُسے پکڑ لیا۔ وہ چھٹپٹا رہا تھا۔ شہزادے نے جیب سے ایک تیز دھار والا چاقو نکالا۔ اور بھیڑیئے کو کاٹ ڈالا۔ باقی اُس کے ساتھی اب نزدیک پہنچ چکے تھے

اُس نے فوراً ہی ذبح شدہ بھیڑیئے کو اُن کی طرف اُچھال دیا۔ تمام بھیڑیئے اُس کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ وہ اپنے ساتھی کی لاش کی بوٹیاں کاٹ کاٹ کر کھانے لگے۔ ہرن خوف دہراس سے کانپ رہا تھا۔ شہزادے نے اُسے پیار کیا۔ اور آہستہ آہستہ گپھا کی طرف آنے لگا۔ میں یہ سب منظر دیکھ رہا تھا۔ اب سردی کافی بڑھنے لگی۔ باہر جاکر میں نے درختوں کی سوکھی ٹہنیاں اور لکڑیاں اکٹھی کیں۔ غار کے مُنہ پر اُنہیں جمع کیا اور آگ جلا دی۔ ایک تو ہمیں اُن موذی بھیڑیوں کا بھی خیال تھا کہ اچانک رات کے وقت حملہ نہ کردیں۔ دوسرے سردی سے بھی بچاؤ کرنا ضروری تھا۔

اگلی صبح جب ہم ضروریات سے فارغ ہوتے۔ تو اُس جھیل نماندی کو پار کرنے کی سمسیا سامنے نظر آئی۔ ہم دو کی بجائے اب تین تھے۔ وہ تیسرا ساتھی ہرن تھا جس کی جان شہزادے نے بچائی تھی۔ اگرچہ وہ جانور ہی تھا۔ تاہم اِس دیران جگہ پر تیسرے ساتھی کا مل جانا غنیمت تھا۔ ہم اب کسی لکڑی کے بڑے لمبے اور چوڑے تنے کی تلاش میں سرگرداں ہوئے۔ ہمارا نیا مہمان ہمارے ساتھ چل رہا تھا۔ تھوڑی دور چل کر شاید اُسے ہماری جستجو کا علم ہوگیا۔ وہ شہزادے کا دامن پکڑ کر کھینچنے لگا۔ گویا کہ وہ ہماری رہنمائی کرنا چاہتا تھا۔ شہزادہ اُس کی بات سمجھ گیا۔ اور اُسی طرف چل پڑا جس طرف کہ ہرن کا اشارہ تھا۔ میں بھی اُن کے پیچھے ہولیا۔ ہم جھیل کے ساتھ ساتھ ایک سمت کو چلے جارہے تھے۔ اِس کا پاٹ بہت ہی چوڑا تھا۔ اور اُس کے دوسری طرف ہمیں خشکی نظر نہ آرہی تھی۔ نہ معلوم کہاں تک یہ جھیل پھیلی ہوئی تھی۔ جب چوڑائی کا یہ حال تھا تو لمبائی کا اندازہ ناممکن تھا۔ لیکن پانی کی سطح بالکل خاموش تھی۔ اُس پر مدھم اور دھیمی دھیمی لہریں اٹھ رہی تھیں کہیں طوفان کا نام ونشان نہ تھا۔ اُس کے کنارے کنارے چلتے ہوئے ہرن کے ساتھ ساتھ جو ہماری رہنمائی کر رہا تھا بہت دُور تک

نکل آئے۔ پھر سامنے ہمیں ایک ڈھیر سا دکھائی دیا۔ گویا کوئی شے بکھری پڑی ہو۔ کچھ خلط ملط سا حلیہ۔ جوشِ اشتیاق سے ہم تیز قدم اٹھانے لگے۔ جوں جوں نزدیک ہوتے گئے دھندلی چیزیں صاف دکھائی دینے لگیں۔ اب ہمیں کوئی شے نظر آئی جو کشتی کے مشابہ تھی۔ ہماری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ہمیں اِس بات پر اور بھی زیادہ حیرت ہو رہی تھی۔ کہ اِس جانور کو ہماری ضرورت کا احساس کیسے ہوا؟ شاید بدلا اتارنے کی بھاؤنا نے اس جنگلی جانور کے اندر ہماری مدد کرنے کا جذبہ بھر دیا تھا۔ بہرحال کچھ بھی ہو ہم اُس کشتی کے نزدیک پہنچ گئے۔ مگر وہاں کا منظر دل دہلانے والا تھا۔ کشتی کے کچھ فاصلے پر ہڈیاں پڑی تھیں۔ معلوم نہیں کتنے عرصے سے وہ وہاں موجود تھیں دس بیس سال سے زیادہ عرصہ سے یا پھر ممکن ہے سو سال سے بھی زیادہ۔ ممکن ہے ہم سے پہلے بھی کوئی جستجو کا شوق لئے اِس طرف آیا ہو۔ مگر حالات نے وفا نہ کی ہو خطرناک موسم یا قدرت کے غیض وغضب کا نشانہ بن گیا ہو۔ مگر یہ کیا؟ میں نے اپنی نظر ذرا پرے پھیری۔ وہاں تو جگہ جگہ ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ انسانی جسم کے پنجر۔ کہیں کوئی کھوپڑی پڑی تھی۔ تو کہیں ریڑھ کی ہڈیوں کا ڈھانچہ۔ جابجا ٹانگ انگلیاں اور جسم کے دیگر اعضا کے ٹکڑے۔ اُن کے اوپر کا گوشت غائب تھا۔ اِن سب کو کیا ہوا تھا۔ ہم یہ معلوم کرنے سے قاصر تھے۔ مگر شہزادہ اس سے لاعلم نہ تھا۔ اُس نے بتایا کہ ہمارے ملک کا ہی ایک بہادر آدمی ایک مہم پر روانہ ہوا تھا وہ پہاڑی علاقوں کو فتح کرتا چلا گیا۔ شاید یہاں آکر اُس کی شکست ہوئی ہوگی۔ کسی انسان کے ہاتھوں سے نہیں۔ قدرت کی ستم ظریفی کے ہاتھوں۔ ہمیں دیکھ کر تاسف ہوا۔

ہم کشتی کے قریب پہنچ گئے۔ ہماری مشکل حل ہو چکی تھی۔ اُس کا جائزہ لیا یہ کشتی بہت بڑی نہ تھی۔ اس میں آٹھ یا دس آدمی بیک وقت سفر کر سکتے

تھے۔ اُس کے نزدیک ہی کچھ رستے پڑے ہوئے تھے۔ مگر وہ عرصہ گذر جانے کی وجہ سے بالکل گل چکے تھے۔ اُن میں اِس کشتی کو کھینچ کر پانی میں اُتارنے کی طاقت نہ تھی۔ مگر یہ کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا۔ جسے ہم حل نہ کر پاتے۔ میرے اندر بے پناہ طاقت ہے۔ مگر میں شہزادے پر ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا۔ اگر چاہتا تو اکیلا ہی اُسے دھکیل کر پانی میں اُتار دیتا۔ مگر ہم دونوں نے زور آزمائی کی۔ کشتی پانی کی سطح پر تیرنے لگی۔ ہرن کی آنکھوں میں ہمارے ساتھ جانے کی التجا نظر آرہی تھی۔ مگر اُس کا ہمیں ساتھ رکھنا مناسب نہ تھا۔ نہ معلوم آگے کیسے حالات سے مقابلہ کرنا پڑے۔ لہٰذا شہزادے نے اُس کی کمر کے اُوپر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ اور آہستہ سے اُسے ایک طرف کو دھکیل دیا۔ تھوڑی دیر وہ یاس وحسرت سے ہماری طرف آنکھیں جمائے دیکھتا رہا۔ پھر پہلے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ دور جا کر اٹھکیلیاں کرتا ایک طرف کو بھاگ گیا۔

ہم دونوں نے چپو سنبھال لئے۔ ہماری ناؤ پانی کے بہاؤ کی طرف جارہی تھی۔ شہزادے کو یہ علم تھا۔ کہ جس دیش کی یاترا کے لئے ہم جارہے ہیں وہ اُسی طرف تھا۔ جدھر ہمارا رُخ تھا۔ بڑی تیزی سے ہم سفر کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ دِن رات ہمارا سفر جاری تھا۔ نہ معلوم ہم اُس ندی کی کتنی لمبائی طے کر چکے تھے۔ مگر ابھی تک ہمیں دوسرا کنارہ نظر نہیں آیا۔ اِس انوکھے سفر کا حال جتنا دلچسپ ہے اُتنا ہی پُرخطر بھی۔ ہمیں صبح کا سورج اِس کشتی پر ہی نکلتا دِکھائی دیتا۔ اُس کی سنہری کرنیں ہمارے گرد و پیش کے منظر کو روشن کر دیتیں۔ آہستہ آہستہ وہ اُوپر ہی اُوپر اُٹھتا چلا جاتا۔ اور پھر وہ مغرب میں جا کر چھپ جاتا۔ اِس طرح سورج ہی ہمارا رہبر تھا۔ اِسی سے ہم اندازہ لگا رہے تھے۔ کہ ہم ٹھیک طرف سفر کر رہے ہیں۔ آکاش میں اڑتے ہوئے پرندے ہمیں کبھی کبھی دکھلائی دے

جاتے۔ اُس ویران اور خاموش سفر میں سوائے ہمارے اور کوئی مُتنفّس شے نہ تھی۔ اِس لئے اُن پرندوں کا نظر آجانا ہمارے دِل کو کتنی ڈھارس دیتا تھا!

یکایک کشتی ڈگمگانے لگی۔ ایسا محسوس ہوا گویا زمین دوز بھونچال آرہا ہو۔ اور اُس کے ساتھ ہی پانی کی لہریں اُونچی اُٹھنے لگیں۔ میں نے پانی کو چھو کر دیکھا وہ کافی گرم محسوس ہوا۔ اگرچہ علاقہ کافی سرد تھا۔ شہزادے نے بتایا کہ زیرِ زمین چونکہ گرمی ہے۔ بعض اوقات وہ سطح کے اتنا نزدیک تک آجاتی ہے کہ اوپری چیزیں اُس سے اثر انداز ہو جاتی ہیں۔ اب پانی کے اوپر بھاپ پھیلی ہوئی۔ جو آسمان کی طرف بڑھتی چلی جارہی تھی۔ پھر سامنے میں نے دیکھا۔ پانی کا بہاؤ یکدم ڈھلوان کی طرف ہو رہا تھا۔ یہاں مجھے خوف محسوس ہوا کہ ہماری کشتی اُلٹ جائے گی۔ اب ہم اُسے اُس طرف جانے سے روک بھی نہ سکتے تھے۔ پہلے ہی ڈھلان کی طرف چل رہے تھے۔ اُس کے برعکس رُخ پھیرنے کے لئے اب موقعہ نہ رہا تھا۔ لہٰذا خاموش اُس سمندر نما سطحِ آب کی طرف نظریں جمائے ہم دیکھتے رہے۔ کشتی ایک چھپاکے کے ساتھ اُس بہاؤ میں کود گئی۔ مگر شکر ہے کہ وہ اُلٹی نہیں۔ اب ہم نہایت سرعت کے ساتھ بہے جارہے تھے۔ دوگنی تگنی ہی نہیں بلکہ دس بیس گنا رفتار کے ساتھ۔ دُور سامنے ایک پہاڑ کا ٹکڑا سطح پر نمودار ہوا ہم نے کشتی کو اُس طرف جانے سے روکنے کی کوشش کی۔ مگر یہ ناممکن تھا۔ کشتی کی اتنی تیز رفتار کو ہم کیسے روکتے؟ اگرچہ میں اِس میں کافی مدد کر سکتا تھا۔ مگر انسانی روپ لینے کے کارن میری طاقت بھی محدود ہو چکی تھی۔ اب ہم اُس پہاڑ کے ٹیلے کی طرف سرعت کے ساتھ بڑھے چلے جارہے تھے۔ یہی خوف طاری تھا کہ اب بھی ہماری کشتی پہاڑ سے ٹکرائی اب بھی دھماکہ ہوا۔ اور ہمارا سفر ایک منزل پر آکر رُک گیا۔

شاید زندگیاں بھی بچ نہ پاتیں۔ مگر نہیں۔ یہاں تو کوئی اور ہی منظر تھا۔ ہمارے سامنے ایک محراب بنی ہوئی تھی۔ اُس پہاڑ کے نیچے سے ندی بہہ رہی تھی۔ وہاں پہنچ کر پانی یکدم نیچا ہو جاتا تھا۔ تیزی سے ہماری کشتی محراب کے پاس پہنچی۔ اور اُس دوسرے بڑے ڈھلان میں جاگری۔ اب رفتار اور بھی تیز ہو گئی۔ کشتی میں بیٹھے ہوئے ہمیں اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ شہزادے نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ کہ ہمارا راستہ پُرخطر ہو گا۔ واقعی ایسے سفر پہ چلنا اُس جیسے بہادر کا ہی کام تھا۔ محراب کے نیچے ہی نیچے نہ معلوم ہم کدھر جا رہے تھے۔ مگر پانی کا بہاؤ ہمیں تیزی سے بہائے لئے جا رہا تھا۔ شہزادے کی حاضر دماغی یہاں کام کر رہی تھی۔ پہاڑ کی دیواریں ہم سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھیں۔ جب کشتی کسی دیوار سے ٹکرانے لگتی شہزادہ یکدم اپنے چپوسے اُس کا رُخ سیدھا کر دیتا۔ اب میرے ہوش بھی ٹھیک ہو گئے۔ چنانچہ دوسری طرف میں بھی ایسا ہی کرتا۔ بعض جگہ تو پہاڑ کی چھت اتنی نیچی ہو جاتی۔ کہ ہم کشتی میں لیٹ جاتے۔ مبادہ ہمارے سر اُس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں۔ اُس غار نما جگہ پر اندھیرا بڑھتا چلا گیا۔ شہزادے کے پاس روشنی تھی۔ اُس نے اُسے کشتی میں ایک جگہ پر نصب کر دیا۔ ہم دیکھ رہے تھے اِس غار میں طرح طرح کے رنگ چمکنے لگے۔ ہرے۔ نیلے۔ سُرخی مایل۔ یہ کیسی خوب صورت اور بھیانک جگہ تھی۔ پہاڑ کی چھت اِس ننھی سی روشنی میں ایسے لگ رہی تھی گویا ہزاروں ہیرے یا نگینے اُس میں جڑے ہوئے ہوں۔ یہ کون سا پہاڑ تھا؟ قدرت نے اپنی خوب صورتی کو کیسی جگہ پر پوشیدہ کر رکھا تھا۔

پھر ہم نے محسوس کیا۔ کشتی کی رفتار سست پڑ گئی۔ شاید سطح اب ہموار ہو گئی تھی۔ اب میرے دل کو مکمل سکون مل گیا تھا۔ میں کشتی میں سیدھے رخ لیٹ گیا۔ واہ کیسا خوب صورت سفر تھا یہ۔ میرے سر کے اوپر تھوڑی ہی اُونچائی پر

ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ کافی دیر میں اُنہیں دل چسپی سے دیکھتا رہا۔ اچانک اُن کی چمک ماند پڑنے لگی۔ میں اُٹھ بیٹھا۔ شہزادہ خوشی سے چلایا۔

"اب ہم اِس غار سے جلد ہی باہر آنے والے ہیں۔"

سامنے دُور سطح پر اب روشنی نظر آ رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اُس محراب نُما پہاڑ سے ہم باہر نکل آئے۔ یہاں میں نے دیکھا۔ ہمارے دونوں طرف پہاڑ کی دیواروں کی اونچائی لامتناہی تھی۔ اتنی بلندی کہ آسمان ہمیں ایک نیلی سی لمبی باریک چادر کی طرح اُوپر نظر آ رہا تھا۔ یہ بلندی آپ کی پیمائش میں ہزاروں فٹ اونچی ہو گی۔

یہاں ہمیں چپوؤں کی مدد درکار ہوئی۔ مگر یہ کیا؟ یہاں نہایت ہی مہیب و مکروہ آوازیں ہمارے کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھیں۔ میں نے شہزادے سے عام آواز میں کچھ بات کہی۔ مگر وہ ایسے لگی۔ گویا بہت ہی بڑا دیو چیخ چیخ کر کسی سے مخاطب ہو رہا ہو۔ ایک بار نہیں۔ دو تین بار۔ آوازیں پہاڑ کی بلندیوں سے ٹکرا کر ہمیں ہراساں کر رہی تھیں۔ ہم نے آہستہ آہستہ بات چیت کرنا شروع کر دی مگر یہ بھی ایسے لگ رہا تھا۔ جیسے بھیانک اژدہے وہاں سرسرا رہے ہوں۔ لہذا کچھ عرصہ کے لئے ہمیں بول چال بند کرنی پڑی۔ پانی میں طرح طرح کے جانور تھے۔ مچھلیاں مگرمچھ۔ سانپ۔ کیکڑے۔ اور نہ معلوم اَن گنت قسم کے جیو جنتو۔ مگر تیرتی ہوئی کشتی پر ہمیں کوئی خطرہ نہ تھا۔ پھر یکدم پانی کا رُخ ایک طرف کو مُڑ گیا۔ وہاں پہنچ کر پہاڑ کی چوٹیاں ختم ہو گئیں۔ اب ہمارا سفر کھلے ہوئے پانی پر تھا۔ رفتہ رفتہ ہم جا رہے تھے۔ ایک انوکھے اور اَن دیکھے سفر پر۔ جس کی منزل مجھے معلوم نہ تھی۔ یہاں میں نے دیکھا۔ ایک جانور پانی کے اندر سے نمودار ہوا۔ اُس نے اپنا غار جیسا مُنہ پھاڑا۔ اُف قدرت نے کیسے کیسے مہیب جانور پیدا کئے ہیں۔ غالباً ساری کشتی بمعہ ہمارے اُس کے مُنہ کے

اندر جا سکتی تھی۔ اب مجھے محسوس ہوا۔ کہ یہ تو ہمارا سمندری سفر تھا۔ وہ ندی یا جھیل اس جگہ آکر سمندر میں گرتی تھی۔ کیونکہ اب کسی طرف کچھ نہ تھا۔ نہ پہاڑ۔ نہ آبادی سوائے پانی کے کچھ بھی نظر نہ آرہا تھا۔ اُس جانور کو دیکھ کر مجھے پسینہ آگیا۔ دُور سے اُس نے ہمیں دیکھ لیا۔ اور تیزی کے ساتھ وہ ہماری طرف بڑھنے لگا۔ اب مجھے یقین ہوگیا۔ کہ اگرچہ ہم بڑے بڑے خطروں سے بچ گئے۔ مگر اِس سے بچنا ناممکن ہے۔ دُور سے اُس کے مُنہ سے پانی اِس طرح اُبل رہا تھا۔ گویا فوّارہ چل رہا ہو۔ وہ ہمارے سے اب صرف دو سو گز کے فاصلے پر ہی ہوگا۔ کہ اچانک میں نے دیکھا۔ سطحِ آب پر ایک جزیرہ سا نمودار ہوا۔ یہ ہم سے صرف سو گز کے فاصلے پر ہی ہوگا۔ آہستہ آہستہ اُس کا آکار بڑھتا گیا۔ پھر سر نظر آنے لگا۔ اُف یہ تو اُس سے بھی زیادہ خوف ناک جانور تھا۔ اِس کا رُخ ہماری طرف نہ تھا۔ یہ آگے ہی آگے سرکنے لگا۔ ہماری طرف آنے والے جانور نے اپنا رُخ موڑا۔ مگر اِس جانور نے اُسے جا دبوچا۔ ایک بھیانک جنگ شروع ہوگئی۔ اُن کے آپس میں گتھم گتھا ہونے سے ایسا لگ رہا تھا۔ گویا دو پہاڑ آپس میں ٹکرا رہے ہوں۔ بعض دفعہ ایک جانور پانی کی سطح کے اُوپر بیسوں فٹ بلند ہو جاتا۔ ہماری کشتی اب اُن کی زد سے دُور نکل آئی۔ پھر میں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا جزیرہ نما جانور نے دوسرے کو ختم کر دیا تھا۔ وہ اُس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر نگل رہا تھا میں خوف اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے اُس طرف دیکھ رہا تھا۔ شہزادے نے میرے پاس آکر اور اپنی نگاہیں اُدھر جما کر کہا:۔

"دوست! یہ دھرتی پر زندگی کی جدوجہد ہے۔ طاقتور کمزور کو کھا جاتا ہے مگر یہ تو جانوروں کا اصول ہے۔ انسانی اصول اِس سے مختلف ہونے چاہئیں۔ کیونکہ وہ اشرف المخلوقات ہے۔"

اُس کے اِن الفاظ میں کتنا گہرا راز پنہاں تھا۔

چوتھا باب

رُوحانی ارتقاء

ہمارا سفر کئی ہفتوں۔ بلکہ مہینوں تک جاری رہا۔ اِس قسم کے واقعات ہمیں کئی جگہ پیش آئے۔ مگر اُن سب کا ذکر کرنا یہاں ضروری نہیں ہے۔ کیوں کہ مجھے تو شہزادے کا ایک خاص کارنامہ بیان کرنا ہے۔ ایک صبح اچانک ہمیں آبادی نظر آگئی۔ ہم خوش ہوئے۔ کیوں کہ ہم ایک ہی طرح کے اتنے لمبے سفر سے اُکتا گئے تھے۔ گو ہمیں خوشی ہوئی تھی۔ لیکن وہاں کے لوگ ہمیں خوش نظر نہ آرہے تھے۔ وہ خوف سے ہراساں و پریشان معلوم دیتے تھے۔ ساحل پر اُترنے کے بعد ہم لوگوں سے ملے۔ ہم نے اُن کی پریشانی کا سبب پوچھا۔ تو معلوم ہوا کہ کتنے ہی عرصہ سے وہاں دو فریقین میں جنگ جاری تھی۔ کبھی ایک فریق کا پلہ بھاری ہو جاتا۔ تو کبھی دوسرے کا۔ خیر ابھی ہم اصل واقعات سے ناواقف تھے۔ یا یوں کہنا مناسب

ہوگا کہ کم از کم میں اِن حالات سے ناواقف تھا۔ اِس لئے آبادی سے باہر ہم نے اپنے ٹھہرنے کا انتظام کرلیا۔ اور ایک معمولی سے مکان میں بود و باش اختیار کی۔

اگلے دن ہم نے اِس خطہ زمین کا جائزہ لینا شروع کیا۔ آسماں بالکل صاف اور رنیلا دکھائی دے رہا تھا۔ مگر موسم قدرے سرد تھا۔ منظر نہایت دل کش اور قابل ستائش تھا۔ لیکن وہاں کے لوگ نہایت پسماندہ۔ غلیظ اور بدبودار تھے۔ اُن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ حتےٰ کہ وہاں کا پڑھا لکھا طبقہ بھی ہمیں کسی گہری سوچ اور اُداسی میں ڈوبا ہوا نظر آیا۔ جیسے وہ ہم سے کچھ چھپا رہے ہوں۔ اور اپنے ملک کی دو بڑو جنگ کی وجہ سے شرمندہ ہوں۔ وہ اجنبیوں سے بات کرتے وقت کتراتے تھے، ہم نے سوچا۔ اِس دیش میں گھوم پھر کر یہاں کے حالات کا جائزہ لیا جائے۔

بڑی مشکل سے ہمیں ایک رہبر ملا۔ جو اِس خطہ سرزمین کی گہرائیاں بتانے اور وہاں کے عجیب عجیب نظارے کرانے کے لئے رضامند ہوا۔ مگر یہ رہبر کچھ دہمی قسم کا تھا۔ شاید باقی لوگ بھی وہاں کے اُسی قسم کے ہوں۔ بہر حال یہ میرا اندازہ ہی تھا۔ اُس کی باتیں کچھ عجیب طرح کی تھیں۔ اُسے بھوتوں۔ چڑیلوں اور نامعلوم روحوں میں کتنا اعتقاد تھا؛ خیر ہم نے غنیمت سمجھا کہ چلو ہمارا ساتھ تو ہوا۔ ورنہ ہم اِس علاقے کو ٹھیک طرح نہ دیکھ پاتے۔ مگر کاش ہمیں یہ معلوم ہوتا۔ کہ ہمارا رہبر خود ہی اپنے دہم کا شکار ہو جائے گا۔ تو ہم اُسے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوتے۔ ہم نے اُسے سونے کے چند ٹکڑوں کے عوض اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آمادہ کیا تھا۔ لالچ انسان کو ہر جگہ لے جاتا ہے۔ ہم نے باتوں باتوں میں اُس سے معلوم کیا کہ وہاں کی حکومت کیسی ہے۔ اُس نے بتادیا کہ وہاں کوئی بھی حکومت

پائدار نہ تھی۔ دو بڑی طاقتوں کی ٹکر ہو رہی تھی۔ دو دیو آپس میں گتھے ہوئے تھے۔ اور جنتا بے حال ہو رہی تھی۔ وہ ہمیں ایک شہر کی طرف لے گیا۔ یہ وہاں کی مشہور بستی تھی۔ اور اگر اُسے دارالسلطنت کہا جائے۔ تو بھی بے جا نہ تھا۔ ہم دیکھ رہے تھے کہ ہر طرف ویرانی ہی ویرانی تھی۔ کھیتوں میں مہینوں سے کیا سالوں سے ہل نہ چلایا گیا تھا۔ پیداوار کی جگہ لمبی لمبی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ ہر طرف موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ معلوم نہیں وہاں کے لوگ کیا کھا کر جی رہے تھے۔ شہر کے اندر لوگوں کے گھر تنگ اور افلاس کا نمونہ تھے۔ گلیاں سنسان۔ ننگے اور ادھ موئے لوگ۔ مرد عورتیں۔ بچے گویا اُن میں جان نہ تھی۔ چلتی پھرتی لاشیں تھیں۔ ہڈیوں کے ڈھانچے حرکت میں تھے۔ اِس بڑے قبرستان میں ہمیں کوئی بھی ایسا شخص نظر نہ آیا۔ جس کی آنکھوں میں چمک ہو۔ اُمید کی شعاع ہو۔ روح کی شگفتگی ہو۔ الفاظ اُن کی حالت بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ شہر بھوتوں کا مسکن نظر آ رہا تھا۔ اُن کے جبڑے باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ آنکھیں پھیل کر باہر نکل آئی تھیں۔ یا پھر کچھ بچوں کی آنکھیں نہ ہوں صرف دو دراڑیں ہوں۔ اِس طرح لگ رہا تھا۔ کہ ابھی ابھی قبروں سے مُردے نکل کر اِسی جگہ کی سیاحت کر رہے ہوں۔ اُن کے بے ڈول لمبے ہاتھوں کی ہڈیاں عُریاں تھیں۔ اُن پر گوشت برائے نام ہی تھا۔ اُن کی زبانیں تالوؤں سے چپک گئی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ چلتا پھرتا انسان ابھی گر جائے گا۔ اور ابدی نیند سو جائے گا۔ اُس کی روح جو کسی معمولی سے سہارے پر اُس کے پنجر میں اٹکی ہوئی تھی۔ اچانک ہی پرواز کر جائے گی۔

ہمیں دیکھ کر ایک دو نے اپنے ہاتھ پھیلائے۔ ایک پیسے کی بھیک مانگنے کے لئے۔ جس سے شاید وہ اپنے دوزخ کی آگ کو ٹھنڈا کر سکے۔ یا شاید اُس سکے سے اپنے بچے کے لئے ایک بوند دودھ خرید سکے۔ اُس بچے کے لئے جس کا وجود اِس

اِس دنیا میں نہ معلوم کیوں تھا۔ کیا ضرورت تھی اُس کی اِس بھیانک مُردہ خانے میں؟ مانگنے والے کی آواز اتنی نحیف اور دل دوز تھی۔ کہ سننے والا ڈر جائے۔ گویا کوئیں کے اندر سے کوئی بھوت یا پریت بول رہا ہو۔

اُس شہر کی حالت دیکھ کر میرا دل بھر آیا۔ لیکن ہمیں اُس ملک کا ابھی اور مطالعہ کرنا تھا۔ لہٰذا ہم نے اپنے رہبر سے درخواست کی کہ ہمیں جلد ہی اِس شہر سے باہر لے جائے۔ وہ ہمیں ایک پہاڑ کی طرف لے چلا۔ کتنا خوب صورت تھا یہاں کا منظر۔ بالکل اُس شہر کے منظر سے متضاد۔ اِسے ہیرے کے پہاڑوں سے اگر تشبیہ دی جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ دنیا کے کم ہی پہاڑ اُس سلسلہ کوہ کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ اُس کی بل کھاتی ہوئی گھاٹیاں۔ فلک بوس چوٹیاں۔ جن پر سرو قد درخت سجے ہوئے تھے۔ دیکھنے سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ میں اُن درختوں کے نام تو نہیں بتا سکتا۔ لیکن اُن کی بلندی قابل دید تھی۔ چٹانوں میں سے رستے ہوئے پانی کے چشمے۔ ٹھہرے ہوئے۔ نیلگوں تالاب۔ پریوں کے سفید پنکھوں کی طرح گرتے ہوئے آبشار۔ دو بالمقابل نظارے۔ پاس ہی دوزخ اور نزدیک ہی جنت۔

اِس کوہ کا سلسلہ کنول کے پھول کی طرح کھلتا تھا۔ جو سندرتا میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ لیکن اُس کی بلند چوٹیاں کچھ اِس طرح دکھائی دے رہی تھیں۔ گویا پرندے درختوں کی شاخوں پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ چند ایک چوٹیاں انسان کی شکل کے مشابہ تھیں۔ کوئی کوئی چوٹی ایک جن کی شکل لئے ہوئے تھی۔ اِس منظر کو دیکھ کر آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ قدرت نے یہاں گونا گوں شکلیں بنانے کا شغل اپنایا تھا۔ قدرت کے اِس انوکھے شاہکار کو دیکھ کر شہزادہ بھی انگشت بدنداں رہ گیا۔

پہاڑوں کے اِس سلسلے میں جا بجا مندر اور دہار بنے ہوئے تھے۔ اِس

درشیہ نے ہمارے دل میں ایک نیا جوش بھر دیا۔ ہم نے اپنے رہبر کو بتایا۔ کہ ہم اِن مندروں میں جانا چاہتے ہیں۔ پہلے تو وہ ہچکچایا۔ مگر پھر رضامند ہو گیا۔ میں نے کہا تھا نہ کہ وہ عجیب قسم کا وہمی انسان تھا۔ وہ مندر کے اندر نہیں گیا۔ باہر ہی رُک گیا۔ ہم نے ایک مندر کے اندر جا کر دیکھا۔ اوہ۔ یہاں تو بھارت کے ایک سپوت کی مورتی تھی جس نے دنیا میں تیاگ اور اہنسا کا پرچار کیا تھا۔ اُس اصول کو اُجاگر کرنے کے لئے اپنا سارا جیون ارپن کر دیا تھا۔ شہزادے کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ایسا لگا وہ خوشی سے پاگل ہو جائے گا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر اُس امر مورتی کو پرنام کیا۔ وہ اُس سے پریرنا لینے لگا۔

ہم نے اپنے رہبر سے کہا کہ ہمیں اِس پہاڑ کی سیر اچھی طرح کروائے۔ یہاں تو رُوح کی غذا کا سامان تھا۔ سردی بڑھ چلی تھی۔ چنانچہ ہمارا رہبر بڑی مشکل سے رضامند ہوا۔ راستہ بڑا ہی ٹیڑھا میڑھا اور خطرناک تھا۔ مگر ہمارا شوقِ جنوں ہمیں آگے بڑھانے لئے جا رہا تھا۔ ہمارے سروں کے اُوپر گھنے درختوں نے چھتر پھیلا رکھا تھا۔ سُندر اور نرمل تالاب کے جل میں اُن کا عکس کتنا بھلا معلوم دیتا تھا۔ پاس ہی ایک آبشار گر رہی تھی۔ زمین پر پانی گرنے سے ایک دہاڑ سی سنائی دے رہی تھی۔ ایک گھور گرجن ہو رہی تھی۔ اب ہمیں وہاں چوٹی پر بنے ہوئے مندر کی طرف جانا تھا۔ مگر راستہ بڑا ہی کٹھن تھا۔ جسے آپ خود ہی میرے اگلے بیان سے اندازہ لگا سکیں گے۔ اُونچائی قریباً عمودی تھی۔ ہمارا سانس پھولنے لگا۔ پتھروں پر ہم سنبھل سنبھل کر پاؤں رکھ رہے تھے۔ ہماری ذرا سی غلطی ہمیں ہزاروں فٹ نیچے گہری غار میں دھکیل سکتی تھی۔ چٹانیں اور پتھر چکنے ہونے کی وجہ سے پھسلن پیدا کر رہے تھے۔ یہ چھوٹا سا فاصلہ ہم نے کافی دِقّت سے طے کیا۔ جب ہم چوٹی پر پہنچ گئے۔ تو ہماری حیرانی اور بھی بڑھ گئی۔ چوٹی کی شکل ایک جن کے مشابہ تھی۔ اُس کے بھیانک

جبڑے اور مُنہ کی جگہ ایک گہری غار دکھائی دے رہی تھی۔ اُس غار میں سفید سفید پتھر کچھ اِس طرح جڑے ہوئے تھے۔ گویا جن کے بڑے بڑے دانت ہوں کہیں کچھ کالے پتھر بھی تھے۔ جن سے لگتا تھا کہ جن کے دانت یہاں سے ٹوٹ چکے ہیں۔ اِن دانتوں کی محرومی کی وجہ سے اُس کا چہرہ اور بھی بھیانک نظر آ رہا تھا۔ اُس کی بے ترتیب مگر بڑی بڑی خوف ناک آنکھیں گویا پینڈے کے اندر سے اُبل کر باہر آگئی ہوں۔ ناک کے نیچے دو نہایت ہی بڑے نتھنے تھے۔ یہ بھی دراصل دو غاریں تھیں۔ اور ان میں سے کالا دھواں نکل رہا تھا۔ شاید نزدیک ہی کوئی آتش فشاں پہاڑ تھا۔ اور یہ کوئی ناممکن بات نہ تھی۔ کیوں کہ اِس علاقے میں اکثر بھونچال آتے رہتے تھے۔ اور اپنے ساتھ تباہی اور بربادی کا سامان لے کر چلتے تھے۔ اُس دیو کے سر پر جو کافی اُوپر کو اُٹھا ہوا تھا۔ ہری اور کالی کائی جمی ہوئی تھی۔ اگر اُسے ایک آدھ میل کے فاصلے سے دیکھا جائے تو واقعی ایک بدرروح کا مکمل یقین ہو جائے۔

اِس سے زیادہ دہشت ناک وہاں اور نظارہ تھا۔ وہ یہ کہ ایک بہت ہی بھاری پتھر اُس دیو کے سر پڑا ہوا تھا۔ یہ پتھر سینکڑوں من وزنی ہوگا۔ اور اُس جن کے سر سے لگ بھگ دس بارہ فٹ آگے کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ اور اتنا ہی لمبا حصہ بلکہ اس سے کچھ زیادہ اُس جن کے سر پر رکھا ہوا تھا۔ مگر یہ کیا۔ اُف اُس کے سامنے ایک ایسا اور بھیانک منظر تھا۔ سامنے والے پہاڑ کی چوٹی ایک چیل کے چہرے سے ملتی جلتی تھی۔ چیل کی چونچ بھی ایک بھاری پتھر کی تھی۔ اُس کی چونچ اور جن کے سر پر رکھے ہوئے پتھر کے درمیان تقریباً پندرہ فٹ کا فاصلہ تھا۔ ہمارے رہبر نے بتایا۔ کہ یہاں کا سب سے بڑا مندر اُس چیل کے پہاڑ پر تھا۔ تو گویا ہمیں یہ درمیان والا پندرہ فٹ کا فاصلہ بھی طے کرنا تھا۔ جو دو پہاڑوں کو جدا کر رہا تھا۔ چونچ کی چوڑائی اُس کی نوک کے نزدیک صرف دو یا تین فٹ ہی تھی مگر پیچھے کی طرف یہ چوڑائی بڑھتی گئی تھی۔ اُف اِس تصور سے جسم کے رونگٹے

کھڑے ہو گئے۔ کس طرح یہ درمیانی فاصلہ طے ہوگا؟ میں سوچنے لگا

"تو یہ تھا شہزادے کا وہ سفر جس کے لئے اِس نے مجھے تیار کیا ہے۔ کیا معمولی پتے کا مرد اِن خطروں کا سامنا کر سکے گا؟"

لیکن اب تو میری حالت بھی ویسی تھی۔ جسے کہتے ہیں نہ کہ جب اوکھلی میں سر دیا۔ تو موسلوں سے کیا ڈرنا۔ میں اپنے دل سے کہہ رہا تھا۔ ذرا انسان بن کے تو نے بھی دیکھ لیا۔ اور اُس اِنسان کے عزائم بھی دیکھ لئے۔ جس کا ساتھ دینے چلا ہے۔ مگر یہ تو ابھی میں نے کیا دیکھا تھا۔ ابھی آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ یہ شہزادہ کس مٹی کا بنا ہوا تھا۔ اُس نے ڈر پر تو فتح پا ہی لی تھی۔ مجھے تو ایسا لگتا تھا کہ موت پر بھی وہ قابو پا چکا ہے۔ اُس دیو کے سر سے نیچے جھانک کر جب میں نے دیکھا تو میری ہڈیوں کا گوشت یک دم جم گیا۔ اُف کتنی بھیانک گہرائی تھی۔ گویا نیچے بھی ایک کالا دیو مُنہ کھولے میری طرف جھانک رہا تھا۔

ہمارا رہبر یہاں آکر اُداس ہو گیا۔ اُس نے ہمیں بتایا کہ کوئی بھی اُس پار نہیں جا سکتا۔ اور نہ ہی وہ جانتا ہے کہ اُس پار کیا ہے۔ لیکن اُس نے سُن رکھا تھا۔ کہ وہاں ایک بڑا مندر ہے۔ اور بھی باتیں بتائیں۔ جن کا یہاں ابھی سے ذکر کرنا لازم نہیں۔

آنے والے واقعات آپ پر خود ہی روشن کر دیں گے۔ مگر مجھے اُس رہبر کے ذہن پر تاسف ہوتا ہے۔ اُس کے بچھڑے ہوئے خیالات ہی اُس کی تباہی کا باعث بنے۔ شہزادہ گہری سوچ میں تھا۔ گویا وہ اُس پار جانے کا بندوبست ڈھونڈ رہا تھا۔

اُس کی آنکھوں میں میں نے کبھی مایوسی کا اظہار نہ دیکھا تھا۔ مگر اِس جگہ کو دیکھ کر اُس کے چہرے سے فکر و تردد کا اظہار ہونے لگا۔ شاید وہ سوچ رہا ہوگا کہ کیا

اُس عظیم مندر کی زیارت کے بغیر ہی واپس جانا ہوگا۔ یہ تو وہ ہرگز نہ چاہے گا۔ اُس نے کسی بھی مشکل کے سامنے ہارنا نہ سیکھا تھا۔ بالآخر وہ بولا:

"اگر ہم ان دو چوٹیوں کو ملا دیں۔ تو شاید ہم اِس ملک کے دونو فریقین کو ملانے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔"

اُس کی ہر ادا۔ ہر بات ہی نرالی تھی۔ یہ تخیل صرف اُسی کا ہو سکتا تھا کتنی دور اندیشی کی بات اُس نے کہی تھی۔ ہمیں اب اُس کے اِس ارادے کو عملی جامہ پہنانا تھا۔

لہٰذا جلد ہی انتظام سمجھ میں آ گیا۔ جب ارادے مضبوط ہوں، تو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

اُس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا:

"وہ دیکھیے درخت کا کتنا لمبا اور چوڑا تنا گرا پڑا ہے۔ اگر ہم اس کو کھینچ کر یہاں لے آئیں اور پل کے طور پر ان چوٹیوں کے سروں پر کسی طرح رکھ دیں۔ تو ہمارا مقصد حل ہو جائے گا۔"

یہ ملکوں کے اندر پیدا شدہ خلیجوں کو پار کرنے کا پہلا تجھاوَ تھا۔

میں نے شہزادے کے ساتھ اور رہبر کی مدد سے اُس تنے کو نزدیک کھینچا۔ اُس کا ایک سرا دیو کے سر پر پڑے ہوئے پتھر پر رکھ کر آہستہ آہستہ آگے سرکانا شروع کیا۔ یہ تنا لگ بھگ بیس فٹ یا اُس سے بھی زائد لمبا ہوگا۔ اُس کے دوسرے سرے کے اُوپر ہم تینوں نے اپنا بوجھ ڈال دیا تاکہ وہ غار کے اندر نہ گر جائے۔ ہم اُسے ذرا ذرا کر کے آگے بڑھاتے گئے۔ حتیٰ کہ اُس کا اگلا سرا چیل کی چونچ سے جا ٹکرایا۔

اُسے بڑی احتیاط سے اُس کے سرے پر ٹکا دیا۔ پھر میں نے شہزادے سے کہا کہ وہ آگے بڑھ جائے اور سنبھل سنبھل کر اس پل کو پار کرے۔ اس اثنا میں میں نے اُسے بتایا کہ میں ادھر والے تنے کے سرے کو پکڑے رکھوں گا۔ تاکہ وہ گھومے نہیں۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ وہ چھاتی چوڑی کر کے اُس تنے کے اوپر چلنے لگا۔ اُسے کسی قسم کا ڈر محسوس نہ ہو رہا تھا۔ نیچے کی گہری خندق کا بھی اُسے شائد تصور نہ رہا تھا۔ وہ اُس تنے پر اس طرح چلتا معلوم ہو رہا تھا۔ گویا کوئی دیوتا ایک دنیاوی سفر پر چلا جا رہا ہو۔ بھلا وہ ان گہرائیوں سے کیا ڈرتا۔ وہ تو انسانوں کے دلوں کی گہرائیوں کو بھانپ لیتا تھا۔ تو کیا اس گہرائی کا اُسے اندازہ نہ ہوا ہوگا؟ آہستہ آہستہ قدم جماتا ہوا وہ تنے کے دوسرے سرے پر پہنچ گیا۔ اور اُس نے اپنے قدم چونچ کی چٹان پر رکھ دیئے۔ پھر اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کی فتحمندانہ مسکراہٹ کیسی دلکش تھی۔ میں نے اُسے اشارہ کیا کہ تنے کو مضبوطی سے سنبھال لے۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اپنی تمام تر طاقت صرف کر کے اُس نے تنے کو پکڑ لیا تاکہ وہ گھوم نہ جائے۔ کیونکہ تنا گول تھا۔ میں بھی آہستہ آہستہ قدم جماتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اور بالآخر دوسری طرف پہنچ گیا۔ اُس خلیج کو پار کر کے میں نے اُسے گلے سے لگا لیا۔ اس کے بعد ہم نے اپنے رہبر کو اپنی طرف بلا لیا۔ میں جوش بھرے الفاظ میں بولا۔

"شہزادے۔ تم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو گے۔"

اُس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایک ابدی روحانی مسکراہٹ۔

چیل کی چونچ کے سرے سے ایک لمبی اور اندھیری غار شروع ہوتی تھی۔ جوں جوں ہم آگے بڑھ رہے تھے اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ ہمارے رہبر نے آگے چلنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے ہمیں بتایا کہ اس نے سُن رکھا ہے کہ یہ جگہ بھوتوں کا مسکن ہے۔ چنانچہ خوف کے مارے وہ وہیں جم گیا۔ اُس کا کہنا بھی کچھ حد تک ٹھیک ہی تھا۔

اُس لمبی اور اندھیری غار میں جب ہم باتیں کر رہے تھے تو گنبد کی آواز دیواروں سے ٹکرا کر ہمیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ خوفزدہ ہو کر چلایا۔

"دیکھا آپ نے۔ یہ بھوت بول رہے ہیں۔ ہماری باتوں کا مذاق اُڑا رہے ہیں"۔ ابھی نہیں وہاں ہمیں کچھ اور بھی آوازیں آنے لگیں۔ کل کل کی آواز۔ میں نے اُس غار کی دیوار کے ساتھ کان لگا کر سُنا۔ تو ایسا لگا کہ پتھر کے دوسری طرف کوئی چشمہ یا آبشار بہہ رہا تھا۔ مگر اس نادان آدمی کے لئے یہی وہم کافی تھا۔ اُس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگا۔ گویا کوئی نامعلوم شے یکدم آ کر اُسے دبوچ لیگی۔ اور اُس کا خاتمہ کر دے گی۔ میں نے اُسے غار کے اندر ہلکی اور مدھم روشنی میں دیکھا اُس کا رنگ زرد پڑتا جا رہا تھا۔ اور پسینے کے قطرے اُس کے چہرے پر نمودار ہونے لگے۔ اگر اُس غریب کو چند سکوں کا لالچ نہ ہوتا تو شائد وہ ہمارے ہمراہ آنا منظور نہ کرتا۔ یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ پسماندہ لوگوں کو اُن کے توہمات بہت ستاتے ہیں جو کبھی کبھی اُن کی بربادی کا کارن بھی بن جاتے ہیں۔ شہزادے نے اُسے سمجھایا کہ بھوت پریت، جن وغیرہ کوئی چیز نہیں ہیں۔ یہ تو انسان کے دل کا وہم ہوتا ہے۔ اور پھر اُسے بتایا کہ وہ آوازیں کیا آ رہی تھیں۔ شہزادہ جب بول رہا تھا۔ تو اُسے اشارہ بھی کئے جا رہا تھا۔ کہ سُنو۔ آواز کیسے دیوار سے ٹکراتی ہے اور پھر واپس آتی ہے۔ دگیان کا ایک معمولی سا چمتکار ہے۔ یہ پھر میں نے سمجھایا کہ دوسری آواز ضرور کسی چشمے وغیرہ کی ہو گی۔ بڑی مشکل سے ہم اُسے آگے لے جانے میں کامیاب ہوئے۔ غار کا راستہ کوئی خاص دشوار گذار نہ تھا اور نہ ہی کوئی رکاوٹ ہمارے آڑے آئی۔ لہٰذا ہم رہبر کو ساتھ لیکر اُسے پار کر گئے۔

آگے چل کر ہم ایک ڈھانچہ نما مکان میں داخل ہو گئے۔ اس کی دیواریں تقریباً

سبھی گر چکی تھیں۔ صرف چند ستون کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ہم اُن ستونوں کے اندر گھس گئے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہاں کیا ہے۔ بظاہر کوئی خاص چیز نظر نہ آئی۔ تاہم ایک کونے میں ہمیں ایک بڑا سا پتھر دکھائی دیا۔ ہم نے از راہ اشتیاق اُس کو پرے دھکیل دیا۔ یہ کیا؟ یہاں ہمیں چند سیڑھیاں دکھائی دیں۔ یہاں پہنچکر ہمارا رہبر خوش نظر آنے لگا۔ وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو بولا کہ ان سیڑھیوں کے نیچے آبِ حیات ملتا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس نے بزرگوں سے سُن رکھا تھا۔ اس آبِ حیات سے ہمیشہ روشنی نکلتی رہتی ہے۔ صدیوں میں شائد ایک آدھ بار وہاں ایک شعلہ بلند ہوتا ہے۔ جو کوئی اُس کے اندر داخل ہو جائے وہ ہمیشہ کے لئے امر ہو جاتا ہے۔ واقعی اُس کے بزرگوں کا اعتقاد نرالا تھا اور دلکش بھی چنانچہ ہمیں بھی اُس جگہ کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔

اُن سیڑھیوں میں جو زمین دوز تھیں کافی اندھیرا تھا۔ وہ قدرت کی ہی تیار کردہ معلوم ہو رہی تھیں۔ اُسے انسانی ہاتھوں نے نہ بنایا تھا۔ پتھر خود بخود کچھ اس طرح پڑے ہوئے تھے کہ واقعی سیڑھیوں کا دھوکہ ہوتا تھا۔ تاہم ہمیں نیچے اُترنے میں کافی دقت پیش آئی۔ کیونکہ بعض جگہ تو مشکل سے ہی ہمارے قدم پتھر پر رکھے جا سکتے تھے۔ جگہ کہیں کہیں بہت ہی تنگ تھی۔ بعض جگہ دو اوپر۔ نیچے پڑے ہوئے پتھروں کے درمیان فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ نیچے کھڑے ہوئے آدمی کا سر اُوپر والے پتھر کے برابر آ جاتا تھا۔ مگر ہمیں اُس نئی چیز کو دیکھنے کا شوق تھا، جو ہمارے رہبر نے ہمیں بتائی تھی۔

ہم آہستہ آہستہ نیچے اُترتے گئے۔ جب اگلی سیڑھی بہت تنگ جان پڑتی تو ہم ایک دوسرے کا سہارا لیتے۔ پہلے ایک آدمی نیچے اُتر جاتا پھر دوسرے کو اُتارا جاتا۔ اس طرح تقریباً ستر کے لگ بھگ سیڑھیاں اتر گئے۔ جب تہہ تک پہنچ گئے

تو ہمیں صرف سامنے کا راستہ طے کرنا تھا۔ مگر یہاں کوئی قابلِ ذکر بات نہ ہوئی ہم آسانی سے آگے بڑھتے گئے۔ اچانک ہمارا رہبر چلایا۔

"وہ دیکھئے ساتھیو۔ وہی ہے آبِ حیات۔"

ہمارا دھیان بھی اُسی طرف پہنچ گیا۔ جدھر وہ اشارہ کر رہا تھا۔ ہمیں ایک بڑا سا تالاب نظر آیا۔ یا اِسے آپ ایک چھوٹی جھیل بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہم دیکھ رہے تھے کہ تالاب کے ایک حصّے میں سطحِ آب کے اُوپر چمکدار روشنی تھی۔ ہم نزدیک بڑھتے گئے۔ قدرت کا یہ عجوبہ واقعی قابلِ دید تھا۔ کتنی تیز روشنی تھی پانی کے اوپر۔ پاس پہنچکر ہم نے دیکھا۔ یہاں تو آگ جل رہی تھی۔ ایک سُرخ و سفید شعلہ پانی کے اوپر تیر رہا تھا۔ سالہا سال سے یہ آگ وہاں جل رہی تھی۔ آگ اور پانی کا یہ ملاپ کتنا دلکش اور حیران کن تھا۔ اُس رہبر کے کہنے کے مطابق شاید یہی آگ تھی جو انسان کو موت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات دلاتی تھی۔ مگر یہ تو انسان کا ایک واہمہ ہی ہے۔ کسی بھی عجیب شے کو دیکھکر اُس کا تصور بھی ویسا ہی عجیب ہو جاتا ہے۔ ورنہ موت سے کون بچ سکتا ہے۔ ہمارا رہبر چلاّیا۔

"اب مجھے آپ کے سکّوں کی ضرورت نہیں۔ مجھے آپ کے ساتھ آنے کا صلہ مل گیا۔"

میں اُس کی ان مضحکہ خیز باتوں پر مسکرایا۔ نہ معلوم شہزادے نے کیا خیال کیا ہوگا۔ کتنا باطل خیال ہوگا اُس غریب کا۔ دنیا میں جھوٹ زیادہ کامیاب ہوتا ہے۔ شہزادے نے ہنستے ہوئے رہبر سے کہا۔

"تمہیں اپنے فانی جسم کی بقا چاہئے۔ کیا رُوح کی بقا نہیں چاہیے۔"؟

شاید وہ اس کے الفاظ کا صحیح مطلب نہ سمجھا تھا۔ وہ جھنجھلا کر بولا۔

"میں روح ایسی کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ اگر جسم نہیں ہے تو باقی کیا ہے؟ اگر روح بھی کوئی چیز ہے تو جسم کے بغیر کیسے رہ سکتی ہے۔"

اب اندھیرا بڑھنے لگا۔ ہمیں تھکاوٹ بھی محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ رات وہیں پر گذارنے کی سوچی۔ ایک بھاری سا پتھر چٹان کے اندر دھنسا ہوا تھا۔ اُس کی اوٹ ہمارے لئے کافی تھی۔ ہم جو اپنے ساتھ کھانا لائے تھے اُسے ملکر کھایا۔ اب چونکہ تھکاوٹ کافی ہو گئی تھی۔ لہٰذا آرام کرنے کے لئے ہم وہیں پر لیٹ گئے۔ مجھے لگا شہزادہ تو گہری نیند سو رہا تھا۔ مگر ہمارا رہبر بظاہر آنکھیں موندیں لیٹ رہا تھا مگر اُس کا بے چینی سے کروٹیں بدلنا بتا رہا تھا کہ اُسے نیند نہ آئی تھی۔ نہ معلوم وہ کونسے تصورات کی دنیا میں پہنچ گیا تھا۔ تقریباً آدھی رات بیت گئی۔ چاند آسمان کے وسط میں آ گیا تھا۔ ہر طرف سکوت تھا۔ فضا خاموش تھی۔ اس سنسان جگہ کا منظر دل میں عجیب سی کپکپی پیدا کر رہا تھا۔ شاید یہ آنے والے بھیانک منظر کا پیش خیمہ تھا۔ رہبر نے سمجھا شاید ہم دونو سو رہے ہیں۔ اس لئے وہ آہستہ سے اُٹھا۔ اپنے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ پھر چہل قدمی کرتا ہوا تالاب کی طرف بڑھنے لگا۔ میں اُسے کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہاں پہنچکر وہ دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ گویا تالاب کو سجدہ کر رہا تھا۔ پھر اُس نے اپنے دونو ہاتھوں کو پیالہ کی شکل میں جوڑا اُس میں پانی بھر کر اپنے منہ پر چھینٹے مارے۔ دو چار گھونٹ پانی پیا بھی۔ اور ایسا لگا گویا مُنہ میں کچھ بڑبڑایا ہو۔ مجھے اُس کے لفظ صاف سنائی نہ دے رہے تھے۔ شاید وہ کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ یا اپنے عقیدے کے مطابق کسی غیبی روح کی تعریف کر رہا تھا۔ اس طرح بیٹھے اُسے تھوڑا سا عرصہ گذر گیا۔

یکدم میں نے محسوس کیا۔ زمین ہل رہی ہے۔ پھر ایک زبردست دھماکا ہوا۔ ایک بھونچال آ گیا۔ چٹانوں سے چٹانیں ٹکرا گئیں۔ شہزادہ ہڑبڑا کر

اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں اور شہزادہ اُس چٹان کی اوٹ میں ہو گئے جہاں وہ سوسلر تھا۔ یہ چٹان نہایت مضبوطی سے پہاڑی کے اندر جمی ہوئی تھی اور اس کے گرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ جب تک کہ خود پہاڑ ہی اپنی جگہ سے ہل کر نہ گر جاتا۔ یہ ہمارے بچاؤ کا سادھن بن گئی۔ سامنے بڑے بڑے پتھر لڑھک کر بھاری آواز سے نیچے گر رہے تھے۔ درخت آپس میں ٹکرا گئے۔ پتھروں کے ڈھیر ایک خوفناک تیزی سے پہاڑوں کی ڈھلوان سے نیچے گرنے لگے۔ ایک لمبی اور مہیب گڑگڑاہٹ پیدا ہو گئی۔ جیسے کتنے ہی دیو آپس میں لڑ رہے ہوں۔ یہ آواز پہاڑوں میں کتنی ہی دیر گونجتی رہی۔ چند سیکنڈ تک ہلنے کے بعد زمین ساکت ہو گئی۔ آوازیں مدھم پڑنے لگیں۔ فضا خاموش ہو گئی۔ ساری کائنات معمول پر آ گئی۔ ہمارا رہبر وہیں پر تھا۔ اس اچانک حادثے سے اُسے گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ وہ ہماری طرف آنے کے لئے مڑنے لگا۔ مگر شاید وہ رک گیا۔ ہاں وہ واقعی وہیں پر رکا ہوا تھا۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا۔ ہماری نگاہیں اُس کا تعاقب کر رہی تھیں جھیل کے سطح آب پر ایک نہایت عجیب منظر تھا۔ بھونچال کی وجہ سے تالاب کا پانی پچاس فٹ تک اونچا ایک دیوار کی شکل میں بلند ہو گیا تھا۔ وہ اتنی اونچائی پر پہنچ کر ایک خوفناک شکل اختیار کئے ہوئے تھا۔ جیسے کہ پانی کا دیو ہماری نگاہوں کے سامنے کھڑا ہو۔ وہ پھر ایک چھپاکے کے ساتھ تالاب میں واپس گرا۔ لیکن ہمیں اُس میں سے ایک گڑگڑاہٹ اور چیخ کی ملی جلی آواز سُنائی دی۔ جیسے دو بہت ہی بڑی چکی کے پاٹ آپس میں رگڑ کھا رہے ہوں۔ اور ساتھ کے ساتھ کسی بہت بڑے قلعے کا ایک پُرانا اور زنگ آلودہ دروازہ چڑچڑاہٹ پیدا کر کے کھل رہا ہو۔ یہ آوازیں ہمیں دو ایک منٹ تک سُنائی دیتی رہیں۔ رہبر اپنی جگہ پر جما ہوا کھڑا تھا۔ اور ہماری نگاہیں اُس تالاب کی سطح پر جمی ہوئی

تھیں۔ پھر ہم نے دیکھا جہاں وہ ابدی شعلہ جل رہا تھا۔ وہاں سے دھوئیں کا ایک بادل آسمان کی طرف اُٹھا۔ وہ سیکڑوں فٹ اونچائی پر پہنچ کر ہوا میں تحلیل ہونے لگا۔ اس کی شکل بھی اُس دیو کی مانند تھی جو ایک قیاسی الہ دین کے چراغ کے اندر سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اُف کیسا منظر تھا ہمارے سامنے۔ دھوئیں کے نچلے حصے میں پانی کی سطح کے اُوپر کوئی پانچ یا چھ فٹ اونچا ایک لپلپاتا ہوا شعلہ نمودار ہوا۔ اُس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی تیز معلوم دے رہی تھی ہماری نگاہیں اُس پر ٹک نہ سکیں پھر اُس میں سے کبھی کبھار قرمزی اور نیلے رنگ کی ملاوٹ نظر آنے لگی۔ کبھی یہ شعلہ بہت ہی بلند ہو جاتا۔ پھر اپنی اصلی سطح تک اُونچا آ کر چمکنے لگتا۔ گڑگڑاہٹ اور چڑچڑاہٹ کی ملی جلی آوازیں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ اس سے ہمارے کانوں کے پردے تک پھٹے جا رہے تھے۔ وہ شعلہ ایک لمحہ کے لئے بلند ہوا۔ وہ ایک گولے کی شکل میں سطح آب پر گھوما۔ اُس میں سے آگ کے فوارے چھوٹ کر پانی کے اوپر بکھرنے لگے۔ یہ پھولجھڑی کا سا تماشہ عجیب حیران کُن تھا۔ قدرت ایک نیا کھیل پیش کر رہی تھی۔ وہ ذرے جو دراصل آگ کے بڑے بڑے گولے تھے۔ پانی کی سطح پر تیر رہے تھے۔

اس اثنا میں ہم نے دیکھا ہمارا رہبر آگے بڑھا۔ اُسے ضرور یہ خیال ہوا ہوگا کہ یہی ابدی زندگی دینے والا شعلہ ہے۔ وہ تیزی سے پانی میں اُترنے لگا۔ آگ کے گرتے ہوئے شعلے اُس کے جسم سے ٹکرا رہے تھے۔ مگر وہ اُن سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھے جا رہا تھا۔ اُس کا چہرہ ایک عجیب نور میں نہاتا ہوا معلوم دے رہا تھا۔ شاید اُسے اُن ذروں کی آنچ محسوس نہ ہو رہی تھی۔ اب وہ آگ کے فوارے سے صرف چند گز ہی دُور رہ گیا تھا۔ اُسے اپنا ہوش نہ تھا۔ وہ بروقت اُس آگ میں کود جانے کے لئے کوشاں تھا۔ اُس نے چیخ کر کہا۔

"ساتھیو! یہی ہے وہ ابدی آگ۔ جو انسان کو ابدی زندگی دیتی ہے"۔ اُسے یقین تھا کہ وہ فنا سے بچ جائے گا۔ اُس کے بعد وہ موت سے بے نیاز ہو جائے گا۔ موت اُس کی غلام ہو جائے گی۔ ہم اب اپنی نگاہوں سے اُس کا تعاقب کر رہے تھے۔ ایک عجیب کرشمہ دیکھ رہے تھے۔ اب وہ دس شعلے کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اُس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر شعلے کو چھوا۔ مگر پھر ہم نے دیکھا۔ شعلہ جو سورج کی طرح چمک رہا تھا۔ یکدم غائب ہو گیا۔ مگر ہمارا رہبر باقی آگ کے اندر کود چکا تھا۔ سُرخ و سفید آگ کے اندر وہ اُس کی لپٹوں کے درمیان کھڑا تھا۔ یکدم ہمیں اُس کی بھیانک چیخ سُنائی دی۔

اب ہمیں اُس کا آکار آگ میں سے چھن چھن کر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اُس میں تحلیل ہو رہا تھا۔ جب ہوا کے جھونکے سے لپٹ ایک طرف جھک جاتی تو ہمیں اُس کا جلتا ہوا ڈھانچہ دکھائی دینے لگتا۔ ہم دُور سے اُسے دیکھ رہے تھے اور کف افسوس مل رہے تھے۔ ہم تیزی سے اُس کی طرف دوڑے۔ مگر اب ہمارا بھاگنا بھی بے سود تھا۔ کیا یہی ہے وہ شعلہ جو انسان کو ابدی زندگی بخشتا ہے۔ یا وہ شعلہ جو یکدم غائب ہو گیا تھا۔ اُس کا گوشت جل کر راکھ ہو گیا۔ اُس کی ہڈیاں چڑ چڑا رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ پانی کے اوپر شعلے کے اندر گرنے لگا۔ فوارہ بدستور اپنی لپٹیں ادھر اُدھر پھینک رہا تھا۔ ہمارے ہی سامنے ہماری غلطی سے ایک انسان جل چکا تھا۔ یا پھر وہ اپنی بے وقوفی سے اپنی جان کا لاگو بن گیا تھا۔ ہمارا ساتھی۔ ایک اجنبی ملک میں ہمارا رہبر ہم سے بچھڑ گیا تھا۔ کتنا خوفناک اور بھیانک منظر تھا یہ اپنے ساتھی کو بچھڑتے دیکھ کر شہزادے کے چہرے پر تاسف کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا۔

"صرف فنا کو بقا ہے۔ بہت توہمات کیا بلا ہیں۔ شائد یہ غریب نہ

جانتا تھا۔ اُف یہ انسان موت پر فتح پانے چلا تھا۔ بھلا کال کو بھی جیتا جا سکتا ہے؟"

شہزادے کے الفاظ سن کر میں چونک اٹھا۔ کیا یہ بات اُس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہی تھی۔ مگر میں نے کچھ نہیں کہا۔ وہ تو ایک کچی اور سیدھی بات دہرا رہا تھا۔ اگر انسان موت کو جیت لے تو بھلا انسان انسان کیوں رہے۔ اُس کی ہستی ہی بدل جائے۔ شائد وہ اپنے خالق کا ہمعصر بن جائے۔ پھر شہزادہ قدرے اونچی آواز میں بولا۔

"ابھی دنیا میں بڑی جہالت ہے۔ پُرانے اور دقیانوسی خیالات کس طرح قیمتی زندگیاں برباد کر رہے ہیں۔ میں ایسے خیالوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔ ابھی وگیان نے بہت ترقی کر لی ہے۔ میں اپنے ملک میں اس علم کو بڑھاؤں گا سائنس کے چمتکار تو بہت ہیں۔ کاش لوگ اُن کی تہہ تک پہنچ سکیں۔ اور اپنے پچھڑے ہوئے خیالوں سے اُنہیں غلط نہ سمجھیں۔ میرے خیال میں اس پہاڑ کے پیٹ کے اندر گندھک یا فاسفورس کا کافی ذخیرہ ہے جو کبھی کبھی بھڑک اٹھتا ہے۔ اسی وجہ سے شائد یہاں بھونچال بھی بہت آتے ہیں۔ مانا کہ اتنی بڑی طاقت کو قابو کرنا مشکل ہے۔ بھونچال وغیرہ کی طاقت انسان کے قابو سے باہر ہے۔ مگر یہ بھی کیا کہ اُس کی اس روشنی سے یا آگ کے شعلوں سے دل میں غلط خیال پیدا کئے جائیں۔ لیکن اس میں اس غریب کا کیا دوش ہے۔ ایسی ایسی روایتیں قدرت کے ایسے مناظر کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہیں۔ جسے انسان سمجھ نہیں پاتا۔ اُسے بھوت۔ جن یا پھر ایسی ہی جلا دینے والی طاقتوں سے وابستہ کر لیتا ہے۔۔۔ اُف نہ معلوم اس بھونچال نے آبادی میں کیا تباہی مچائی ہو گی۔ اُن غریبوں کی حالت تو پہلے ہی قابل رحم ہے۔ چلو دوست اب ہمیں جلدی

یہاں سے چلنا چاہیئے۔ صرف اُس مندر کے درشن کر کے ہم واپس آبادی میں چلیں گے اور جو کچھ ہم سے بن پڑے گا۔ اس تباہ شدہ ملک کی مدد کریں گے۔

میں نے شہزادے کو تسلی دی۔ چند الفاظ اُس کی تسکین کے لئے کہے۔ وہ واقعی ایک انسان کے اس طرح ختم ہو جانے سے پژمردہ سا ہو رہا تھا۔ ایک ملک کا عظیم شہزادہ جو لاکھوں کروڑوں زندگیوں کا مالک تھا۔ ایک غیر ملکی آدمی کی موت پر اس بُری طرح محسوس کر رہا تھا۔ انسانی ہمدردی ہی تو تھی۔ جو اُسے نڈھال کر رہی تھی۔ نہ جانے شہنشاہوں اور بادشاہوں کے غیض و غضب سے کتنی بے قصور جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ مگر اُف میرا ساتھی۔ میرا رفیق ایک زندگی ضائع ہو جانے سے تڑپ اُٹھا تھا۔ کتنی قیمت تھی انسان کی اُس کے دل میں؟ آہستہ آہستہ صبح نمودار ہونے لگی۔ ہم روشنی کا انتظار کرنے کیلئے تھوڑا عرصہ وہاں رُکے رہے۔ پھر جب اُجالا بڑھنے لگا۔ اور چاند مدھم پڑنے لگا۔ ہم نے دیکھا۔ فوارہ آہستہ آہستہ نیچا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد صبح کاذب ہو چکی تھی۔ اس اثنا میں فوارہ غائب ہو چکا تھا۔ ہم تالاب کے نزدیک ہی تھے۔ ہمیں اُس کی اکا دُکا ہڈی تالاب میں تیرتی ہوئی نظر آ جاتی تھی۔ ہمیں یہ علم نہ تھا کہ اس دیش میں مرنے والے کا داہ سنسکار کیسے کیا جاتا ہے۔ وہ تو قدرت نے خود اس کا انتظام کر دیا تھا۔ اُس کی ہڈیاں پانی کے اندر خود بخود گل گئی تھیں۔

جس راستے سے ہم اس جگہ نیچے اُتر کر آئے تھے۔ اُسی پر واپس جانے لگے۔ شہزادہ بڑی مدھم چال سے جا رہا تھا۔ ایک بجھے ہوئے دل سے۔ اُس کی چال میں وہ وقار اور تمکنت نہ تھی۔ جو ہر وقت اُس کا ساتھ دیتی تھی۔ رہبر نے ہمیں بتا دیا تھا کہ مندر وہاں سے نزدیک ہی تھا۔ لہٰذا اب ہمیں وہاں جلدی پہنچنا

تھا۔ اس لئے سیڑھیاں تیزی سے چڑھنے لگے۔ چڑھائی کی وجہ سے ہمارا سانس پھولنے لگا۔ سورج کی کرنیں اب زیادہ تیز ہو گئی تھیں۔ ہم اُنہیں ستونوں کے پاس پہنچ گئے۔ مگر ایک ساتھی کے بغیر جو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا تھا۔ مگر ہم اس کے مکان کا بھی پتہ نہ جانتے تھے۔ اس لئے کس طرح ہم اُس کے گھر والوں کو خبر کر سکتے تھے۔ یہ بھی ایک سوال درپیش تھا۔

یہاں سے ہم اُس طرف چل پڑے جدھر ہمارے ساتھی نے بتایا تھا کہ مندر اوپر اونچائی پر ہے۔ اگرچہ چڑھائی عمودی نہ تھی۔ تاہم ہمیں کافی وقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس علاقے میں ہمیں مندر کی زیارت کرنی تھیں۔ جو صدیوں پرانا تھا۔ جہاں کہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ کوئی بھی نہیں جا سکتا۔ اگرچہ شہزادے کا سانس بُری طرح پھول رہا تھا۔ مگر وہ ہمت ہارنے والی ہستی نہ تھی۔ یہ تو اُس نے سیکھا ہی نہ تھا۔ اُس کے گورے چہرے پر خوشگوار سُرخی پھیل رہی تھی۔ اس حالت میں وہ اور بھی زیادہ خوبصورت دکھائی دینے لگا۔ سونا گھسنے سے اور بھی چمکتا ہے۔ ہیرے کو تراشنے سے اُس میں اور بھی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ میں سوچ رہا تھا۔ قدرت کے کھیل بڑے ہی نرالے ہیں۔ جہاں اُس نے اس دنیا میں بھیانک اور خطرناک جنگل۔ پہاڑ۔ ندی۔ نالے اور کتنی اَن گنت چیزیں بنائی تھیں۔ وہاں اُس نے باریک بینی کا بھی ثبوت دیا تھا۔ خوبصورت پھول اپنے دست مبارک سے گھڑے تھے۔ پھر شہزادے جیسا ایک انوکھا پھول بھی اس دنیا میں پیدا کیا تھا۔ اُس کے اندر اور باہر۔ ہر جگہ حسن ہی حسن بھر دیا تھا۔ اگرچہ تھکاوٹ کی وجہ سے اُس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ آ گئی تھی۔ مگر جسم کو اکڑائے ہوئے۔ چھاتی تانے آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ایک انجان اور اَن دیکھی منزل اُسے اپنی طرف بلا رہی تھی۔ اُس کی روح کی آواز اُسے اپنی طرف بلا رہی

تھی۔ اور میں خاموش اُس کے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ انسانی روپ میں میں نے اُس کی عظمت کا۔ اُس کی بلند حوصلگی کا کتنے نزدیک سے مطالعہ کیا۔

اب ہم اُس چیل نما پہاڑ کے سر کے پچھلے حصے کو پار کر چکے تھے۔ ہمارے سامنے انسانی ہاتھوں کا کرشمہ کھڑا تھا۔ دُور ایک بلند ٹیلے کے اُوپر ایک حسین شاہکار تھا۔ کسی گمنام مگر غیر فانی انسان کا تخیل۔ چند قدم اور۔ اور آگے۔ شہزادہ اب آہستہ آہستہ اپنے ساتھی کا غم بھلا رہا تھا۔

کشاں کشاں ہم مندر کی جانب بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ جوں جوں ہم آگے چل رہے تھے۔ وہ انسانی محبت و محنت کا شاہکار ہمارے سامنے اپنی عظمت کو پھیلاتا جا رہا تھا۔ جب ہم اُس مندر کے نزدیک پہنچ گئے۔ تو ہماری حیرانی کی حد نہ رہی۔ کس نے یہ حسین خواب دیکھا ہوگا۔ کس طرح اِن بلندیوں پر اتنی محنت۔ خون اور پسینہ بہا کر اپنے خیالوں کو عملی جامہ پہنایا ہوگا۔ انسان کو بلندیاں ایک خاص وجہ سے پسند ہیں۔ کیونکہ وہ اُسے اپنے خالق کے قریب لے جاتی ہیں۔ اُس کی رُوح کی ارتقا بھی تو بلندی پر ہی پہنچتی ہے۔ اسی لئے وہ کسی کی عظمت کو بلندی پر پیش کرنا پسند کرتا ہے۔ خواہ ایسا کرنے میں اُسے کتنی ہی مصیبت کیوں نہ پیش آئے۔ ہم مندر کا باہر سے معائنہ کر رہے تھے۔ اُس کی گول گنبد کتنی خوبصورت اور منقش تھی۔ اُس کا کلش کیسا سُندر تکونا مگر اوپر جا کر پتلا ہوتا چلا گیا تھا۔ اُس بھون کے اُوپر سُرخ رنگ پھیرا ہوا تھا۔ نہ معلوم کتنی صدیاں بیت چکی تھیں۔ مگر آج بھی وہ رنگ ایسا نظر آ رہا تھا۔ گویا ابھی اُس کے اُوپر پھیرا گیا ہے۔ وہ مندر آٹھ ستونوں پر کھڑا تھا۔ اُس کا دروازہ بہت بلند تھا۔ ایک دیوار کی طرف کھڑکیاں تھیں دروازے کے دونوں طرف پتھروں میں سے ہاتھیوں کے بُت تراش کر رکھے ہوئے

تھے۔ اگرچہ اس علاقے میں ہاتھی نہ ہوتے تھے۔ مگر بنانے والے کا شوق ان کو دیکھ کر ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے ضرور شہزادے کے ملک سے لگاؤ رہا ہوگا۔ کیونکہ ہاتھی اُس کے ملک میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ہم نے اپنے سر اُس خاموش بھون کے آگے جھکا دیئے۔ دروازے کو پار کر کے ہم آگے بڑھے۔ تو دیکھا۔ ایک نہایت ہی بڑا اور خوبصورت کمرہ تھا۔ اُسے ہال کہنا بہتر ہوگا۔ پتھروں میں سے تراش کر اُس میں جا بجا مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کمرے کی دیواروں میں جالیاں بنی ہوئی تھیں اور وہ بھی پتھروں کو ہی تراش کر۔ اُس بھون کی عظمت۔ وہاں کی خاموشی اور اُس علاقے کا ماحول انسان کے دل میں ایک طرح کا عظمتی خوف پیدا کر رہا تھا۔ ہم نے اپنے جُوتے بھون کے باہر اُتار دیئے۔ ایسا کرنا لازمی ہے۔ کسی بھی پوتر جگہ پر جوتا لے جانا وہاں کی بے حُرمتی کرنا ہے۔ ہم ننگے پاؤں آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ اُس ہال کے عین آخر میں سامنے وا دیوار کے پاس دروازے سے لگ بھگ دو سو قدم پر ایک وشال مُورتی رکھی ہوئی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی شہزادے کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ یہ مہاتما بُدھ کا مجسمہ تھا۔ تعظیم سے اُس نے اپنا سر نگوں کر لیا۔ من ہی من میں وہ اُس تیاگ مورتی کے سامنے اس کی استتی کر رہا تھا۔ مجسمے کا حجم عام انسان سے لگ بھگ دس گنا بڑا ہوگا۔ وہ تپسیا کی حالت میں بالکل شانت بیٹھا ہوا تھا۔ ہم آہستہ آہستہ مورتی کے نزدیک ہونے لگے۔ تاکہ قریب سے اُسے دیکھ سکیں۔ ہمیں وہاں کسی آدمی کا نام و نشان بھی نظر نہ آیا۔ تاہم مندر اندر سے صاف تھا۔ اُس کے فرش پر دھول نہ تھی۔ مٹی کا نام و نشان نہ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا گویا اُس کی باقاعدہ صفائی کی جاتی ہو۔ فرش چکنا اور چمکدار تھا۔ ہمیں یہی خیال ہوا کہ اتنا چکنا فرش انسانوں کے چلنے یا اُسے رگڑ کر

باقاعدہ صاف کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ تاہم ہمیں کوئی انسان دکھائی نہ دیا۔ اب ہم اُس بُت کے بالکل قریب کھڑے تھے۔ شہزادے نے میری طرف دیکھ کر مجھے مخاطب کیا۔

"آپ تو جانتے ہی ہوں گے۔ یہ مورتی میرے دیش کی مہان آتما کی ہے۔ جس نے دُنیا کو پہلی بار اہنسا کا سبق دیا تھا۔ اور آج اُس کی روشنی کتنی دُور تک پھیل چکی ہے۔ مگر اب لوگوں کی نگاہیں اس روشنی سے ناآشنا ہو چکی ہیں۔ ہمیں دنیا کی نگاہیں اس روشنی کی طرف ازسرِنو پھیرنی ہیں۔ اُنہیں آج اس سبق کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔"

ابھی شہزادہ مجھ سے گفتگو کر رہا تھا۔ کہ ہمیں آہٹ سُنائی دی۔ پہلی بار ہمیں خیال ہوا کہ اس ویران اور خاموش مندر میں بھی کوئی رہتا ہے۔ مگر وہاں تو اتنی خاموشی تھی کہ اگر سوئی بھی فرش پر گر جاتی۔ تو اُس کی آواز آجاتی۔ ہمیں ایسا لگا کہ دُور سے کوئی چلتا ہوا ہمارے نزدیک آ رہا ہے۔ جیسے کوئی کھڑاؤں پہنے نپے تُلے قدم اٹھاتا ہوا ہماری طرف بڑھ رہا ہو۔ ہم حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ آواز مدھم سُروں میں جیسے گونج کر ہماری طرف آ رہی تھی۔ ہم اُس آواز کے منبع کو دیکھنے کے لئے بے چین تھے۔ مگر ہمیں کوئی بھی تو نظر نہ آیا۔ ہم نے باری باری پھر اپنی نظریں چاروں طرف گھمائیں۔۔۔ پھر ہمیں ایسا لگا۔ جیسے کوئی اُلٹے قدم واپس جا رہا ہو۔ کھڑاؤں کی آواز آہستہ آہستہ مدھم سنائی دینے لگی۔ جیسے کوئی ابھی ابھی ہمارے پاس آیا تھا۔ اور وہ بنا بات کئے واپس چل دیا۔ ایک انجانا سا خوف ہمارے دلوں پر طاری ہو گیا۔ یہ کون سی شکتی تھی۔ جو ہمارے نزدیک آ کر مڑ گئی۔ شہزادے نے نہایت مدھم لہجے میں مجھ سے کہا۔

"کیا آپ نے کوئی آواز سُنی؟"

"ہاں۔ مجھے ایسا لگا گویا کوئی ہمارے پاس آیا۔ مگر واپس چلا گیا۔"

"مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوا۔"

وہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر بولا۔

"مگر یہ کون ہو سکتا ہے؟ یہ کس کی روح ہے جو اس ویرانے میں منڈلا رہی ہے؟"

میں اس پوتر آتما کی آواز سُننے کے لئے بے تاب ہوں۔ "اے غیبی شکتی! میں تیرے پاس پریرنا لینے آیا ہوں۔ مجھے نراش نہ کر۔"

مگر وہاں خاموشی تھی۔ ایک موت کا سا سناٹا تھا۔ ہماری روحیں تک کانپ گئیں۔ ایک انجانا خوف ہمارے اوپر طاری ہو گیا۔ ہم خوفزدہ نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ خاموشی۔ اٹل سکوت۔۔۔

یکایک وہی آواز پھر آنے لگی۔ ہمارے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ آہستہ آہستہ آگے ہی آگے بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ اب کھڑاؤں کی آواز اس وسیع مندر میں گونجنے لگی۔ ایسا لگا۔ گویا ابھی ہمارے مُنہ سے چیخ نکل جائیگی۔ ہم میں سے کوئی یا پھر میں بے ہوش ہو کر گر جاؤں گا۔

پھر ایک گرجدار آواز مندر میں گونجی۔ مورتی کی طرف سے ہمیں یہ آواز سُنائی دے رہی تھی۔ کسی نے ہم سے سوال کیا۔ رُک رُک کر آواز آ رہی تھی۔

"کون ہو تم لوگ؟ اس پوتر جگہ پر صدیوں سے کسی نے آنے کی جرأت نہ کی۔ مگر آج تم آگئے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میں جو صدیوں سے یہاں سویا ہوا تھا کس نے مجھے جگانے کی ہمت کی؟"

شہزادے نے بھی ہچکچاتے ہوئے قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں

جواب دیا۔

" اے پنیہ آتما! کیا ہمیں ہی سب کچھ بتانا ہوگا کہ ہم کون ہیں؟ اور کیونکر ہم یہاں آئے ہیں؟"

کچھ دیر پھر وہاں خاموشی چھائی رہی۔ اُف کیسی خوفناک خاموشی تھی۔ مگر جلد ہی اُس گرجدار آواز نے پھر ہمیں مخاطب کیا۔

" میں جانتا ہوں ...... تم لوگ کون ہو...... کہاں سے آئے ہو۔ تمہارے آنے کا بھید مجھ سے چھپا نہیں ...... مگر سُن! اے ہندوستانی شہزادے ...... مجھے علم ہے کہ تیرا دل صاف اور شدھ ہے .... میں تجھ سے بہت خوش ہوں۔ .... بھارت کے راجکمار .... میری پیاری دھرتی کے خوبصورت شہزادے ..... میں تجھ سے مخاطب ہو رہا ہوں۔ مگر تیرے اس ساتھی کو دیکھ کر بھی میں پرسن ہوں۔ آج سے اڑھائی ہزار برس پہلے اس دنیا میں میری آواز بلند ہوئی تھی۔ میں نے دنیا کو پریم اور اہنسا کا سندیش سُنایا تھا۔ میری آواز دنیا کے لگ بھگ آدھے حصے میں پھیل گئی۔ اس سے انسان نے اپنے من کی شانتی پائی۔ میرے بتلائے ہوئے مارگ پر چل کر دنیا کے بہت سے دُکھ اور تکلیفیں کم ہو گئیں۔ بہت سی ہونے والی بھیانک جنگیں رُک گئیں۔ لیکن افسوس! آج دنیا اس مارگ کو بھول گئی ہے۔ پھر سے دنیا میں جنگ و جدل اور خون خرابے شروع ہو گئے ہیں۔ شیطان نے میری پھیلائی ہوئی روشنی کے آگے پردہ ڈال دیا ہے۔ انسان انسان کو مٹانے پر تُلا ہوا ہے۔ نہیں ــــ! آج وہ انسانیت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا انتظام کئے بیٹھا ہے۔ اُس کے خطرناک ہتھیار پل کی پل میں کرۂ ارض سے آدم کی اولاد کا نام و نشان مٹا دینگے۔ شاید اس جہاں میں زندگی نام کی کوئی شے باقی ہی نہ رہے گی ..... مگر اے شہزادے۔ اے

عظیم اور میرے پیارے ملک کے بلند انسان! آج میں اپنا بوجھ تمہارے کندھوں پر ڈال رہا ہوں۔ مجھے انسان کی بوسیدہ کشتی کا رُخ جو بھیانک بھنور کی جانب تیزی سے بڑھ رہی ہے موڑنا ہے۔ انسان کو نئے سرے سے زندگی تو نے دینی ہے۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تیرے اندر بھی اُسی دیش کا خون بہہ رہا ہے۔ جس دیش کی مٹی سے میں نے کبھی جنم لیا تھا۔ میں جانتا ہوں میرے مارگ کو تمہارے گرو نے اپنایا تھا۔ مگر تم نے اُسے عملی جامہ پہنا کر نئے سرے سے میرے سندیش کی روشنی پھیلانی ہے۔ تو جان چکا ہے کہ اس دیش میں جہاں تو اس وقت کھڑا ہے ایک بھیانک جنگ ہو رہی ہے۔ دو فریقین میں بھائی بھائی کی اس جنگ کو تو نے ختم کرانا ہے اور مجھے یقین ہے تم ایسا کر سکو گے۔ میرا آشیرواد تیرے ساتھ ہے۔

" بُدھم شرنم گچھامی ......"

وہ گونجتی ہوئی گرجدار آواز یکدم بند ہوگئی۔ ہم دم بخود کھڑے تھے سرنگوں کئے ہوئے۔ پھر سے ہمیں کھڑاؤں کے چلنے کی آواز آنے لگی۔ آواز مدھم ہوتی چلی گئی۔ ہمیں محسوس ہوا گویا یہ آواز آسمان سے اُتری تھی۔ پھر وہ فضا میں تحلیل ہونے لگی۔ میں نے دیکھا شہزادہ اُس وشال مورتی کے آگے سرنگوں کئے بیٹھا تھا۔ کسی گہری سوچ میں۔ اپنی نئی ذمہ داری کا احساس کرتا ہوا۔ فضا پُر سکوت تھی۔ میں نے اپنی نظر پیچھے کی طرف گھمائی۔ بہت دور مجھے وہی دروازہ نظر آیا۔ جس سے کہ ہم اس ہال میں داخل ہوئے تھے۔ باہر بجلی کوند رہی تھی۔ اچانک ایک کڑکتی ہوئی آواز آئی۔ ایک تیز اور چمکدار روشنی نے تمام کمرہ کو منوّر کر دیا۔ شاید نزدیک ہی کہیں بجلی گری تھی۔ لیکن شہزادے کے اوپر اس تبدیلیٔ موسم کا کوئی اثر نہ تھا۔ باہر بادلوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ جب ہم آئے تھے تو موسم ایسا نہ تھا۔ یا شائد پھر ہم نے دھیان ہی نہ کیا تھا۔ قدرت کا رعب

ہمیں یکدم بدلتا ہوا نظر آیا۔ بادلوں کے گرجنے سے ایسا لگ رہا تھا گویا دو بڑے دل آپس میں ایک بھیانک جنگ کر رہے ہیں۔ اس سنسان اور ویران جگہ پر بجلی کی خوفناک چمک اور بادلوں کی گرج دل دہلا رہی تھی۔ معمولی انسان تو ایسے منظر کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ مگر شہزادے کے دل میں ایک طوفان بپا تھا وہ باہر کے طوفان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے اندر اٹھتے ہوئے مدوجزر کا مقابلہ کر رہا تھا۔ وہ شاید سوچ رہا تھا کہ وہ کس طرح اس بھاری جنگ کو روک سکے گا۔ یقیناً یہی کشمکش اس کے ذہن پر، احساس پر چھائی ہوئی تھی۔

بادلوں کے جھک جانے سے کمرے میں کافی اندھیرا پھیل چکا تھا۔ صرف اتنا ہی نظر آ رہا تھا کہ اس کے اندر دو ہستیاں ہیں اور تیسری ہستی وہ شانت اور وشال مورتی تھی۔ شہزادہ کچھ بڑبڑایا۔ میں نے اسے نہایت دھیمی آواز میں کہتے سنا:۔

"اے مہان آتما۔ مجھے روشنی دکھا۔ مجھے اس پرن کو پورا کرنے کی شکتی دے۔ یہ میری منزل کی پہلی کڑی ہے۔"

بجلی کا ایک لپلپا کوندا۔ ہال کے اندر روشنی پھیل گئی۔ میں نے اس مورتی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ابدی مسکراہٹ تھی۔ مجھے لگا گویا وہ خاموش بت کہہ رہا تھا۔

"شہزادے مت گھبراؤ۔ میں تمہاری سہائتا کروں گا۔"

اس کے بعد کچھ عرصہ ہم وہیں رکے رہے۔ مطلع صاف ہونے لگا۔ پہاڑوں میں موسم بھی جلدی جلدی رنگ بدلتا رہتا ہے۔ خصوصاً اس پہاڑ کا حال ہی کچھ نرالا تھا۔ اس وقت چونکہ ہمارا تیسرا ساتھی یعنی رہبر ہمارے درمیان نہیں تھا۔ اس لئے ہم موسم کے بہتر ہونے کا انتظار کرتے رہے مگر پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ

ہم کدھر جائیں۔ کیا آگے کی طرف بڑھیں یا پھر واپس اسی طرف مڑ جائیں جدھر سے ہو کر ہم یہاں پہنچے تھے۔ اسی اثناء میں بادل چھٹنے لگے۔ ان کی اوٹ سے سورج جھانکنے لگا۔ ہم نے آخری بار اس وشال مورتی کو پرنام کیا اور کمرے سے باہر آ گئے۔ اب ہمیں جلد از جلد واپس جانا تھا۔ ایک خوفناک طوفان کا مقابلہ کرنا تھا۔ دن بدن بڑھتی ہوئی تباہی کو روکنا تھا۔ بے وجہ ضائع ہوتی جانوں کو بچانا تھا۔ لہٰذا ہم اس پہاڑ اور اس کے اوپر واقع ہوئے ان عجیب و غریب حالات کو پیچھے چھوڑ کر نیچے میدان میں آ گئے۔

ہم اس ملک میں اجنبی تھے۔ کوئی ہمیں نہ جانتا تھا۔ اب ہم وہاں کی اصلی حالت معلوم کرنے میں لگ گئے۔ ہمیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہاں کی یہ حالت کیوں تھی۔ لوگ کیوں بے حال ہیں اور اس جنگ کی تہہ میں کون کون تھے۔ یہ جنگ دو فریقوں کے درمیان نہ تھی بلکہ انہیں اکسانے والا کوئی اور ہی تھا۔ اس جنگ کے پیچھے ایک چھپا ہوا ہاتھ تھا۔ بڑے پڑوسی ملک کی ایک ملکہ اس لڑائی کی پشت پناہ بنی ہوئی تھی۔ اس کے اپنے اصول تھے۔ ایک انوکھا طرزِ حکومت وہ اس ملک پر ٹھونسنا چاہتی تھی۔ وہ کیسی حکومت یہاں قائم کرنا چاہتی تھی۔ وہ ہمیں آگے چل کر خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ اس نے بہت سے سبز باغ اس ملک کے غریب اور پچھڑے ہوئے لوگوں کو دکھائے تھے۔ اس نے یہ مشتہر کیا تھا کہ یہ خطۂ زمین باغِ جنت بن جائے گا۔ یہاں پیداوار کی بہتات ہو جائیگی۔ بھوک اور افلاس باقی نہ رہے گا۔ یہاں دودھ کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ اور نہ جانے کیا کیا باتیں اس نے یہاں چند منتخب لوگوں کے ذریعے پھیلائی تھیں۔ وہ چاہتی تو ایسے اور یہ کسی طریقے سے یہ سب کچھ کر سکتی تھی۔ محبت و پیار، خلوص و ہمدردی کا ایک راستہ تھا مگر وہ اس سے بے بہرہ تھی۔ وہ تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کے نزدیک تباہی اور بربادی کے راستے

کے سوا اور کوئی ذریعہ تھا ہی نہیں۔ وہ جنگ سے امن قائم کرنا چاہتی تھی۔ خون بہا کر ہی وہ یہاں بہار کا پودا سینچنا چاہتی تھی۔ اُس کا منطق نرالا تھا۔ مگر پس پردہ اس کی نیت اور تھی۔ اس ملک کی ایک تہائی آبادی اس جنگ کا لقمہ بن چکی تھی۔ کچھ تو لڑائی میں مارے گئے تھے اور باقی لوگ بھوک اور افلاس اور درد اور دہشت کا شکار ہو چکے تھے۔ ہم نے دیکھا کیسا بھیانک منظر تھا اُس ملک کا جو کبھی تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہ چکا تھا۔ جس دیش میں کبھی ایک مہان جیوتی کا پرکاش پھیلا تھا۔ یہ پرکاش اُس نے بھارت ورش سے لیکر اپنے پڑوسی ملکوں میں بھی پھیلایا تھا لیکن وہ ملکہ اس امر جیوتی کو فنا کر دینا چاہتی تھی۔ لوگ اُس کے ہتھکنڈوں میں آکر اپنا گلا آپ ہی گھونٹنے پر تلے ہوئے تھے۔ عجیب نرالی حالت تھی یہاں کی۔ دل لرز اُٹھتا تھا اس حالت کو دیکھ کر۔

ابھی تک اُس ملک کے باشندے شہزادے کی اصلیت سے ناواقف تھے۔ وہ نہ جانتے تھے کہ یہ کون ہستی ہے۔ اور وہ ان کے لئے کیا کرنے آیا ہے۔ شہزادے نے اپنا ڈھنڈورا نہیں پیٹا۔ اُس نے کوئی اعلان نہیں کروایا کہ اُس ملک کا نجات دہندہ وہاں پہنچ چکا ہے۔ وہ شہرت کا خواہاں نہ تھا۔ وہ خاموشی سے کام کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ بغیر کسی قسم کا اشتہار دیئے وہ چپکے چپکے ملک کے مدبروں سے ملا۔ اُن کو اپنے جھونپڑے سے مکان پر دعوت دی۔ وہاں اُسے پتہ چلا کہ ایک اور بھی عظیم اور خوشحال ملک اس جنگ کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ وہ اس ملک کو ملکہ کے چنگل میں پھنس جلنے سے بچانے میں کوشاں تھا۔ وہ اس کی خوفناک چالوں کو سمجھ چکا تھا۔ اُسے ملکہ سے ازلی نفرت تھی۔ اسلئے وہ اپنی بہت سی طاقت، روپیہ اور سامانِ جنگ یہاں مہیا کر رہا تھا۔ اُس کے فوجی سپاہی بھی ملکہ کے سپاہیوں سے دو بدو لڑ رہے تھے۔ معاملہ کافی اُلجھا ہوا تھا۔ ملاقاتیں جاری رہیں۔ لوگوں کو ظاہر ہو گیا کہ ہندوستان کا عظیم شہزادہ اس

گتھی کو سلجھانے میں لگا ہوا ہے۔ اُس سے ملنے کیلئے لوگ جوق درجوق آنے لگے۔ اب اُسے کسی کو نیوتن دینے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ خود ہی اس سے مشورہ کرنے چلے آتے۔ اُس کی ہستی ایک معجزہ سے کم نہ تھی۔ ملک کے دونوں فریقین تھک چکے تھے۔ اُن کو مدد دینے والے بھی کسی بہانہ کا سہارا چاہتے تھے۔ یہ تو دو زبردست پہلوانوں کی کشتی چل رہی تھی۔ دونوں برابر کے جوڑ تھے۔ کوئی کسی سے کیونکر ہارتا۔ اس لئے اس جنگ کو روکنا آسان کام نہ تھا۔ ایک دن اُس عظیم اور خوش حال ملک کے نمائندے نے شہزادے پر ایک راز عیاں کیا۔ وہ خود ہی اُس سے ملنے چلا آیا۔ شہزادہ نے نہایت عزت سے اُسے اپنے برابر جگہ دی۔ نمائندے نے کہا۔

"شہزادے! تم تو جانتے ہو کہ میرا ملک تمہاری کتنی قدر کرتا ہے۔ خصوصاً ہم تمہارے شکرگذار ہیں کہ تم اپنی کوششوں سے ہمیں اس خطرناک جنگ سے چھٹکارا دلانے میں لگے ہوئے ہو۔ مگر شاید آپ حیران ہوں گے کہ اس پڑوسی ملک کی ملکہ نے نہ صرف مالی بلکہ اقتصادی مدد بھی مخالف فریقین کو دینا شروع کر دی۔ وہ اپنے فوجی سپاہی بھی اس آگ میں جھونک رہی ہے۔ تمہیں تعجب ہوگا کہ بیک وقت وہ پچاس ہزار سپاہی میدان جنگ میں دھکیل دیتی ہے۔ جب وہ ختم ہو جاتے ہیں تو اتنے ہی وہ اور روانہ کر دیتی ہے۔ بھلا سوچو تو کیا اُسے انسانی جان کی کوئی قدر ہو سکتی ہے۔ ؟"

شہزادے نے نہایت تحمل سے کہا۔

دوست۔ میں یہ سب کچھ جانتا ہوں۔ مجھے یہ سب جان کر کتنا دُکھ ہوتا ہے شاید تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ تمہارے بہادر سپاہی اپنے ملک کو خیرباد کہکر یہاں تک آتے ہیں جب میرا تصور اُنکی ماؤں، بہنوں، بیویوں اور بچوں کی طرف جاتا ہے تو میری حالت دگرگوں ہونے لگتی ہے اور پھر تم اس ملک کی بھی حالت دیکھ رہے ہو کیا بن گیا ہے۔ یہ دیش؟ ہمیں یہ سب کچھ روکنا ہے کیا تم اس میں میری مدد نہ کرو گے؟"

"میرے ملک کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم وہی کریں گے جو آپ چاہتے ہیں۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ اُس عیارہ ملکہ کو کس طرح روکا جائے ورنہ وہ اس ملک کو ہڑپ کر جائیگی۔"

"آپ یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں اُس ملکہ سے نپٹ لوں گا۔ آپ کا تعاون میرے ساتھ ہے اس کا بے حد شکریہ۔"

اس کے بعد وہ نمائندہ چلا گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد شہزادے نے خواہش ظاہر کی کہ ملکہ کے سفیر کو جو اُس ملک میں موجود تھا۔ پیغام بھیجا جائے تاکہ جنگ کو روکنے کے طریقے سوچے جائیں۔ چنانچہ میں خود اُس سفیر سے ملا۔ اُس نے لاپرواہی دکھائی اور کہا کہ وہ کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر کام ملکہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اُس کا حکم پا لینے کے بعد کچھ کہا جا سکتا ہے۔ میں نے واپس آکر شہزادے کو حالات سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ ہم ملکہ کے جواب کا انتظار کرنے لگے۔

اس دوران میں ایک دن اکیلا ہی شہر کا جائزہ لینے کیلئے نکل پڑا۔ شہزادہ کہیں گیا ہوا تھا۔ اب مجھے اس ملک کی موجودہ حالت کا صحیح نقشہ نظر آیا۔ وہاں صرف فوجیں ہی دندنا رہی تھیں۔ دشمن کے سپاہی نہتے، مجبور اور بےبس مرد عورتوں اور بچوں پر بُری طرح ظلم ڈھا رہے تھے۔ انکی یہ ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر میرا رواں رواں کانپ اُٹھا۔ اس کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے میں ایک مکان کے باہر چھپ گیا۔ یہ ایک نہایت ہی غریب انسان کا گھر تھا۔ دو کمروں پر مشتمل۔ میں باہر برآمدے میں کسی چیز کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ باہر سپاہیوں کی ایک ٹکڑی آ رہی تھی۔ ایک عورت اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کھانا پروس رہی تھی۔ اُس نے ایک ہنڈیا سے تھوڑے سے چاول نکالے۔ چاولوں کی مقدار اتنی بھی نہ تھی کہ ایک مرد کا پیٹ بھر سکے۔ بچوں کے چہرے سہمے ہوئے تھے۔ وہ بھوک سے بُری طرح نڈھال ہو چکے تھے۔ مجھے اندازہ ہو گیا

کہ اس گھر کا والی اس دنیا میں نہیں ہے۔ شاید وہ بھی اس جنگ کا نشانہ بن چکا تھا۔ یہ عورت اپنے خوش حال وقت کا جمع کیا ہوا اثاثہ آہستہ آہستہ ختم کر چکی تھی۔ کوئی ذریعہ معاش اُسکے پاس نہ تھا۔ وہ جیون سے لڑ رہی تھی اُسے دنیا کے بڑے بڑے اصولوں سے کیا سروکار۔ اُسے فریقین کے مدبّروں۔ رہبروں سے کیا واسطہ؟ پیٹ کی آگ بجھانے کیلئے چاولوں کے چند دانے مہیا کرنا ہی اس کا اصول تھا۔ اس کا ہی نہیں آبادی کے بیشتر حصے کی یہی سمسیا تھی۔ وہ جنت جس کا نقشہ ملکہ اُن کے سامنے پیش کر رہی تھی وہ کب آئیگی۔ شائد اُس وقت جب اُسکی لاش تہہ گور ہوگی۔ اُس وقت اُسکے بچے باغ جنت میں جھولا جھولیں گے۔ مگر ایسا بھی کہاں ہوگا۔ بچے تو آج بھوک سے مر رہے تھے۔ کون جانے وہ اس دن کو دیکھنے کے لئے زندہ بھی رہیں گے یا نہیں۔ بچے چاولوں کیطرف دیکھ رہے تھے۔ شاید وہ سوچ رہے ہوں گے اُنکی ماں اُنکے ساتھ ایک مذاق کر رہی ہے۔ اتنے بڑے کنبے کا پیٹ اِن چند گنتی کے دانوں سے بھرنا چاہتی ہے۔ غریب بیوہ اُن کے دل کی بھاؤنائیں شاید سمجھ چکی تھی۔ اُس نے یاس و حسرت کے مِلے جُلے الفاظ میں بچوں سے کہا۔

"میرے بچو! آج تمہارے لئے کھانے کو یہی چاول مل سکے۔ میں جانتی ہوں تم دو روز سے بھوکے ہو مگر میں مجبور تھی۔ باہر جا کر چاول نہ خرید سکتی تھی۔ اسلئے تمہیں پانی پلا پلا کر اور اپنی ممتا کی لوریاں دے دے کر ہی تم نے یہ دو دن کاٹے ہیں کھاؤ میرے بچو۔"

اُسکی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا سی بہہ نکلی۔ بچوں نے ڈرتے ڈرتے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے وہ پھر بولنے لگی۔

"میرا آخری اثاثہ بھی ختم ہو گیا۔ میں نے اپنی انگوٹھی جو شادی کے وقت تمہارے باپ نے مجھے دی تھی۔ وہ بھی آج بیچ دی۔ اُف! مجھے کتنا دُکھ ہوا۔ اس سے جُدا ہوتے وقت۔ مجھے علم نہ تھا کہ ایسا وقت بھی آئے گا جب وہ نہ رہیں گے۔۔۔۔ اب کل کا کیا

بنے گا۔ خدا ہی مالک ہے۔"

بچوں نے ایک نوالہ منہ میں رکھا۔ ماں پھر بڑبڑانے لگی۔

"نہ معلوم یہ جنگ کب ختم ہوگی۔ وہ اسکی بھینٹ ہو گئے ہیں۔ او خدا۔ کیا ہمیں بھی اس کا لقمہ بننا ہوگا۔ اب مجھ سے زندگی کا بوجھ نہیں اُٹھایا جاتا۔ دیوتا اب مجھے ہی کیوں نہیں اُٹھالیتا۔ اے مالک یا تو یہ لڑائی بند کر دے تاکہ ہم کچھ سکھ کا سانس لے لیں یا ہم سب کو ہی اس دنیا سے اپنے پاس بُلالے۔"

بچوں کے نوالے اُنکے منہ میں ہی تھے۔ پھر میں نے دیکھا سپاہی اُسی مکان میں گھس آئے۔ انہوں نے چاولوں کی طشتریاں بچوں کے سامنے سے نہایت بیدردی سے چھین لیں۔ بیوہ کے جسم میں بلا کی طاقت آگئی۔ وہ اپنے سامنے بچوں کو بھوکا مرتے نہ دیکھ سکتی تھی۔ دو تین دنوں کی یہ بھوکی شیرنی سپاہیوں پر جھپٹ پڑی۔ بچے خوف سے چیخنے لگے۔ اُن کی آہ و بکا سے کمرہ گونجنے لگا۔ ایک سپاہی نے اپنے ہتھیار سے عورت کو ایک طرف دھکیل دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گری اور بیہوش ہو گئی۔ سپاہی جلدی جلدی طشتریاں صاف کرنے لگے۔ بچے سہمے ہوئے اُن کی طرف تک رہے تھے۔ اف کیسا منظر تھا یہ۔ سپاہی اُن بچوں کو ہتھیاروں سے گدگداتے ہوئے باہر چلے گئے۔ اُف! کیا یہ سپاہی تھے؟ سپاہی تو ملک کا رکشک ہوتا ہے وہ خود بھوکا رہ سکتا ہے مگر دیش کے رہنے والوں کو بھوکا نہیں دیکھ سکتا۔ یہ تو لٹیرے تھے، غنڈے اور نردئی۔ تو ملکہ کا یہی برتاؤ ہوتا ہوگا۔ کیا وہ ایسے ہی نظام کا بیج اس ملک میں بونا چاہتی ہے۔ میں نے دیکھا سپاہیوں کی وردیاں چیتھڑے ہو رہی تھیں۔ اُنکے اندر سے اُن کا ننگا جسم جھانک رہا تھا۔ مجھے وہ سپاہی ایک عجیب سی مخلوق دکھائی دے رہے تھے۔ وہ خود بھوکے تھے۔ نہ معلوم وہ کس طرح لڑتے ہوں گے۔ میں اس نظارے کو بے چینی سے محسوس کر رہا تھا۔ مگر مجبور و لاچار تھا۔ یہی سوچ رہا

تھا کہ میں کیسے ان کی مدد کروں۔

اچانک میں نے دیکھا سامنے سے شہزادہ نمودار ہوا۔ اُس نے اُن جاتے ہوئے سپاہیوں کو دیکھ لیا تھا۔ میں حیرانگی سے اُسکی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس طرح آگے بڑھا گویا وہ ان تمام حالات سے پہلے ہی سے واقف تھا۔ وہ سیدھا کمرے میں چلا آیا۔ اُس نے بیہوش عورت کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ تھوڑا پانی اُسے پلایا بھی۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آنے لگی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس کے کافی چوٹیں آئی تھیں۔ شہزادے نے معمولی مرہم پٹی کی۔ جب اُسے ٹھیک طرح ہوش آگیا تو وہ اپنے بچوں سے چمٹ کر رونے لگی۔ شہزادے نے اُسے ڈھارس دی۔ شہزادہ کے پاس کھانے پینے کا کافی ذخیرہ تھا۔ شاید وہ اُسے اوروں میں بھی تقسیم کرتا آیا تھا۔ اس نے اپنے پاس سے اس عورت کو اور بچوں کو تھوڑا تھوڑا کھانے کو دیا۔ پھر اُس نے اُسے بتایا کہ جلدی ہی اُسکی مصیبتوں کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ مگر یہ عورت نہ جانتی تھی کہ اس کے سامنے کون بیٹھا ہے۔ کون اسکی مصیبتوں کو ختم کرائے گا۔ عورت اُسکی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اُسکے تئیں فرشتۂ رحمت بن کر آیا تھا۔ وہ اُسکے رعبِ حُسن سے بے حد متاثر ہوئی۔ اُسنے شہزادے کو بہت سی دعائیں دیں۔ ہم دونوں اب آمنے سامنے مل گئے۔ شہزادے نے باہر آکر مجھے بتایا۔

"جو واقعہ آپ نے یہاں دیکھا وہ اس ملک کے ہر شہر میں دہرایا جا رہا ہے۔ میرا دل ان حالات کو دیکھ کر کھنچا جاتا ہے کسی طرح بھی ہو اب ہمیں اس حالت کو سنبھالنا ہے۔"

میں نے تائید میں سر ہلایا۔ شہزادے کی انسان دوستی کا تو میں پہلے ہی قائل تھا۔ تاہم اس چھوٹے سے واقعے نے مجھ میں اُس کی عظمت اور بڑھا دی۔

شہزادہ یکایک بول اُٹھا۔

" یہ دنیا کی بڑی طاقتیں اس مقصد کو لیکر جنگ کرتی ہیں کہ سب کے لئے کھانا برابر مُہیا ہو سکے۔ لیکن جب منزل ایک ہے تو راستے کیوں جُدا جُدا ہیں؟ یہ منزلوں تک پہنچنے کی جنگ نہیں۔ یہ تو راستوں پر چلنے کی جنگ ہے۔ اُف وہ نہیں جانتے کہ راستوں میں بھیڑیئے بھی مل جاتے ہیں۔ جیسے یہ ملکہ ہے۔ یہ اپنا ہی اُلو سیدھا کرنا چاہتی ہے۔"

وہ کچھ دیر رُکا۔ پھر کہنے لگا۔

" کیا کھانا صرف لوگوں کے منہ سے نوالہ چھین کر ہی مہیا کیا جاسکتا ہے، کیا انسان کی لاش پر جنت کا محل تعمیر ہوگا۔ کیا یہ انسان نہیں ہیں۔ موجودہ نسل کو ختم کرکے ہی دوسری آنے والی نسل کی بھلائی ہو سکے گی؟ ایک ان دیکھے کل کیلئے آج۔ موجودہ آج کی قربانی دینا بھلا کہاں کی عقلمندی ہے؟ میں کہتا ہوں موجودہ آج کو ہی کیوں نہ سنوارا جائے؟ کل خود بخود سنور جائیگا۔ جب ان بچوں کو اب کھانا میسّر نہ ہوگا تو وہ آنے والی کل کو دیکھنے کے لئے کیسے زندہ رہینگے؟ دنیا کا فلسفہ کچھ عجیب ہی ہے۔ اُف کتنا ارزاں ہوگیا ہے انسانی خون کس بے دردی سے اسے بہایا جارہا ہے؟"

شہزادے کی بلند پروازی کا میں پہلے ہی قائل تھا۔ کتنا بڑا مُفکر تھا وہ! انسان کی زندگی کی کتنی قیمت تھی اُس کے نزدیک۔ ہم اسی طرح باتیں کرتے ہوئے اپنی جائے رہائش پر آگئے۔ اب وہاں کی حکومت نے ہمیں ایک اچھا سا بھون دے دیا تھا۔ چنانچہ جونہی ہم اُس میں داخل ہوئے ملکہ کا ایلچی ہمارا انتظار کرتا نظر آیا۔ نہ معلوم وہ کب سے وہاں بیٹھا تھا۔ شہزادے کو دیکھتے ہی تعظیماً کھڑا ہوگیا۔ اور اُسے کمال ادب سے سلام کرنے لگا۔ اب شہزادہ بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور میں بھی برابر ایک کرسی بڑھاکر انہیں میں شامل ہوگیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔

مگر جلد ہی شہزادے نے نہایت سنجیدگی اور پُر وقار لہجے میں اُس سے سوال کیا۔

" کہو۔ آپ ملکہ سے ہمارے لئے کیا پیغام لائے ہیں؟"

" اُس نے مؤدبانہ عرض کرنا شروع کیا۔

" عظیم شہزادے! میں پہلے اپنی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ میں نے آپکے رفیق کی لاپرواہی کی اور ان سے بے رُخی سے پیش آیا۔

میں نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔

" دوست۔ مجھے اس کی چنداں پرواہ نہیں۔ شائد اُس وقت تم ہمارے شہزادے کی عظمت سے ناواقف تھے۔"

" ہاں محترم بزرگ۔ مجھ سے یہ بھول انجانے میں سرزد ہوئی۔"

شہزادہ پھر گویا ہوا۔

خیر اس قصے کو چھوڑیئے۔ مجھے اپنی ملکہ کا پیغام دیجئے۔

" اے جلیل القدر شہزادے۔ ہماری ملکہ عالیہ آپ کی تجویز سے سو فیصدی متفق ہیں۔ وہ آپ کی صُلح کُن پیش کش کے لئے بہت مشکور ہیں اور اس طرح امید ہے کہ امن کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا۔ مگر ہماری ملکہ معظمہ کی ایک زبردست خواہش ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ یہ سب کچھ کرنے سے پیشتر آپ ان سے مل لیں۔ وہ آپ کے شرف سے فیضیاب ہونا چاہتی ہیں۔ آپ سے دوبدو گفتگو کرکے اس مسئلہ کا بخیر انجام سوچنا چاہتی ہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے جبکہ حکومت کا نظام انہوں نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ وہ اپنی تمام تر کوششوں سے اُس میں ردّ و بدل کرنے میں لگی ہوئی ہیں وہ اپنی فوجیں اس ملک سے جلد ہی ہٹا لینے کے لئے رضامند ہیں۔

اُنہیں پُرانے اور دقیانوسی رواجوں اور قوانین سے سخت نفرت ہے۔ وہ آپ سے بہت سے مسئلوں پر بات چیت کرنے کے لئے بے چین ہیں۔۔۔۔۔"

"معزز سفیر! میں اس وقت دیگر موضوع پر بات چیت کرنے سے مجبور ہوں۔ اس وقت جو مسئلہ درپیش ہے ہمیں پہلے اُس کا حل ڈھونڈنا ہے۔ آپ کی ملکہ کی دعوت مجھے بخوشی منظور ہے مگر اس کام کے لئے ابھی وقت موزوں نہیں۔ فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ کسطرح اس مُلک میں بھڑکتے ہوئے جنگ کے شعلوں کو روکا جائے۔ میں آپ سے اس وقت اس مسئلے پر گفتگو کر رہا ہوں۔"

عیار ملکہ کا موقعہ شناس سفیر کچھ دیر شش و پنج میں پڑا رہا۔ پھر وہ جیسے معاملہ کا حل نہ ڈھونڈھ سکا ہو فوراً بولا۔

"میں مجبور ہوں۔ شاید میں اس معاملے میں آپ کی کچھ مدد نہ کر سکوں ملکہ سے ملاقات اس قصے کو نپٹانے سے پیشتر نہایت ضروری ہے۔"

شہزادے کو جوش آگیا۔ وہ ایک فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"سفیر! میری بات دھیان سے سُنو۔ جب تک اس ملک میں امن قائم نہیں ہو جاتا۔ ملکہ کی فوجیں واپس نہیں ہٹائی جاتیں۔ میں اُن سے ملاقات کرنے سے مجبور ہوں۔ آپ میری طرف سے یہی پیغام دے سکتے ہیں۔"

اب وہ سفیر عجب مخمصے میں گرفتار ہو چکا تھا۔ وہ شہزادے کے مصمم ارادے سے مرعوب ہو چکا تھا۔ اُس نے تو ایک شہہ پھینکی تھی۔ ایک جال بچھایا تھا تاکہ ملکہ شہزادے کو اپنے پاس بُلا کر اپنا ہم خیال بنا سکے۔ مگر یہاں تو معاملہ برعکس نکلا۔ وہ فوراً ہی پینترا بدل کر بولا۔

"آپ ناراض نہ ہوں۔ میں صرف یہی عرض کر رہا تھا کہ ملکہ آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہی ہیں۔ لہٰذا آپ اُن سے پہلے ملاقات کرتے۔ اس سے

کوئی اچھا حل ڈھونڈا جا سکتا تھا۔ تاہم اگر آپ کی یہی خواہش ہے کہ پہلے اس ملک میں امن قائم کیا جائے تو میں اپنی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ جلد ہی ہماری فوجیں واپس ہٹالی جائینگی۔ باقی کام سنبھالنا آپ کا ذمہ۔"

شہزادہ اُس کی چالاکی بخوبی سمجھتا تھا۔ لہٰذا فوراً بولا۔

"میں نہیں سمجھتا جلدی سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ فوجیں فوراً ہی واپس ہونی چاہئیں۔ بلکہ آج ہی۔ اِسی وقت۔"

پھر شہزادہ نے اُس دھوکے باز اور عیار سفیر کے دل کو جھنجھوڑنا شروع کیا:-

"اے ملکہ کے خاص نمائندے! تمہارے ملک نے ایک عظیم ہستی کا ایک لافانی سندیش سُنا تھا۔ اور اُسے دوسرے مُلکوں میں پھیلایا تھا۔ اُس ہستی نے ایک چیونٹی کو بھی کچلنے کے خلاف تلقین کی تھی۔ میں جانتا ہوں تمہارے قدیم بزرگوں نے اُس کی یاد میں کتنی بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ مندر اور بھون تیار کروائے کیا صرف اس لئے کہ اس شخصیت کے بُت بنا کر اُسے اُن مندروں اور بھونوں میں بند کر دیا جائے؟ کیا ایسا کرنے سے آپ نے یہ سمجھ لیا کہ اُس کا مقصد پورا ہو گیا؟ مندر تو انسان کا دل ہے۔ جب تک ہم انسان پر ظلم روا رکھیں گے۔ انہیں تڑپاتے رہیں گے۔ انہیں بھوک اور افلاس جیسے اژدھوں کے آگے دھکیلتے رہینگے اور اُن کے جسموں کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے رہیں گے تو کیا اُس مہان آتما کی پوتر رُوح جو ہمیں ہر جگہ، ہر سمے دیکھتی ہے۔ شانت ہو جائیگی؟ یہ خاک و خون میں تڑپتا ہوا ملک مجھے اُس وقت تک چین نہیں لینے دیگا۔ جبتک خون کی ہولی یہاں پر چلتی رہیگی۔ جبتک اُنکے دُکھوں کا خاتمہ نہ ہو جائیگا۔ پھر اس نیک کام میں دیر کیوں کی جائے؟ اگر آپکے سینے میں بھی دل ہے تو آپ بھی سمجھتے ہونگے ان غریبوں کا دُکھ اُن کے تمام پر ہیں۔ آپ سے اسوقت بھی چاہونگا کہ آپ فوراً ہی اپنی فوجیں واپس بلا لینے کا حکم جاری کریں چکی کے دو پاٹوں

میں پھنسی ہوئی جنتا کو اب آرام کی ضرورت ہے۔ ورنہ یہ تمام ملک ختم ہو جائیگا۔ ایک تہائی تو پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ اب اور ظلم روا رکھنا کہاں کی انسانیت ہے؟ میرا آپ سے یہی کہنا ہے کہ اپنی فوجوں کو ہٹانے کا فوراً حکم جاری کریں۔"

شاید اس سفیر کے اندر بھی ایک خون کا حرکت کرتا ہوا لوتھڑا احساس سے بالکل خالی نہ ہوا تھا۔ اُس کا دل ابھی پتھر نہ ہوا تھا۔ اگرچہ وہ ایک لاچار اور بے بس انسان تھا فرض کی کڑی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ تاہم اس کا خون سفید نہ ہوا تھا۔ اُسکا سر شہزادے کے آگے جھک گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اُس نے تعظیم سے شہزادہ کو سجدہ کیا اور بولا۔

"اے انسانیت کے علمبردار! میں تمہیں سجدہ کرتا ہوں۔ مجھے تمہارے وجود میں وہی رُوح چمکتی دکھائی دے رہی ہے جو آج سے کئی صدیاں پہلے تمہارے ہی ملک سے انسانی جامہ پہنکر ہمارے ملک میں پہنچی تھی۔ اب میں جھوٹ نہیں کہوں گا۔ ملک کیطرف سے اس معاملے کو سلجھانے کی پوری اجازت ہے۔ میری فوجیں آج ہی واپس ہٹائی جائیں گی۔ مگر میری ایک پرارتھنا ہے اور ملک کا مجھے آدیش بھی ہے کہ آپ جلد از جلد اُن سے ملاقات کریں۔"

وہ اُسی طرح سر خم کئے ہوئے آہستہ آہستہ اُلٹے پاؤں واپس جا رہا تھا۔ یہ نظارہ قابلِ دید تھا۔ شہزادے نے پتھر پگھلا کر رکھ دیا تھا۔ ایک چٹان کو اپنی جگہ سے ہلا دیا۔ اپنی لاثانی شخصیت نے ایک ملک میں امن اور شانتی قائم کرنیکا وعدہ لے لیا تھا۔

اور پھر وہی ہوا جو شہزادہ چاہتا تھا۔ ملک کی فوجیں ہٹ چکی تھیں۔ وہ واپس اپنے ملک کو جا رہی تھیں۔ فرض کے ہاتھوں جکڑے ہوئے سپاہی بھی واپس جا رہے تھے اپنے پیارے عزیزوں سے ملنے کے لئے۔ شہزادے نے دوسرے بڑے ملک کے نمائندے سے بات کی تھی۔ اُسے اُس سفیر سے ملاقات کا حال بیان کیا تھا۔ وہ بھی بہت خوش ہوا۔

چنانچہ فیصلہ ہوا کہ تمام متعلقہ ممالک کے نمائندوں کی ایک بیٹھک بُلائی جائے۔

شہزادہ کی پُراثر ہستی نے ایک معجزہ کر دکھایا۔ اُس نے یہ واضح کر دکھایا کہ اُسکے حُسنِ تدبر میں کتنی طاقت ہے۔ انسان دوستی کا جو بیڑا اُس نے اُٹھایا تھا اُسے سرے پر لگا کر ہی دم

لیا۔ سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ اب جنگ ختم ہونی چاہیئے۔ اسی میں اس ملک کا بھلا ہے۔ لہٰذا اتفاق رائے سے ایک فرضی لائین جو ملک کے تقریباً درمیان سے گزرتی تھی۔ وہ اُن فریقین کے درمیان حد بندی مقرر کر دی گئی۔ چند ایک آوازیں مخالفت میں بھی اُٹھیں مگر فوراً ہی خاموش ہو گئیں۔ اس فیصلے کو نظر ثانی کرنے کیلئے ہر ملک کے نمائندے نے اپنے اپنے رہبروں کو بھیجا مگر کہیں سے بھی مخالفت نہ ہوئی۔ لہٰذا اسطرح اس بھیانک جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ نہ معلوم اگر اسکو یہیں پر روکا نہ جاتا تو اس کے نتائج کتنے خطرناک ثابت ہوتے۔ ممکن ہے یہ لڑائی ایک عالمی جنگ میں تبدیل ہو جاتی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج کی دُنیا وہ نہ ہوتی جو آپ دیکھ رہے ہیں! اسطرح شہزادے کے دم قدم سے انسان کی انسانیت برقرار رہ گئی۔ یہ کارنامہ اُسکے تاج میں ایک روشن جواہر کیطرح چمکتا رہے گا۔ اور آنیوالی نسلیں اُسے خراجِ تحسین دیتی رہیں گی۔

شہزادہ اپنے اس کام سے مطمئن تھا۔ ہم چند دن وہاں اور ٹھہرے۔ پھر اُس نے خواہش ظاہر کی کہ وہاں کے ارد گرد علاقوں کی سیر کی جائے۔ لہٰذا ہم نے اپنے سفر کے انتظامات مکمل کر لئے۔ وہاں لوگ شہزادے کو وداع کرنے کیلئے رضامند نہ تھے۔ وہ اُسکے سامنے بچھے جاتے تھے مگر شہزادے نے اُنہیں بتایا کہ اُسنے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ لہٰذا بمشکل تمام ان لوگوں سے اجازت مانگی اور نئے نئے پردیشوں کی سیاحت پر چل پڑے۔ یہ علاقے کتنے سُندر تھے۔ ہم اُن سے خوشی حاصل کرتے ہوئے جگہ جگہ گھوم رہے تھے۔ شہزادے کو تو یہ دیش اپنے ہی بھارت کا دوسرا رُوپ نظر آ رہے تھے۔ بھارت کی سبھیتا کی چھاپ ہر جگہ دکھائی دے رہی تھی۔ جسطرف ہم نکل جاتے مندر ہی مندر بنے ہوئے دکھائی دیتے۔ اُن میں مہاتما بُدھ کی مورتیاں ستھاپت نظر آئیں۔ اُن کی دیواروں پر سنسکرت کے شلوک لکھے ملتے۔ شہزادہ کا سر فخر سے اونچا ہو جاتا۔ وہ کہتا میرے دیش کا ماضی کتنا عظیم رہا ہے۔ مستقبل بھی اتنا ہی شاندار ہوگا۔ ہم جسطرف بھی نکل جاتے ہمیں بھارت کی گہری چھاپ ہر جگہ دکھائی دیتی۔ گاؤں، شہر، پہاڑ اُن کی کھنڈرائیں۔ ہر طرف ہندوستان کی عظمت کا علم بلند نظر آتا۔

اُس دیش کے ودوان۔ عالم۔ سیاح ان دیشوں میں گھومے تھے۔ ان لوگوں نے ملکوں کو تلوار و بھالے کے زور سے فتح نہیں کیا تھا بلکہ پیار اور محبت کے بل بوتے پر۔ ہندوستان نے ان دیشوں کے لوگوں کو بھی تمدن دیا تھا۔ وہ یہاں سے علم کے بے پناہ خزانے لیکر اپنے ملکوں میں لوٹے تھے۔ ہم ان ملکوں کے لوگوں سے ملتے۔ وہ بڑی عزت سے شہزادہ کو سر آنکھوں پر بٹھاتے۔ انہیں شہزادے کی عظمت کا پتہ لگ چکا تھا۔ لہٰذا وہ اسکی بیحد قدر کر رہے تھے۔ ہم گھومتے پھرتے ایک ایسے دیش میں پہنچ گئے جو ابھی بدیشی حکومت کا غلام تھا۔ لوگ آزادی حاصل کرنیکی جدوجہد میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں شہزادے کی آمد سے تقویت پہنچی۔ انہیں یقین ہوگیا کہ اب اُن کی زنجیریں کٹنے میں دیر نہیں۔ آزادی کی دیوی اب انہیں سامنے دکھائی دینے لگی۔ شہزادہ بھی اس اُلجھن کو سلجھانے میں دل و جان سے لگ گیا۔ چنانچہ حکمران حکومت سے گفت و شنید شروع کردی۔ اُس نے انہیں سمجھایا کہ بہتری اسی میں ہے کہ بغیر خون خرابے کے وہ وہاں سے اپنا بوریا بستر اسمیٹ لیں۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اب ناممکن ہے کہ کوئی بھی ملک غلام رہ سکے۔ بہتر یہی ہے کہ آپس میں بات چیت کرکے اس معاملے کو نپٹایا جائے۔ اس سے دونوں ملکوں میں دوستی قائم رہ سکیگی۔ شہزادے کی باتیں وزنی تھیں۔ چنانچہ اُن کا کافی اثر اُس حکمران قوم پر پڑا۔ وہ رضامند ہوگئے۔ آخر ایک دن مقرر کردیا گیا۔ جب کہ اُس ملک کو آزاد ہونا تھا۔ لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہاں کے رہنما اُس ملک کے سربراہ شہزادے کی حکمت عملی، اُس کی نیک نیتی کے قائل ہوگئے۔ آخر وہ دن بھی آگیا جب وہ ایک بڑا ملک آزاد ہوگیا۔ جوش کی ایک لہر ملک بھر میں دوڑ گئی۔ وہ وہاں بھی ہر دلعزیز ہوگیا۔ گویا وہی ان کا رہنما تھا۔ وہی آزادی دلانے والا تھا۔ مجھے یہ کارنامہ تفصیل سے بیان کرنا چاہیے تھا۔ مگر میں اختصار سے ہی یہاں کام لوں گا۔ کیونکہ مجھے اصل کہانی کی طرف راغب ہونا ہے۔ ورنہ اگر میں ہر ایک معجزے کو طول دیتا جاؤں تو باتیں کبھی ختم نہ ہونگی۔ مگر میں جانتا ہوں کہ آپ اُس شہزادے کی ان باتوں سے اُکتائیں گے نہیں۔

پانچواں باب

پُراسرار خاتون

ابھی ہم مشرق کے ایک ایسے ہی ملک میں مقیم تھے جسے شہزادے کی انتھک کوشش سے آزادی ملی تھی۔ ملک بھر میں جشن منایا جا رہا تھا۔ ایک جلوس کی شکل میں اُسے دارالسلطنت میں گھمایا گیا۔ وہاں کی جنتا اُس پر قربان ہوئی جا رہی تھی۔ اس انوکھی خوشی کے وقت لوگ گھروں سے باہر اُمڈ آئے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کون انسان ہے جو جگہ جگہ اپنے کمال دکھاتا پھر رہا ہے۔ خوبصورت کپڑوں میں ملبوس مرد، عورتیں بچے اُسے دیکھنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔ سڑکیں خوبصورت جھنڈیوں سے سجائی گئی تھیں ـــــ لوگ اُس کے اوپر پھولوں کی ورشا کر رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا گویا اپنے ہی ملک میں شہزادے کا سواگت ہو رہا ہے۔ میں بھی لوگوں کے درمیان گھوم رہا تھا۔ اُس ملک کا نظارہ کتنا سُندر تھا۔ عورتیں خصوصاً خوبصورت تھیں۔

جشن کئی روز تک چلتے رہے۔ شہزادہ وہاں کے رہنماؤں سے بات چیت کرتا۔ اُنہیں مُلک کی فلاح و بہبودی کے لئے نیک صلاحیں دیتا۔ رات کو اُس کے اعزاز میں وہاں کی عورتیں ناچ پیش کرتیں۔ یہ وہی ناچ کے نمونے تھے۔ جیسے کہ ہندوستان میں کئے جاتے ہیں۔ بھارت ناٹیم۔ کتھا کالی۔ منی پوری وغیرہ۔ رامائن کے ناٹک پیش کئے گئے۔ یہاں رام کی پوجا ہوتی ہے وشنو اور شیو شنکر کے ہر طرف مندر بنے ہوئے ہیں۔ مہان بھارت کے درشن ہر جگہ پر کئے جا سکتے ہیں۔

ایک دن شہزادے نے خواہش ظاہر کی کہ کیوں نہ وہاں کے ایک وشال مندر کے درشن کئے جائیں۔ یہ مندر اُس ملک کی راجدھانی کے نزدیک ہی تھا چنانچہ ہم دونوں اُس

مندر کی طرف چل پڑے۔ یہ عمارت اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ انسان کی دستکاری کا یہ شاہکار کیسا انوکھا تھا۔ تراشے ہوئے پتھروں میں سورگ کا درشیہ پیش کیا گیا تھا۔ کتنی محنت، دولت اور انسانی تخیل اس پر صرف ہوا ہوگا۔ میرا سر چکرانے لگا۔ کیا انسان اپنے ہاتھوں سے ایسا سُندر بھگوان کا گھر بنا سکتا ہے؟ آرٹ کے نمونے یہاں دیکھنے کے قابل تھے انسانی ہاتھوں نے پتھر کا سینہ چیر کر ایک حسن کا ایسا شاہکار تیار کر دیا تھا کہ آنے والی نسلیں اپنے آباؤ اجداد پر فخر سے سر بلند کر سکیں۔ وہ لوگ شانتی اور امن کے کتنے خواہاں ہوں گے؟ کیونکہ ایسا عظیم تحفہ صرف ایسے ہی وقت میں تیار کیا جا سکتا ہے وہ قومیں جو خون سے کھیلتے ہوئے اپنا وقت صرف کرتی ہیں بھلا اُنھیں ان چیزوں میں کہاں دلچسپی ہو سکتی ہے؟ کہاں اُنھیں فرصت ملتی ہے کہ وہ اپنے بنانے والے کی ارتقا کا تصور بھی کر سکیں وہ تو اُن جانوروں کی طرح ہوتی ہیں جو ایک ہڈی کی خاطر لڑتے رہتے ہیں۔ اس بھون کی ستائش جتنی بھی کی جائے کم ہے۔ بہت کم عمارتیں انسان نے ایسی بنائی ہوں گی۔

دُور سے یہ مندر ایک مثلث کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ جو اوپر چل کر نوک دار ہو گیا تھا۔ ایک پہاڑی کو چیر کر اس کی منزلیں آکاش کی طرف اُٹھتی چلی گئی تھیں زمین سے سات منزلیں تھیں۔ جو ایک دوسرے کے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ اوپر والی منزل نیچے والی سے چھوٹی ہوتی گئی تھی۔ سب سے نچلا حصہ مربع کی شکل میں ایک پلیٹ فارم سا بنا ہوا تھا اس کے اوپر مستطیل شکل میں چار رکھے آنگن تھے اس کے بعد او پر نصف دائرے میں آنگن بنائے گئے تھے۔ مندر کی اونچائی لگ بھگ ڈیڑھ سو فٹ ہوگی اور سب سے نچلے پلیٹ فارم اندازاً سات سو فٹ لمبا ہوگا۔ اس میں نہایت ہی باریک بینی سے کاریگری کی گئی تھی۔ یہ مندر اور بدھ دھرم کے سنگم کا ایک نمونہ تھا مہاتما بدھ کی سینکڑوں مورتیاں پتھروں میں سے کھودی گئی تھیں جو شانتی اور سادگی کا درس دے رہی تھیں۔

ہم اُس پوتر استھان کی طرف بڑھنے لگے۔ ہمارا دل تھر دھاے اُس طرف

بائی ہو رہا تھا۔ شہزادہ بہت دیر تک اُس وشال عمارت کی عظمت کو سراہتا رہا۔ یہاں ہر طرف خاموشی تھی۔ ایک سکون جو شانتی کا پرتیک ہوتا ہے۔ اس خاموشی میں ہم اپنے دل کی دھڑکن تک سُن سکتے تھے۔ ننگے پاؤں ہم اُس کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ ایک منزل کے بعد دوسری منزل پار کرتے گئے۔ ہمیں اپنے ننگے پاؤں کی آواز بھی سُنائی دے رہی تھی۔ ہم اُس کی بلند ترین منزل پر پہنچ گئے۔ شہزادہ ایسے خوبصورت محلوں کو بہت پسند کرتا تھا۔ اُن سے پریرنا لیتا تھا۔ اس سکوت یعنی خاموشی سے اُسے قلبی راحت ملتی تھی۔ اونچے اور اچھے کام کرنے کی شکتی ملتی تھی۔ باہر ہوا تک ساکت تھی۔ گویا وہ بھی اس منظر کو دیکھ کر سوچ سوچ کر چلتی تھی۔ آس پاس ہر طرف خاموشی کا ہی راج تھا۔ اس سناٹے سے ایک عجیب طرح کا خوف دل میں سما رہا تھا۔ شہزادے کو بے چینی سی محسوس ہوئی۔ معلوم نہیں کیا ہونے والا تھا۔ اُس کے ہر وقت مسکراتے ہوئے چہرے پر کچھ خوف کے آثار پیدا ہونے لگے تھے۔ مندر کے اندر کوئی بڑی مورتی بھی۔ سب سے اوپر ایک گول گنبد سی تھی۔ وہ کمرہ نما حصّہ اندر سے بالکل خالی تھا۔ اُس نے آہستہ سے واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ مگر یہ کیا؟ ہم یک دم رُک گئے۔ گویا کسی نے ہمارے قدموں کو جکڑ لیا ہو۔ ہمیں اُس مندر کے اندر عجیب و غریب آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ چاروں طرف ہُو ہا مچ گئی۔ جیسے کوئی کراہ رہا ہو۔ کوئی سسکیاں بھر رہا ہو۔ ہم نے اُس کے اندر چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں۔ مگر کچھ بھی پتہ نہ چل سکا۔ یہ آوازیں مندر کی دیواروں سے ٹکرا کر بار بار دوہرائی جانے لگیں۔ اُف۔ ہم حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہوئے اپنے آپ کو۔ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ آوازیں مدھم ہونے لگیں۔ پھر آہستہ آہستہ گم ہو گئیں۔ مگر پھر ایک بھاری آواز بلند ہوئی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"شہزادے خبردار۔ دھوکے میں نہ آنا یہ

یہ کس بات کی چیتاونی تھی۔ یہ اشارہ کس واقعہ کی طرف تھا؟ کیوں یہ تو شہزادے کو ڈرائے جا رہا تھا؟ یہ الفاظ مندر کی دیواروں سے بار بار ٹکرا کر دوہرائے جانے لگے۔ آوازیں زور زور سے چیخ چیخ کر یہی الفاظ دوہرا رہی تھیں۔ "خبردار" "خبردار" اُف یہ تو ہمارے کان پھاڑے دے رہی تھیں۔ شہزادے نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے۔ پھر اچانک ایک اور حادثہ ہوا۔ مندر کے اندر ایک لٹکتا ہوا فانوس اتنی تیزی سے اِدھر اُدھر جھولنے لگا۔ گویا کوئی بھاری طاقت اُسے جھولا جھلا رہی تھی۔ وہ یک دم ایک دیوار سے ٹکرایا۔ اور چور چور ہو کر فرش پر گر گیا۔

یہ سب کیونکر ہو رہا تھا؟ کس آنے والے خطرے کی یہ علامت تھی؟ شہزادے نے کس بات سے خبردار رہنا تھا۔؟ میں نے بھی اپنی آنکھیں اور کان بند کر لئے۔ تھوڑا عرصہ ہم اسی حالت میں وہاں رُکے رہے۔ پھر میں نے دیکھا۔ باہر بدھ کی مورتیوں کے اوپر عجیب سی روشنی پڑ رہی تھی لیکن وہ روشنی آخر میں سیاہ پڑ جاتی تھی جیسے آگ کی لپٹوں سے نکلتے ہوئے شعلے یک دم بھڑک اُٹھتے ہیں اور جلد ہی مدھم پڑ جاتے ہیں۔ یہ جھلملاتی ہوئی روشنی کدھر سے آ رہی تھی۔؟ یہ کس بات کی علامت تھی؟

ہمیں پتہ نہ چل سکا۔ اچانک کسی چیز کے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ ہم نے خوف و ہراس سے مڑ کر دیکھا۔ بدھ مہان کی ایک خوبصورت مورتی اُس مندر کی سنگھاسن سے نیچے گری اور گرتے ہی چور چور ہو گئی۔ یہ کیسی دُرگھٹنا تھی؟

یہ کس آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھا؟ شہزادہ گھبرا گیا۔ اُس نے اس بت کے ٹکڑے اکٹھے کئے۔ انہیں مستک سے چھوا۔ اور تیزی کے ساتھ سیڑھیاں اُترنے لگا۔ ہم نے وہاں دیکھا۔ ویسا ہی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ کوئی آواز ہمارا پیچھا نہ کر رہی تھی۔ حالات حسب معمول تھے اب ہم نے اپنے سانس درست کئے گھوم کر اس ماحول کا جائزہ لیا۔ وہاں نہ کوئی آدمی تھا نہ آدم زاد ہم جلدی سے اپنے جائے رہائش کی طرف چلے جا رہے تھے۔

راستے میں ہماری کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ مگر ہمارے دل میں خوف سمایا ہوا تھا۔ یہ کیسی نشانیاں تھیں۔ یہ کونسے آنے والے واقعہ کا ہم نے خواب دیکھا تھا۔ جاگتے ہوئے ایک نہایت دلشکن علامت نظر آئی تھی۔ نہ معلوم اب کیا ہونیوالا تھا۔

جس ملک میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے اُسے اگر پھولوں کا دیش کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ وہاں پھول اتنے سندر۔ قسم قسم کے تھے اور اتنی بھاری تعداد میں تھے کہ خواہ مخواہ دل اُن کی دلکشی کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ شہزادہ اکثر اپنا دل اُن سے بہلاتا۔ وہ گھنٹوں پھولوں کی کیاریوں کی طرف دیکھتا رہتا۔ وہاں کی عورتیں سندر اور سڈول جسم کی تھیں۔ اُن کا خوبصورت چمکدار جسم کسی بھی مرد کو لبھا سکتا تھا۔ اُن سے ایک عجیب سی خوشبو پھوٹ پھوٹ کر نکلتی تھی۔ روشنی کی شعاعیں اُن کے جسموں سے پھوٹتی تھیں۔ قدرت کی یہ بیٹیاں ہر وقت ہنسی ٹھٹھا اور مذاق کرتیں۔ اپنا دل بہلاتیں اور دوسروں کو خوش ہونے کی دعوت دیتیں۔ جب وہ پھولوں کے گہنے پہنکر سج دھج سے مستانی چال چلتی ہوئی ٹولیوں کی شکل میں نکلتیں تو راہ گیروں کی نگاہیں اُن پر منجمد ہو کر رہ جاتیں۔ اُن کے جسم کی رنگت تانبے کی طرح چمکتی تھی۔ قدرت نے خوبصورتی یہاں دل کھول کر بکھیر دی تھی۔ وہ شہزادے کے پاس سے جب گذرتیں تو اُس پر پھولوں کی ورشا کر دیتیں کچھ دور سے اس پر پھول پھینکتیں۔ کچھ نزدیک آکر اُسے بھینٹ کرتیں۔ گویا وہ اُن کا دیوتا تھا۔ اندر کے اکھاڑے کی یہ پریاں اِس خطۂ زمین کو سورگ کا نمونہ بنا رہی تھیں۔ شہزادہ اُنہیں دیکھ کر خوش ہوتا۔ مسکراتی ہوئی جب وہ اُس کے پاس سے گذرتیں تو وہ انہیں دونوں ہاتھ جوڑ کر نمسکار کر دیتا۔ اگرچہ دلکشی کا وہاں کافی انتظام تھا۔ بیحد کشش تھی۔ تاہم وہ اکثر اُداس رہتا۔ دن بیت رہے تھے۔ مگر شہزادہ اُس مندر والے منظر کو نہ بھولا تھا۔ مسکراتے مسکراتے وہ یکدم سنجیدہ ہو جاتا۔ آنکھیں نیچے جھکا لیتا۔ گویا کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو۔ میں نے سوچا۔ شہزادے کی اُداسی کو کسی طرح

دُور کرنا چاہیئے۔ میں مانتا ہوں یہ میری گراوٹ تھی۔ مجھے ایسا نہ کہنا چاہیئے تھا۔ مگر مجھے خیال ہوا انسان تو انسان ہی ہے۔ مرد کیلئے عورت ایک عجیب کشش رکھتی ہے۔ شاید اُس کا دل اس سے بہل جائے۔ ایک دن میں نے اُسے کہہ ہی دیا۔

"شہزادے۔ دیکھو نہ کتنی خوبصورت اور دلکش ہیں یہ عورتیں؟ اگر چاہو تو تم ان سے اپنا دل بہلاؤ۔"

اُس نے میری طرف تیکھی نظروں سے دیکھا۔ اور بولا۔

"شاید آپ نے مجھے غلط سمجھا۔ میں قدرت کے ان شاہکاروں کو پوتر درشٹی سے دیکھتا ہوں۔ میں ان کی قدر کرتا ہوں۔ پھول دیکھنے اور سونگھنے کے کام آتے ہیں۔ اُسے سر کے بالوں میں سجایا جاتا ہے۔ کوٹ کے بٹن میں ٹانکا جاتا ہے مگر انہیں مسل ڈالنا کہاں کی عقلمندی ہے؟"

اُس کے اس جواب نے میرے منہ پر تالا لگا دیا۔ کتنا بڑا یوگی تھا وہ؟ مادی کشش اُسے اپنی طرف نہ کھینچ سکتی تھی۔ وہ مجھے اس دنیا کا انسان دکھائی نہ دے رہا تھا۔ گویا وہ کسی اور ہی دنیا کا تھا۔ دیوتاؤں سے بلند تر۔ میں لاجواب ہو کر اس پرنور چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

اس طرح دن بیتتے رہے۔ ہمیں وہاں ٹھہرے ہوئے کافی عرصہ بیت گیا۔ پھر ایک دن علے الصباح معلوم ہوا کہ ملکہ نے اپنا ایک خاص ایلچی بھیجا ہے۔ وہ شہزادہ سے ملاقات کرنے کا آرزومند ہے۔ ہم ابھی ابھی باہر سے چہل قدمی کرکے لوٹے تھے۔ واپسی پر ہمیں یہ خبر راستے میں ہی ملی۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ شہزادہ بھی شاید اس خبر کو شکوک کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ قبول کر رہا تھا۔ میں نے اپنا شک ظاہر کرتے ہوئے اُس سے کہا۔

"شہزادے! اس ملکہ کے دوت کی آمد مجھے کچھ اچھی معلوم نہیں دیتی۔ اگر

چاہو تو تم اُس سے ملنے سے انکار کر دو۔ اس ملاقات کے آثار خاطر خواہ ثابت نہ ہوں گے۔"

شہزادہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر یکدم بول اُٹھا۔

"میں کافر نہیں ہوں ہر ایک کے لئے میرے دل کے دروازے کھلے ہیں۔ اگر ملکہ کی نیت صاف ہے اور وہ میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتی ہے تو میں اُس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ اُسے ناراض کروں۔"

میں نے ڈرتے ڈرتے اُسے یاد دلایا۔

"مگر اُس مندر میں ظہور پذیر ہوئی واردات میں کیا بھول گئے؟"

"ٹھیک ہے! مگر میں تقدیر سے بڑھ کر تدبیر کا قائل ہوں۔"

وہ کچھ خاموش رہا۔ پھر آہستہ آہستہ بولنے لگا۔

"دوست میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ میں ملکہ سے ملوں گا۔ اُس کے دیش میں جاؤں گا مگر ابھی نہیں۔ حالات و واقعات کا ٹھیک اندازہ کر کے۔ میں اُسے راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا۔ کوشش کرنا انسان کیلئے لازمی ہے۔"

میرے دل میں اب بھی وسوسے اُٹھ رہے تھے۔ میں چپ نہ رہ سکا۔ میں نے اُسے کہا۔

"شہزادے! تم دل کے صاف ہو اور صاف گو بھی مگر وہ ملکہ عیارہ اور دھوکے باز ہے۔ وہ تمہارے اوپر اپنا جادو چلائے گی اور تم اُس کے جادو سے بچ نہ سکو گے۔" وہ مسکرایا اور اُس نے ایک سیدھا سادا سا جواب دیا۔

"آپ سوچئے محترم! انکار کر دینا بھی تو بزدلی ہے۔ اور میں بزدل ہرگز نہیں ہوں۔"

تھوڑی دیر خاموش رہ کر وہ پھر کہنے لگا۔

"فی الحال مجھے ملکہ کے دوت سے ملنا ہے۔ لہٰذا اُسے فوراً آنے کیلئے بلایئے۔"

چنانچہ پیغام بھیجا گیا اور ملاقات کا دن اور وقت مقرر کیا گیا۔ شہزادہ نے

اُس ایلچی کا جو ہماری اطلاع کے مطابق ملکہ کا خاص دوت تھا۔ خاطر خواہ احترام کیا۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ کسی قسم کی شکر رنجی کا مظاہرہ ہو۔

وقت مقررہ پر ہم دونوں سفیر کو ملنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ہم اُس کے انتظار میں ایک بڑے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں کہہ نہیں سکتا۔ شہزادہ اُس وقت کیا سوچ رہا تھا اور اُسکے کیا خیالات تھے۔ بہر حال وہ خوش نظر آ رہا تھا۔ دربان نے ہمیں اطلاع دی کہ ایک نقاب پوش عورت ہم سے ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ ہم حیران ہو گئے یہ کیا ماجرا ہے۔ شاید دربان نے غلطی کی ہو۔ مگر اُس نے کہا کہ ایسی ہی ایک عورت منتظر ہے۔ اسکے ساتھی بھی باہر کھڑے ہیں۔ لہٰذا تہذیب یہی کہتی تھی کہ اُسے اندر بُلایا جائے۔ چنانچہ دربان کو کہا گیا کہ اُس عورت کو بھیج دیا جائے۔

میری نگاہیں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد پردہ ہٹا۔ ایک نقاب پوش عورت سامنے نمودار ہوگی۔ وہیں پر کھڑے ہوئے اُس نے شہزادے کو سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ شہزادہ کھڑا ہو گیا۔ عورت بھی سامنے کھڑی رہی۔ پردہ کے اندر سے اُس کی نگاہیں شہزادے پر جمی ہوئی معلوم دیتی تھیں۔ شاید وہ اُس کے حسن و جمال کا جائزہ لے رہی تھی۔ شہزادہ نے نہایت حلیمی سے اُسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ قدرے ہڑبڑائی۔ پھر آہستہ آہستہ نہایت عز و شان سے آگے بڑھتی ہوئی ایک کرسی پر کمال شان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اگرچہ اُس کے منہ پر پردہ تھا۔ تاہم اُس کا بے پناہ حسن اُس میں سے جھانک رہا تھا۔ اسکا گورا رنگ، دراز قد، موزوں جسم اُس کے بے حد حسین ہونے کی علامتیں تھیں۔ ہم اُسکے چہرے کے نقوش ٹھیک طرح نہ دیکھ سکتے تھے۔ اُس نے نہایت قیمتی کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھے۔ جو ایک باریک پردے کے اندر سے جو اُس نے برقعے کی صورت میں اپنے اوپر پہن رکھا تھا نظر آ رہے تھے۔ مگر

اُسکی باہیں اور ہاتھ ننگے تھے۔ کتنے سڈول اور خوبصورت تھے یہ۔ وہ مجسم حُسن نظر آرہی تھی۔ شہزادے نے عام سبھاؤ کے ساتھ کہا۔

" محترمہ! معاف کرنا۔ میرا خیال تھا کہ کوئی مرد مجھ سے ملاقات کا خواہاں ہے۔"

پردہ کے اندر سے ایک ہنسی کا فوارہ چھوٹا۔ گویا سینکڑوں چاندی کی گھنٹیاں بج اُٹھی ہوں۔ ایک سُریلی آواز پیدا ہوئی۔

" کیا آپ کو عورتوں سے ملنے میں عار ہے؟"

شہزادے نے اس حاضر جوابی پر پہلے تو بھویں سیکیڑیں۔ مگر پھر لاپرواہی سے جواب دیا۔

" نہیں۔ میرے لئے مردوں اور عورتوں سے ملنا یکساں معنیٰ رکھتا ہے"۔

پردے کے اندر دو روشن چراغ تھے۔ عورت کی نگاہیں دوران گفتگو شہزادے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر شہزادے نے مسکرا کر سوال کیا۔

" کیا میں آپ کے آنے کا مقصد جان سکتا ہوں۔"

پردے کے اندر پھر ایک ہلکی سی ہنسی پیدا ہوئی اور دلفریب آواز یوں گویا ہوئی۔

" کیا آپ میرا ہی انتظار نہیں کر رہے تھے۔"

شہزادہ انگشت بدنداں رہ گیا۔ بمشکل تمام رُکتے رُکتے کہا۔

" اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو کیا آپ ملکہ معظمہ کی نمائندگی کرنے آئی ہیں؟"

" بہت خوب! آپنے قدرے دیر سے جانا مگر آپنے درست سمجھا۔"

شہزادے کو ذرا اطمینان سا ہوا وہ بولا۔

" میں آپکو خوش آمدید کہتا ہوں۔ ایک عظیم ملکہ کے نمائندے کا ہاردک سواگت ہے۔"

" میں آپ کی ذرہ نوازی کو سو پھولوں سے سواگت کرتی ہوں۔"

پھر اُس عورت نے اپنے ہاتھ سے تالی بجائی۔ دروازے پر ایک خادم نمودار ہوا اُس نے نہایت ادب سے جھک کر حاضرین کو سلام کیا۔ پھر عورت کے اشارے سے وہ آگے بڑھا ایک تھال جو اُس نے اُٹھا رکھا تھا۔ شہزادے کو پیش کیا۔ اُس کے اوپر سے رُومال اُتارا گیا تو ہماری سب کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ خاتون نے نہایت عجز و انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

" یہ ملکہ کی طرف سے حقیر سا تحفہ ہے ایک عظیم شہزادے کی خدمت میں۔ قبول کیجئے"۔

شہزادہ نے اُسے چھُوا اور پھر ایک طرف اشارہ کر دیا۔ شہزادے کو بیشمار تحفے ملتے تھے۔ لہٰذا اس نے اس طرف اشتیاق نہ دکھلایا۔ وہ خاتون سے مخاطب ہوا۔

" ملکہ کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کیجئے۔ ہاں تو فرمایئے آپنے اتنا لمبا سفر طے کیا۔ اس تکلیف کے لئے بھی میں آپ کا اور ملکہ کا مشکور ہوں۔ آخر کیا وجہ تھی جو اس وقت آپ کو اس اجنبی ملک میں آنا پڑا۔"

" شہزادے شاید آپ بھُولے نہیں ہوں گے۔ کچھ عرصہ پہلے ہی آپنے ہمارے سفیر سے ایک دوسرے ملک میں وعدہ کیا تھا کہ آپ ملکہ معظمہ سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لائینگے۔ لہٰذا اُسی وعدے کی یاد دہانی کرانے کے لئے انہوں نے مجھے آپکے پاس بھیجا ہے۔ میں ملکہ کی خاص کنیزوں میں سے ہوں۔ ملکہ آپکی مداح ہیں۔ وہ ہر وقت جہاں بھی آپ جاتے ہیں آپکی خیریت کا پتہ معلوم کرتی رہتی ہیں۔ وہ آپ سے ملنے کیلئے بے چین ہیں۔"

" اوہ۔ میں نے وعدہ کیا تھا۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں اس وعدے کو پُورا کروں گا۔ مگر اے نیک خاتون آپ بخوبی جانتی ہیں۔ ہر کام کا وقت معین ہوتا ہے میں جلد ہی حاضر ہو کر ملکہ کی ملاقات کا شرف حاصل کروں گا مجھے آپکے ملک سے گہرا لگاؤ ہے۔ وہ ایک مہان دیش ہے اسکی عظمت میرے دل میں شروع سے بسی ہے۔ ابھی حالات سازگار نہیں آنیسے پیشتر میں ضرور

انہیں آگاہ کروں گا۔"

"گستاخی معاف۔ کیا میں جلیل القدر اور حسین ترین شہزادے کی مغروری کا سبب جان سکتی ہوں؟"

شہزادہ ان الفاظ سے قدرے جھینپ گیا۔ اپنے ذاتی اور جسمانی حسن کی تعریف پر اور وہ بھی ایک عورت کے منہ سے۔ اس کا چہرہ حیا سے سرخ ہو گیا۔ اور اس وقت وہ اور بھی حسین نظر آنے لگا۔ اس نے اپنی نگاہیں فرش پر جما دیں۔ خاتون اس کشمکش کو نہایت غور سے دیکھ رہی تھی۔ مگر شہزادے نے ان باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ تھوڑی دیر تذبذب کی حالت میں گرفتار رہا۔ اسے ایسے الفاظ سے گویا کوفت ہو رہی تھی۔ اور وہ نہ چاہتا تھا کہ اس موضوع کو طول دیا جائے۔ عورت بھی شاید موقع محل سمجھ گئی تھی وہ فوراً بولی:۔

"شہزادے۔ میں اپنے ملک کی مکمل طور پر نمائندگی کرنے کیلئے حاضر ہوئی ہوں۔ میرے الفاظ ملکہ کے الفاظ ہیں، آپ بلاشک و شبہ اپنا ارادہ مجھ پر ظاہر کر سکتے ہیں۔ مجھ پر آپ پورا بھروسہ رکھیں جو بھی کہنا چاہیں آپ میرے روبرو صاف صاف کہہ دیں۔"

"معزز خاتون! میں کہنا چاہوں گا۔ کہ ہمارے ملکوں کی طرز حکومت مختلف ہے۔ بلکہ متضاد ہے۔ میں اپنے دیش کی جنتا کا ایک ادنیٰ سا نمائندہ ہوں۔ اگر میرا ملک مجھے عشق کی حد تک پیار کرتا ہے۔ تاہم میں اپنے لوگوں کی طرف آواز ہوں جو وہ چاہتے ہیں وہی میں کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ آپ کی ملکہ مکمل طور سے با اختیار ہیں۔ شاید وہ اپنے لوگوں کی رائے لئے بغیر بھی فیصلہ کر سکتی ہیں۔۔۔۔۔"

شہزادہ اتنا کہہ کر رک گیا۔ شاید وہ سامنے بیٹھی ہوئی خاتون کے جذبہ قلب کو ٹھیس لگانا نہ چاہتا تھا۔ اسے خیال پیدا ہوا کہ یہ عورت اس کی باتوں سے اپنے ملک کی یا ملکہ کی توہین تصور نہ کرے۔ لیکن شہزادے کے رکتے ہی پردے

کے اندر سے مسرور کن گھنٹیاں بج اٹھیں۔ ایک سریلا نغمہ فضا میں پھیل گیا خاتون بڑے زور سے ہنس رہی تھی۔ اس نے اپنی ہنسی پر قابو پایا اور کہا:۔

"شہزادے آپ بجا فرما رہے ہیں۔ صداقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا ملکہ نے ٹھیک اپنی حکومت کی داغ بیل کچھ اسی طریق سے ڈالی ہے۔ جیسا کہ ابھی ابھی آپ نے بیان کیا ہے۔ مگر آپ اپنا بیان جاری رکھیں۔ میں آپ کے خیالات جاننے کیلئے بے چین ہوں۔"

شہزادہ اس عورت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی حرکتیں گو کہ پروقار تھیں تاہم اس کی طرز گفتگو نرالی تھی۔ اس عورت کے اندر خود اعتمادی کا غرور تھا۔ شہزادے نے صرف اتنا ہی کہنا مناسب سمجھا۔

"خاتون۔ بہتر ہو گا کہ میں اپنا مدعا ملکہ عالیہ کے سامنے ہی پیش کروں۔"

"آپ مجھے انہیں کا دوسرا روپ تصور کیجئے۔ میں پھر دہراتی ہوں کہ میں پورے وثوق اور مکمل اختیارات سے اپنے ملک کی نمائندگی کرنے حاضر ہوئی ہوں۔"

صاف دل شہزادہ چاہتا تھا کہ اپنے سفر سے پیشتر ایسی ذمہ دار عورت کے سامنے چند باتیں طے کرے۔ لہٰذا اس نے کہنا شروع کیا۔

"چونکہ آپ نے ابھی کہا کہ آپ مکمل طور سے پورے اختیارات کے ساتھ ملکہ کی نمائندگی کر رہی ہیں۔ لہٰذا میری خواہش ہے کہ آپ کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم چند معاہدے کر لیں۔ اس میں اور بھی دوسرے دیش شریک ہوں گے۔"

پھر شہزادے نے ان معاہدوں کی تفصیل بتائی۔ ایک دوسرے ملک کی حدود کا احترام۔ آپس میں بھائی چارہ بڑھانا۔ اقتصادی طور پر ایک دوسرے کی مدد کرنا وغیرہ

اور سب سے ضروری غلام ملکوں کو آزاد کرانے کی سعی کرنا۔ خاتون نے خوش ہوکر تالی بجائی اور اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

" اپنے ملک کی طرف سے میں ان معاہدوں پر کاربند رہنے کا یقین دلاتی ہوں۔ جن مجوزہ ممالک کو اِس بزم میں شریک ہونا ہے انہیں فوراً ہی دعوت دی جائے۔ آپ کی اس نرالی تجویز نے مجھے تو اپنا گرویدہ کرلیا۔ ملکہ بھی اس سے بیحد خوش ہوں گی۔ وہ آپ کے سواگت کے لئے چشم براہ ہوں گی۔ "

" محترمہ! شاید آپ جانتی ہیں کہ مجھے اپنے ملک سے نکلے ہوئے بہت عرصہ ہوگیا ہے اور کچھ تھکاوٹ بھی ہورہی ہے۔ لہٰذا ابھی مجھے واپس جانا ہے۔ "

خاتون خاموش ہوگئی۔ گویا اُسے شکست ہوئی تھی۔ اپنے مقصد کی ہار۔ ایک نئے تھکے پروگرام میں ہیر پھیر کرنا لازم ہوگیا تھا۔ وہ اسی طرح کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ پھر اچانک اُس نے میری طرف دیکھا۔ پردے کے پیچھے سے اُسکی نگاہیں گویا میرے اندر کچھ دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ یکدم بول اُٹھی۔

" میں آپکی معذوری بخوبی سمجھ رہی ہوں۔ آپ بے حد مشغول ہیں لہٰذا میں آپ پر زیادہ زور نہیں ڈال سکتی۔ تاہم اگر آپکو اعتراض نہ ہو تو کیا میں آپکے ان محترم بزرگ کو اپنے ساتھ لے جاسکتی ہوں۔ گو آپ کو ان سے جُدا ہونے کا قلق تو ضرور ہوگا مگر میرے لئے ان کا ساتھ عین راحت کا باعث ہوگا۔ "

میں نے تذبذب سے شہزادہ کیطرف دیکھا۔ شہزادہ نے صرف اتنا ہی کہا:۔

" اس بات کا فیصلہ ابھی نہیں کرسکتے۔ اس میں ان کی رائے لینا نہایت ضروری ہے۔ فی الحال بہت وقت ہے۔ ابھی دیگر ممالک سے لوگ آنے ہیں۔ اُنکے سامنے معاہدے کی

شرائط رکھی جائینگی۔ اور اُس وقت تک آپ بھی غالباً یہیں تشریف فرما ہونگی۔ لہٰذا آپ کے واپس جانے سے پہلے آگاہ کردیا جائیگا۔"

اس کے بعد چند رسمی باتیں ہوئیں۔ اور ملاقات ختم ہوگئی۔ جلد دیگر ملکوں کے نمائندے پہنچ گئے۔ ان کے سامنے معاہدے رکھے گئے۔ اُن کی شرائط پیش کی گئیں۔ جو سب ممالک کی خیرسگالی پر مبنی تھیں۔ سبھی نمائندوں نے تجاویز کو سراہا۔ خوشی کا اظہار کیا۔ پھر یک رائے ہوکر اُنہیں منظور کرلیا گیا۔ اس پر سب نے باری باری دستخط کئے۔ خاتون نے بھی تصدیق میں مہر ثبت کردی۔ اُس کے بعد تقریریں ہوتی رہیں۔ بڑے بڑے جلسے ہوئے۔ مہمانوں کی آمدیں خوشیاں منائی گئیں۔ اس دوران میں ایک بات قابلِ ذکر یہ ہوئی کہ وہ خاتون نقاب پوش عورت شہزادے کے نزدیک ہوتی گئی۔ شہزادہ اُس کا احترام کرتا۔ مگر وہ اسے کچھ اور ہی نگاہوں سے دیکھتی۔ وہ ہر وقت اُس کی قربت کی خواہاں رہتی۔ نہ معلوم وہ اُس کے اخلاق سے متاثر ہوئی۔ یا اُس کے حسن وجمال سے۔ وہ اُسکی بے پناہ قدر کرتی۔ سب کے سامنے اُسکی تعریفوں کے پُل باندھ دیتی۔ شہزادہ ادب سے سر جھکا دیتا۔ صنف نازک کا احترام کرنا ضروری ہے۔ وہ اس سے بخوبی واقف تھا۔ صاف دل شہزادہ بھی اُس کے حسنِ اخلاق، طرز عمل سے متاثر ہوا۔ لیکن اس بڑے مجمے میں وہی اُس شہزادے کی تعریف کرنے والی نہ تھی۔ ہر ملک کا نمائندہ اُس کا گرویدہ بن چکا تھا۔ سبھی اُس کی خوبیوں کو سراہتے تھے۔ مگر شہزادہ کے اندر غرور نہ تھا۔ وہ سب کے سامنے نرمی سے سر جھکا دیتا۔ اتنا بڑا عالم اتنی شہرت کا مالک ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے آپ کو ایک معمولی سا انسان سمجھتا تھا۔ اُس دوران میں اُس کی شہرت دور دراز ملکوں میں پھیل گئی۔ دُنیا والے اُس کے مداح بن چکے تھے۔ وہ کسی کی دل آزادی

نہ چاہتا تھا۔ اسی دوران میں تجاویز جو نمائندوں نے اپنے ممالک کو بھیجی تھیں واپس آنے لگیں۔ سبھی نے انہیں سراہا تھا۔ انہیں منظور کر لیا گیا تھا۔ کافی تعداد ایسے نمائندوں کی تھی۔ جو با اختیار تھے۔ انہوں نے فوراً ہی رضامندی وہیں دے دی تھی۔ شہزادے کی سوجھ بوجھ اور دوراندیشی نے مجھے ہر دلعزیز بنا دیا تھا چنانچہ یہ سلسلہ کچھ دن جاری رہا۔ اسی دوران میں میری شہزادے سے علیحدگی میں ملاقات ہوئی۔ اور ملکہ کیساتھ میری روانگی پر غور کیا گیا۔ مجھے شہزادے کی خواہش کا احترام لازم تھا۔ چنانچہ میں نے اُس کا ارادہ معلوم کرنے کیلئے اُس سے سوال کیا۔

"شہزادے آپ جانتے ہیں کہ وہ خاتون اب جلد ہی اپنے ملک کو روانہ ہونے والی ہیں۔ کیا آپ پسند کریں گے کہ میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر اُس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں۔ اگرچہ میرا دل تو تمہیں اکیلا چھوڑنے کو نہیں چاہتا۔ مگر میں انکار نہ کروں گا۔ آپ کے فیصلے کا منتظر ہوں۔"

وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔ اُسے بھی میری جدائی گوارہ نہ تھی۔ مگر وہ ایک خوشکن لہجے میں بولا۔

"میرے محترم بزرگ! آپ کی حاضری سے مجھے تقویت پہنچتی ہے۔ آپ کا ساتھ مجھے نہایت روح افزا معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس وقت ضرورت کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ اسی خاتون کے ساتھ ہی روانہ ہو جائیں۔ آپ کی غیرحاضری میں آپ کا تصور میرا ساتھ دیگا۔"

"شہزادے! تمہاری قدرشناسی کا کسطرح شکریہ ادا کروں؟ مگر آپ کا کہنا بھی بجا ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں۔ کہ میں پہلے وہاں جا کر اس ملک کا جائزہ لوں۔ ملکہ کی کارگزاری کا حال دیکھوں اور آپ کے لئے راستہ

ہموار کروں۔ اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔ کیا آپ واپس ہندوستان جانا پسند کریں گے؟"

"ہاں دوست! آپ تو جانتے ہیں کہ مجھے اب واپس جانا کتنا ضروری ہے۔"

"مگر آپ سفر کیلئے کسطرح کریں گے۔؟"

"سفر۔ آپ اس کی چنتا نہ کریں۔ آتے ہوئے تو ہم نے ایسا راستہ اپنایا تھا جہاں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سے خاص مقصد یہ تھا۔ کہ ہم قدرت کے مناظر سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ مگر اب میں ان راستوں سے واپس نہ جاؤں گا۔ اور اب میرا پیارا ملک بھی تو اس دیش سے دور نہیں ہے۔ میں باسانی دوسرے راستے سے جا سکتا ہوں۔"

ابھی ہم گفتگو کر ہی رہے تھے۔ کہ دربان نے آکر مطلع کیا۔ ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ ہم سمجھ گئے۔ لہذا اُنے کی اجازت دی گئی۔ وہی خاتون ملکہ کی خاص کنیز ہمارے سامنے لچکتی سینکڑوں بل کھاتی ہوئی آئی۔ دعا و سلام کے بعد وہ ہمارے برابر بیٹھ گئی اور بولی:۔

"شہزادے! اگرچہ آپ سے جدا ہونے سے دل تو نہیں چاہتا۔ مگر جانا لازم ہے۔ کیا میں اُمید کر سکتی ہوں کہ آپ کے یہ محترم بزرگ میرے ساتھ چلنے کیلئے رضامند ہیں۔؟"

"ہاں محترمہ۔ یہ آپ کیساتھ جائیں گے۔ میری غیرحاضری میں یہ میری نمائندگی کرینگے"

"بہت خوب مجھے یقین تھا کہ آپ انکار نہ کرینگے۔ آپ کی فیاضی کی پہلے ہی میں قائل ہو چکی تھی۔ اب آپ نے جس فراخدلی کا ثبوت دیا ہے میں اُس کی مداح ہوں۔"

شہزادے نے صرف "شکریہ" کہا۔ پھر اُس خاتون نے بتایا کہ جلد ہی اس کا جہاز روانہ ہونے والا ہے۔ فلاں دن روانگی ہوگی۔ اس دوران میں تم سے کچھ انتظامات کرنے میں پھر وہ شہزادے

سے وداع لینے لگی۔ عجیب یاس وحسرت کے ساتھ۔ مجھے اس نے بتایا کہ میں کہاں پر پہنچ جاؤں اس کے بعد مجھے کوئی دقت نہ ہوگی۔ میں نے محلِ وقوع وغیرہ سمجھ لیا۔ اُس خاتون نے شہزادے کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور الوداع کہہ کر چلی گئی۔

شہزادے نے بھی مجھے بتایا کہ وہ ہمارے جانے کے بعد جلد روانہ ہو جائے گا۔

ہمارا سفر معینہ دن پر شروع ہوگیا۔ غالباً شہزادہ بھی ہندوستان چلا گیا ہوگا۔ مگر مجھے زیادہ علم نہیں کہ اس نے اپنے ملک میں کیا کچھ کیا۔ البتہ دنیا جانتی ہے۔ بعد میں مجھے بھی معلوم ہوگیا۔ لہٰذا میں ان کا یہاں ذکر نہ کروں گا۔ مجھے تو اس کہانی کا ایک مخصوص حصہ بیان کرنا ہے۔ اس لئے میں شہزادے کے دیگر کارہائے نمایاں کا ذکر نہ چھیڑوں گا۔

دوسرا حصہ

دوسرا حصہ

چھٹا باب

جبین ملکہ

چند روز بعد ہم اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ خاتون کے ساتھ اس کے اور بھی مصاحب تھے جو ہمارے پیچھے چلے آ رہے تھے نہایت خاموشی کے ساتھ سر جھکائے ہوئے۔ وہ ایک خوبصورت سیاہ اور سفید رنگ کے گھوڑے پر سوار تھی۔ ہمارا یہ پیدل سفر زیادہ لمبا نہ تھا۔ چنانچہ جلد ہی ہم سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر میری حیرانی کی حد نہ رہی۔ ایک بہت ہی بڑا بیڑہ لنگر انداز تھا۔ اس کی خوبصورتی دیکھنے کے قابل تھی سونے کے ورق اس پر منڈھے ہوئے تھے جو سورج سے ایسی چمک پیدا کر رہے تھے کہ آنکھیں چندھیا جائیں۔ سطح سمندر پر اس کے کنارے کھڑا یہ بیڑہ ایسا لگ رہا تھا۔ مانو یہ پانی کی دلہن ہے۔ مند مند ہوا چل رہی تھی اور یہ جہاز اس طرح ہولے ہولے ہچکولے کھا رہا تھا گویا کسی مدھم دھن کے اوپر ناچ رہا ہو۔ وہاں میں نے دیکھا بیسیوں چاندی کے تیوار تھے جو اس بیڑے کو کھینے والے تھے۔ خاتون کی سواری خراماں خراماں آگے بڑھ رہی تھی۔ اچانک ایک شور سا ہوا۔ میں نے دیکھا وہاں نہ جانے کدھر سے سینکڑوں لوگ بھاگتے ہوئے آئے اس خاتون کا استقبال کرنے کیلئے

شاید یہ لوگ درختوں کے جھنڈ میں چھپے بیٹھے تھے یا جہاز کے اندر تھے۔ دوری کی وجہ سے میں اس کا بھی اندازہ نہ کر سکا۔ بیڑے کے نزدیک پہنچ کر خاتون نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں وہ ایک دم رک گیا۔ اس نے اشارے سے مجھے اپنے قریب بلایا، میں بھی اس کے پیچھے ایک دوسرے گھوڑے پر سوار تھا۔ چنانچہ ایک زوردار ایڑ لگا کر میں خاتون کے بالمقابل آ گیا۔ نقاب کے اندر سے ایک فاتحانہ قہقہہ بلند ہوا۔ پھر چند لوگ دوڑتے ہوئے آگے بڑھے اور اوندھے منہ زمین پر لیٹ گئے۔ انھوں نے خاتون کو سجدہ کیا وہ اپنی جگہ سے ہلے نہیں، اسی حالت میں لیٹے رہے جو ذرا فاصلے پر تھے، وہ بھی وہیں لیٹ گئے، میں اس منظر کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ اپنی زبان میں ایک حمد و ثنا کر رہے تھے گویا یہ کوئی عورت نہ تھی ان کا خدا تھا، ان کا معبود تھا جس کا پوجنا ان کا فرض تھا۔ وہ اسی طرح بڑبڑاتے رہے کوئی گیت سا گنگناتے رہے۔ ان کا مطلب میری سمجھ میں کوئی خاص نہ آیا۔ ان کی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح تھی۔ پھر میں نے دیکھا۔ بیڑے کے اندر سے بہت سے لوگ نکل رہے تھے وہ ہمارے نزدیک آ کر ایک لمبی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ خاتون کے قدموں کے پاس سے لے کر سامنے کھڑے بیڑے تک۔ ان میں سے لگ بھگ پانچ چھ فٹ کا فاصلہ تھا۔ برابر کے دو آدمیوں کے درمیان یہ فاصلہ ایک خاص مقصد کیلئے ہی تھا۔ خاتون کا ایک ہلکا سا اشارہ پاتے ہی وہ بھی زمین پر الٹے منہ لیٹ گئے۔ ان میں کوئی حرکت نظر نہ آ رہی تھی۔ گویا وہ انسان ابدی نیند سونے چلے تھے۔ گھوڑے کے نزدیک ایک جوان سا مرد کھڑا تھا۔ وہ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح لیٹ گیا۔ خاتون نے اب حرکت کی وہ گھوڑے سے اترنے لگی اور ایک ہی چھلانگ میں وہ نیچے آ گئی۔ میں نے اپنی انگلی نقدی

دبا کر زور سے کاٹ لی، اُف یہ کیا؟ خاتون کا پاؤں زمین پر نہ تھا۔ وہ اس لاش نما مرد کی کمر پر رکھا ہوا تھا۔ یہ کیسا رواج تھا۔ میں نے آج تک یہ منظر کہیں نہ دیکھا تھا۔ میں نے کتنے ملکوں کی سیاحت شہزادے کے ساتھ کی مگر ایسی حرکت مجھے کہیں بھی دکھائی نہ پڑی تھی۔ خاتون نے مجھے ہلکا سا اشارہ کیا۔ میں عجیب نظروں سے اسے گھورے جا رہا تھا۔ نہ معلوم وہ آگے کیا کرے گی۔ اس نے اپنا دوسرا پاؤں اٹھایا جسم کو جنبش دی اور بڑھا ہوا پاؤں اگلے لیٹے ہوئے آدمی کی کمر کے اوپر رکھ دیا۔ وہ مجھے بھی اپنی تقلید کرنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ مگر میں بھلا اس کی نقل کیسے کر سکتا تھا۔ میں نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے اپنے چہرے پر پڑے ہوئے نقاب کے اندر سے میری طرف جھانکا گویا مجھے لعنت کر رہی تھی۔ مگر میں انسان کی یہ بے قدری کیسے کر سکتا تھا۔ میں جس نے شہزادے کا ساتھ دیا تھا اس انسان کا ساتھ جو آدمی کو اشرف المخلوقات سمجھتا تھا ان کی قدر کرتا تھا۔ انہیں سر آنکھوں پر جگہ دیتا تھا مگر یہ خاتون۔ اُف! مجھے یہ فرعون کی بیٹی سے زیادہ خوفناک دکھائی دے رہی تھی۔ یہ تیروں کی بہنوا۔ انسانوں کو روندتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دوسرا قدم اگلے لیٹے ہوئے آدمی کے اوپر رکھ دیا۔ پھر وہ تیزی سے بڑھنے لگی۔ ایک کے بعد دوسرے کی کمر پر پاؤں جماتی ہوئی آہستہ آہستہ اس نے اس چھوٹے سے فاصلے کو طے کر لیا۔ انسانوں کی روحوں کو کچل کر... ان کی عظمت و بلندی کو دھول میں ملا کر۔ مجھے ان لیٹے ہوئے آدمیوں کے درد کا احساس بھلا کیوں نہ ہوتا۔ مگر وہ لاچار تھے، مجبور تھے۔ انہیں بھی کچھ کرنے کا عادی بنا دیا گیا تھا۔ مگر میں بظاہر نہیں دیکھ رہا تھا۔ روح کا درد

تو کجا مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ انہیں جسمانی تکلیف بھی نہ تھی۔ اگر تھی بھی تو وہ کس طرح کہہ سکتے تھے۔ خاتون جب اس طرح چل رہی تھی تو میری آنکھوں کے سامنے ایک منظر گھوم رہا تھا۔ وہ بھبو کی بیوہ اور شہزادے کا اس کو سنبھالنا۔ جب سپاہی ان بے بس بچوں کو چھوڑ کر چلے گئے تھے تو ایک دیوتا نما انسان نے انہیں کس طرح سنبھالا تھا۔ کیسے اس بیوہ کے قریب المرگ بچوں کو جیون دان دیا تھا۔ اُف کتنا فرق تھا اس عورت میں اور شہزادے میں۔

خاتون اب بیڑے پر سوار ہو چکی تھی۔ وہاں بھی وہ اسی طرح داخل ہوئی۔ پھر نہایت شان و شوکت کا مظاہرہ کرتی ہوئی۔ جہاز میں بنے ہوئے ایک محفوظ کمرے کی طرف چل دی۔ اس کے بعد میں بھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا جہاز کی طرف بڑھا اور اس میں سوار ہو گیا۔ جب وہ خاتون کمرے کے اندر چلی گئی تو وہ لوگ جو زمین پر بچھے ہوئے تھے آہستہ آہستہ اٹھنے لگے۔ میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ خوف و ہراس سے ان کا رنگ زرد پڑا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے جہاز میں سوار ہونے لگے۔ سب نے اپنی اپنی مخصوص ذمہ داری سنبھال لی۔ چپو چلانے والے جہاز کے کناروں کی طرف چلے گئے۔ مستول والے ان کی طرف ہو گئے۔ کچھ لوگ بادبانوں کو گرانے لگے۔ موسم نہایت خوشگوار تھا لیکن مجھے بہت گھٹن محسوس ہو رہی تھی شاید یہ ماحول کا اثر تھا۔ کہاں شہزادے کی حاضری میں ہم دونوں آزاد پرندوں کی طرح رہتے تھے، بغیر کسی پابندی کے گفتگو کرتے تھے، وہ اپنے دل کا راز مجھ پر عیاں کرتا۔ میں اسے نیک مشورہ دیتا۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ آزادی کا ایک دن بندھن کے ہزار دنوں سے بہتر ہے۔

میں ایک جنت چھوڑ کر جہنم میں چلا آیا تھا۔ مگر مجھے بہت کچھ دیکھنا باقی تھا

جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا۔ وہ آہستہ آہستہ پانی کی سطح پر رینگنے لگا۔

اس وقت میں اپنے ہی خیالات میں غلطاں تھا۔ سوچ رہا تھا یہ کیسی خاتون ہے جب اس کا یہ حال ہے تو پھر ملکہ کیسی ہوگی؟ اس کا ملک کیسا ہوگا؟ وہ ان بے زبان انسانوں پر کیا کیا ظلم روا رکھتی ہوگی؟ مجھے اپنے انسانی روپ میں بہت سے انسانوں سے واسطہ پڑا تھا۔ اب تک میرے تصور میں اس کی عظمت ہی بنی ہوئی تھی۔ میں یہ دیکھ چکا تھا کہ پسماندہ لوگ بھی تھے لاچار بے بس۔ غلام مگر ان کے اندر جد و جہد تھی، وہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے بلکہ غلامی کی زنجیریں کاٹ ڈالنے کے لئے کوشاں تھے۔ مگر میرا زیادہ عرصہ تو شہزادے کے ساتھ ہی گزرا تھا۔ اس کے حسن و اخلاق نے مجھے تصویر کا ایک ہی رخ دکھایا تھا مگر اب مجھے دوسرا رخ دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ میرے سامنے آتا جا رہا تھا۔ ٹھیک ہی تو ہے سفید رنگ اسی وقت چمکتا ہے جب اس کے پیچھے سیاہی ہو۔ جتنی گہری سیاہی ہوگی اتنا ہی وہ سفید رنگ چمکے گا۔ میں اسی ادھیڑ بن میں لگا ہوا تھا کہ مجھے ایک سردار آتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ننگی تلوار تھی۔ وہ ناٹے قد کا آدمی تھا اس کا سر گھٹا ہوا اور اس کی چوہے کی دم جیسی مونچھیں زمین کی طرف لٹک رہی تھیں۔ اس کا رنگ زرد اور چہرہ جذبات سے عاری تھا۔ وہ ایک لمبا سا چغہ زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھیں دراڑوں کی طرح تھیں وہ اپنی پتلیوں کو تیزی سے ادھر ادھر گھما رہا تھا۔ اس کے پیچھے چار پانچ اس کے مصاحب تھے۔ سردار میرے نزدیک آکر رکا اور نہایت ادب سے فرشی سلام کر کے گویا ہوا۔

اے عظیم شہزادے کے دوست! اے اجنبی! آپ کو ہماری ملکہ عالیہ یاد فرما رہی ہیں۔

میں یکدم بھونچکا رہ گیا۔ تو کیا ملکہ اسی بیڑے میں سفر کر رہی ہیں یا پھر وہ خاتون ۔۔۔ اف میرے اندر شبہات کا طوفان اٹھنے لگا۔ کیا ہم دھوکہ کھا چکے تھے، کیا مندر کی وہ کھوشبو والی سیج نکلی۔ ہم اسے قطعی نظر انداز کئے ہوئے تھے۔ واقعات کی ہماہمی میں اتنے بڑے لوگوں کی موجودگی نے ہمارے احساس سے یہ بات فراموش کرا دی تھی۔ اس کا ذکر تک ہم نے بعد میں نہ کیا تھا۔ مگر شہزادہ تو اس امر سے ناواقف ہی رہا تھا تو کیا معاہدہ کرنے والی خود ملکہ ہی تھی۔ عجیب سے وسوسے دل میں ابھر رہے تھے۔ مگر میں نے ان آدمیوں سے کچھ دریافت نہیں کیا۔ ان سے ایسا ذکر کرنا مناسب بھی نہ تھا۔ یہ راز جلدی فاش ہو جائے گا۔ تو ان سے پوچھنے سے فائدہ بھی کیا تھا۔ سر جھکائے میں ان کے ساتھ چلنے لگا۔ میں اور سردار آگے آگے چل رہے تھے۔ اور باقی آدمی جو دراصل سپاہی تھے ہمارے پیچھے قدم سے قدم ملاتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ جلدی ہم ایک نہایت خوبصورت کمرے کے سامنے آکر رک گئے۔ جہاز بیا آتنا خوبصورت اور بلند کمرہ واقعی ایک عجوبہ سا لگ رہا تھا۔ اس کے دروازے کے سامنے ایک زرد رنگ کا پردہ جو سنہرے تاروں سے منقش تھا لٹک رہا تھا۔ اس پر عجیب عجیب سی شکلیں بنی ہوئی تھیں بھیانک اژدہوں کی شکلیں جو سونے کے تاروں سے بنائی گئی تھیں۔ ہاتھی کی سونڈ کی طرح بل کھاتے ہوئے یہ خوفناک جانور تھے ان کے نتھنوں سے شعلے نکلتے دکھائے گئے تھے۔ عجیب سے یہ چہرے تھے، میں انہیں تصویروں میں محو ہو گیا۔ پھر سوچنے لگا کیا اسی پردے کے اندر بیٹھی ہوئی عورت بھی ایسی

ہی خونخوار ہوگی۔ مگر میں یکدم چونکا۔ اندر سے ایک سریلی آواز آئی۔ وہی مترنم دلکش سنگیت جو میں نے شہزادے کی موجودگی میں سنا تھا ——————

"اجنبی اندر چلے آؤ۔"

پردہ ایک طرف سرک گیا۔ میرے سامنے جنت کا ایک خوبصورت نظارہ تھا۔ جو بیان سے باہر ہے۔ ایک نہایت لمبا اور چوڑا کمرہ، فرش پر زرد رنگ کے قالین بچھے ہوئے تھے، ان پر چلتے ہوئے پاؤں ٹخنوں تک اندر دھنس رہے تھے۔ تمام دیواریں مختلف ڈیزائن سے سجی ہوئی تھیں ان کا رنگ بھی زرد تھا۔ پھر میں نے دیکھا، میز، کرسیاں، دیگر فرنیچر جو کچھ بھی اس کمرے کے اندر تھا سب سنہری رنگ کا تھا۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ تمام چیزیں سونے سے بنائی گئی تھیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ کمرے کے آخری سرے پر دروازے کے عین سامنے ایک اونچا سا دیوان تھا۔ کمرہ لگ بھگ پچاس فٹ لمبا ہوگا اور تیس فٹ چوڑا۔ اس کی کھڑکیاں باہر کو کھلتی تھیں۔ مگر ان پر سنہری تاروں سے کاڑھے ہوئے پردے لٹک رہے تھے، کھڑکیوں کی سلاخیں تک سونے کی تھیں۔ دیوان کے اوپر زرد رنگ کے پھولوں کے گلدستے رکھے ہوئے تھے وہ بھی سونے کے بنے ہوئے تھے۔ آخری دیوار کے بائیں طرف درمیان سے قدرے ہٹ کر کافی اونچائی پر ایک کاؤچ تھا جس کے پائے دیا ہیں سبھی سونے کے بنے ہوئے تھے، ان پر کی گئی مینا کاری نہایت ہی دلفریب اور پرکشش تھی۔ اس کاؤچ کے اوپر وہی حسین خاتون نیم دراز حالت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سنہرے رنگ کے گدے اس پر بچھے ہوئے تھے، اس کے برابر ایک اونچا سا دوسرا دیوان تھا جس پر کئی سونے کی صراحیاں رکھی ہوئی تھیں اور پاس ہی شیشے کا ایک گلاس نما چھوٹا سا پیالہ تھا۔ اس میں زرد رنگ کی کوئی مادہ سی

چیز پڑی ہوئی تھی جو غالباً شراب ہوگی اور دراصل تھی بھی۔ سامنے کی دیوار خصوصاً سنہرے سورج کی طرح روشن تھی، مجھے تو ایسا لگا کہ وہ ساری کی ساری دیوار سونے کے خول سے مڑھی ہوئی تھی، خاتون نے ایک برقعہ نما لمبا سا چوغہ پہن رکھا تھا۔ اس کے سنہری رنگ کے اوپر نگاہیں نہ ٹھہرتی تھیں۔ اتنی چمک تھی اس لباس میں گویا اس میں سے شعاعیں نکل رہی تھیں۔ چہرے کے اوپر ایک باریک سا نقاب تھا، مگر سنہری تاروں سے منقش ہونے کی وجہ سے وہ اڑ نہ سکتا تھا۔ اس نقاب میں سے اس کی خوبصورت آنکھیں جھانک رہی تھیں۔ اس تمام منظر کو میں نے ایک ہی نگاہ میں دیکھ لیا اور میرے اوپر شاہی دربار کا سا رعب طاری ہوگیا۔ سردار آگے بڑھا۔ پہلے وہ گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا تھوڑی دور آگے کی طرف گیا۔ پھر کمرے کے وسط میں پہنچ کر وہ لیٹ گیا۔ اوندھے منہ۔ وہ خاموش اور ساکت تھا۔ میں بھی سر جھکائے آگے بڑھنے لگا اور مؤدبانہ انداز میں اس سردار کے برابر پہنچ کر رک گیا۔ خاتون نے سردار کی طرف ایک حقارت بھری نظر سے دیکھا اور بولی۔

"بڈھے یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

سردار پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے تین بار اپنے سر کو ملکہ کے سامنے جھکایا اور اسی حالت میں گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا واپس سرکنے لگا۔ خاتون نے ایک انگڑائی لی اور تحکمانہ انداز میں چیخ کر بولی۔

"خبیث تو ابھی تک یہاں رینگ رہا ہے، جلدی اپنی منحوس شکل لے کر چلتا بن۔"

وہ غریب تیزی سے سرکنے لگا اور جلدی ہی دروازے سے باہر نکل گیا۔ خاتون نے ایک لمبا سانس کھینچا اور قدرے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کتنا بھیانک لگ رہا تھا۔ یہ ماحول باوجود اتنی خوبصورتی کے جو اس مشور کمرے میں بکھری ہوئی تھی کتنی تصنع تھی اس جگہ۔ میرے اندر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اسی اثنا میں میں نے دیکھا ایک میز کے اوپر ایک کھوپڑی رکھی ہوئی تھی، ایک انسانی سر، مجھے دیکھتے ہی گھن سی آگئی۔ یہ کیا؟ اس خوبصورت جگہ پر اس شے کا کیا کام؟ میری نگاہیں بار بار اس طرف اٹھنے لگیں۔ اس کی بے نور آنکھوں کی جگہ دو غاروں کی طرف، ناک کے نتھنوں کی جگہ لمبے سے سوراخوں پر اسی کے پاس ایک سنہرا خنجر رکھا تھا۔ مجھے اس وقت کچھ ہوش نہ تھا کہ ہم ایک جہاز میں سفر کر رہے تھے، معلوم نہیں یہ بیڑہ کس سمت کو جا رہا ہے، یہ خاتون مجھے کس طرف لے جا رہی ہے۔ جہاز کی رفتار اور باہر کی ہر شے سے بے نیاز میں خاتون کے حضور میں کھڑا تھا جو ابھی چند روز پہلے شہزادے کے سامنے اپنے حسن یا اخلاق کا کس خوبی سے مظاہرہ کر رہی تھی۔ مگر یہاں اس کی کیا حیثیت تھی، اس کا برتاؤ کیسا تھا۔ یہ تو ایک جیتی جاگتی چڑیل بن گئی تھی، ایک بھوت جن جس سے لوگ خائف ہو جاتے ہیں، وہ بھی اور شیطانی طاقت جو انسان کو مروڑ کر رکھ دیتی ہے۔ خواہ یہ انسان کا ذاتی ہی ہو۔ مگر یہاں کی حالت ایسی ہی تھی، مجھے بھی اس عورت سے ویسا ہی خوف آنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا یہ ابھی مجھے اپنے ہاتھوں سے توڑ مروڑ دیگی۔ میری تمام طاقت غیبی شکتی۔ اس نازک عورت کے سامنے ختم ہوتی نظر آنے لگی۔ میں نے تانترک، مانترک آدمیوں کے بارے میں سن رکھا تھا وہ بھی اپنے علم الغیب سے بڑے بڑے طاقتور آدمیوں کو اپنے قبضے میں کر لیتے ہیں، ان کے بس میں بھی بہت سی شیطانی طاقتیں ہوتی ہیں۔ یہ

عورت بھی مجھے ناگن کا روپ نظر آنے لگی۔ پھر میری نگاہیں دیگر ماحول سے ہٹ کر اسی عورت کے اوپر جم گئیں۔ وہ ذرا سے آگے کی طرف جھکی، میں نے اس کی مرمری باہوں کا اندازہ لیا۔ اُف ان تمام برائیوں کے باوجود وہ کتنی شعلہ بدن تھی، کتنی حسین، گویا وہ خود ایک سحر تھا، اس کے آگے تو سب بھی شکست ہو جائے۔ اس کے انگ انگ سے شعاعیں نکل رہی تھیں، اس نے مترنم آواز میں کہا۔

"اجنبی آپ کھڑے کیوں ہیں؟ تشریف رکھئے"

اس کا اشارہ پاتے ہی میں ہڑبڑا گیا۔ برابر ہی ایک رکھے ہوئے گدے دار اسٹول پر بیٹھ گیا۔ وہ پھر سحر کرتی ہوئی گویا ہوئی۔

"اجنبی! اگرچہ آپ نے ہمارے ساتھ ہمارے ملک کی سیاحت کرنا بخوشی قبول کیا، مگر اپنے تعارف سے ہمیں ابھی تک محروم رکھا۔"

میں اب چونکا۔ اپنے آپ کو کیا بتا کر اس پر ظاہر کروں۔ میں نے اس بات پر دھیان ہی نہ دیا تھا، یہ تو مجھے پہلے سوچ لینا چاہئے تھا۔ مگر حالات نے مجھے اس طرف جانے کا موقع ہی نہ بخشا۔ میں چند ثانیہ خاموش بُت کی طرح اپنی جگہ پر جما رہا۔ وہ پھر ایک دفعہ گویا ہوئی۔

"آپ شاید خوش نظر نہیں آتے، یقین رکھئے، میں آپ کا ہر طرح خیال رکھوں گی، میرا ملک دنیا میں سب سے بڑا ہے، آپ اتنے بڑے دیش کے حالات دیکھنے کے لئے چل رہے ہیں، مگر جب آپ اپنا تعارف ہی نہیں کرواتے تو میں کیا سمجھوں۔ آپ ذرا سوچئے تو۔ آپ بھی کیا اثر لے کر جائیں گے ہمارے ملک کا، بہتر ہے ہم جلد ہی ایک دوسرے کے دوست بن جائیں گے، ایک دوسرے کا اعتماد حاصل کر لیں۔"

اسی دوران میں میں نے بھی اپنے متعلق سوچ لیا کہ کیا کہہ کر میں اپنے آپ کو اس عورت کے سامنے پیش کروں۔ میں نے قدرے ہکلاتے ہوئے کہا۔

نیک خاتون! میں ایک نجومی ہوں، ستاروں کی گردش سے آنیوالے واقعات کا کچھ کچھ اندازہ کر لیتا ہوں، لیکن ابھی میرا علم مکمل نہیں ہوا"

خاتون پر گویا ہنسی کا دورہ پڑ گیا، ہنستے ہوئے اس کا انگ انگ تھرکنے لگا، وہ کبھی اپنے کاؤچ پر گرتی پھر اٹھ بیٹھتی، اف اس کی ہنسی میں کیسی کشش تھی، جیسے جھرنے کا پانی کسی سوراخ میں گر رہا ہو اور اس میں سے شیریں تل تل کی آواز آ رہی ہو۔ وہ اسی طرح کھل کھلا رہی تھی، میں شرمندہ سا ہو کر آنکھیں اس پر جمائے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ میرے اس جواب نے اس کے سامنے مذاق کا ایک اچھا خاصا خزانہ مہیا کر دیا تھا جب اس نے اپنا سانس درست کیا تو وہ یکدم کھڑی ہو گئی، اس کے اس انداز میں ہزاروں بجلیاں کوند گئیں اس کا سنہری جسم پردے میں سے چھن چھن کر روشنی پھیلانے لگا، میں بے تاب سا ہوتا جا رہا تھا۔ ہنسی کے ملے جلے الفاظ میں اس نے کہا "

خوب! یعنی تمہارا پیشہ بھی خوب ہے۔ اور تم اس شہزادے کے دوست ہو۔ تو کیا میں یقین کر لوں کہ وہ بھی دقیانوسی خیالات کا حامل ہے مگر امید نہیں کہ وہ ایسے بچھڑے ہوئے خیالات کو پسند کرتا ہو۔ خیر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ شہزادے کو دوستی بھی بھائی تو ایک نجومی کی کیا وہ تمہاری مدد سے ستاروں سے فال لے کر اپنے فیصلے کرتا ہے؟"

مجھے اپنی بے وقوفی پر غصہ آ رہا تھا مگر میں غلطی کر بیٹھا تھا۔

اس لئے اب نبھانا ضروری تھا۔ تاہم میں اپنی بے عزتی تو برداشت کر لیتا، مگر شہزادے کے اوپر اس نے کیچڑ اچھالا تھا، یہ میرے بس کی بات نہ تھی۔ میں یہ ہرگز نہ سہہ سکتا تھا، وہ میری کمزوری کی وجہ سے کیوں بدنام ہو، میرا غصہ تیز ہونے لگا، ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ مگر نہیں یہ نازک موقعہ تھا، اگر چاہتا تو اس نٹھی بھر خاتون کو سمندر کی اٹھتی ہوئی لہروں کی بھینٹ کر سکتا تھا، مگر میں ایسا نہ کر سکا ایسا کرنا مناسب بھی نہ تھا، مجھے دنیا کا تجربہ کرنا تھا، اس کا ہر رنگ روپ پرکھنا تھا۔ یہ میرا پہلا سبق تھا۔ ایسی بھی ہستیاں دنیا میں ہیں جو نیک انسانوں پر پتھر پھینکنے سے باز نہیں آتیں، بھلا اب تک مجھے ان باتوں سے کب واسطہ پڑا تھا۔ ایک بڑے آدمی کا قول ہے کہ ہر گھٹیا آدمی کنول کی خوبصورتی نہیں دیکھتا۔ اس کی نظر اس کیچڑ کی طرف جاتی ہے جہاں وہ خوشنما پھول اگتا ہے، میں نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے مسکراتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"معزز خاتون! ہمارا شہزادہ دقیانوسی ہرگز نہیں ہے وہ تو سو سال آگے کی سوچ لیتا ہے، پھر بھلا اسے ستاروں سے فال لینے کی کیا ضرورت؟ آپ تو جانتی ہی ہیں کہ وہ میری کتنی قدر کرتا ہے۔ اور مجھے بھی اس سے اتنا ہی لگاؤ ہے، اگرچہ وہ خود اس علم میں یقین نہیں رکھتا۔ تاہم وہ میری اور میرے علم کی قدر کرتا ہے"

وہ سنجیدہ ہو گئی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"تو یہ کچھ بات ہوئی۔ اچھا ہوا کہ میرا خیال غلط نکلا، ہمیں بھی تمہارے علم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر چونکہ آپ شہزادے کے

دوست ہیں اس لئے میں بھی آپ کی اتنی ہی عزت کرتی ہوں اور دوستی کا ہاتھ آپ کی طرف بڑھاتی ہوں۔"

اس نے اپنا لمبا اور گداز ہاتھ میرے آگے کر دیا۔ یہ ایسا ہاتھ لگ تھا گویا سنگ مرمر میں سے کسی نہایت ہی ماہر سنگ تراش نے کمال خوبی کے ساتھ تراشا ہو میری نگاہیں، انگلیوں کے پوروں کے اوپر جمی ہوئی تھیں کتنی مناسب اور لوچدار تھیں، قدرت کے اس شاہکار کی تعریف میں نے دل ہی دل میں کی اور بلاوجہ ہی میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کا اندرونی حصہ مہندی سے سرخ ہو رہا تھا۔ میری نگاہیں ابھی اس پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی بول اٹھی۔

"نجومی۔! میرے پیارے دوست! یہ تم میرے ہاتھ کو غور سے کیوں دیکھ رہے ہو، کیا تمہیں ہاتھوں کی سرخی پسند نہیں؟"

محترمہ! آپ کے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں، میں ان کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

میں قدرت کی ہر اس تخلیق کا مداح ہوں جو خوبصورت ہے۔"

"نجومی تم قدر شناس معلوم ہوتے ہو میرا خیال تھا کہ شاید تمہارے اس خشک علم نے تمہیں بھی ویسا ہی بنا دیا ہو گا۔ مگر اب معلوم ہوا کہ ایک حسین چیز تمہارے دل کے اندر سما سکتی ہے۔"

وہ کچھ دیر خاموش ہو گئی۔ اس نے مجھے آگے بڑھنے کے لئے اشارہ کیا، میں ہچکچاتا ہوا اس کے قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"نجومی۔ کیا تم میرا چہرہ دیکھنا پسند کرو گے؟ میں یقین سے کہتی ہوں کہ ایسا حسن تم نے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔"

مجھے واقعی اشتیاق ہونے لگا۔ جب اس کی باہیں، ہاتھ انگلیاں اتنی خوبصورت ہیں تو وہ خود کیسی ہو گی۔ میں نے تجسس کے ملے جلے الفاظ میں کہا۔

"خاتون، مجھے واقعی تمہارے حسن کو دیکھنے کا بے حد شوق ہے۔"

"مگر نجومی۔ کیا تم اس بے پناہ حسن کو برداشت کر سکو گے؟ کیا تم اپنے آپ کو سنبھال سکو گے؟"

مگر آپ تو جانتی ہیں کہ میرا سن کیا ہے، میں ایک بوڑھا زاہد انسان ہوں، پھر آپ کو مجھ سے کیا خدشہ؟"

"تم نے سچ کہا۔ مگر اجنبی! ملکہ کے حسن کو دیکھنا اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھتے ہو۔ اسے عام آدمیوں نے آج تک نہیں دیکھا اور نہ ہی تم دیکھنے کا حق رکھتے ہو۔"

میرے اوپر بجلی سی گری، جو میرے اندر رشک پیدا ہو اٹھا، وہ یقین ہی بدل گیا، میں ایک معمولی عورت کے حضور میں نہیں تھا۔ بلکہ دراصل ملکہ معظمہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا، میری زبان میں لکنت آگئی دم، آنکھیں باہر کو نکل آئیں، میرے لئے الفاظ ڈھونڈنے مشکل ہو گئے، ہچکچاتے ہوئے میں نے کہا۔

"تو۔۔۔۔۔ تو کیا؟ میں حسن کی دیوی جلیل القدر ملکہ عالیہ کے حضور میں حاضر ہوں؟"

"اجنبی نہیں اب میں تمہیں نجومی کہہ کر پکاروں گی، ہاں تو میں کہہ رہی تھی ۔ نجومی! کیا تمہیں اس وقت بھی علم نہ ہوا جب کہ میرے سرداروں نے مجھے سجدہ کیا ۔ تمہارا علم کیسا ہے؟ کیا وہ یہ بھی نہ بتا سکا کہ تم کس سے مخاطب ہو رہے ہو۔"

اب میں نے پینترا بدلا ۔ ایک چال میری سمجھ میں آ گئی ۔ اس دھوکے باز ملکہ کو اسی کے ہتھکنڈوں سے جکڑنا ٹھیک تھا، سچائی کے آگے سچائی چلتی ہے، مگر دروغ کے آگے جھوٹ ہی کامیاب ہوتا ہے ۔ میں نے نہایت اطمینان سے مسکراتے ہوئے جواب دیا ۔

"ملکۂ عالیہ! کیا ایک نجومی سے اتنی چھوٹی سی بات بھلا چھپ سکتی ہے؟ میں تو آپ کی اصلیت اسی وقت بھانپ گیا تھا ۔ جب آپ نے شہزادے سے پہلی بار ملاقات کی تھی ۔ مگر اس میں بھی مجھے مصلحت نظر آئی ۔ اگر میں اسی وقت آپ کا یہ راز آشکارا کر دیتا کہ آپ اور کوئی نہیں بلکہ خود ملکہ ہیں ۔ تو مجھے یقین ہے کہ شہزادہ آپ سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیتا، اسے جھوٹ اور فریب سے سخت نفرت ہے، وہ ایک سیدھے سادے چلن کا مالک ہے، امید ہے آپ میری اس صاف گوئی کا اور کوئی مطلب نہ لیں گی۔"

میں نے دیکھا ۔ وہ غصے سے کانپنے لگی، میں نے اس کے روبرو ہی اس کی توہین کر دی تھی، فوراً ہی اس کا ہاتھ اپنے کمر میں لگے ہوئے قبضے پر چلا گیا، بجلی کی سرعت کے ساتھ اس نے ایک سنہری خنجر نکالا اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی ۔

"بدتمیز ۔ تم آدابِ شاہی سے بھی بے بہرہ ہو ۔ تمہاری اتنی مجال کہ میرے منہ پر ہی میری اتنی بڑی توہین کرو ۔ تم گردن زدنی کے لائق ہو۔"

میں اس کے غصے کے سامنے تھر تھر کانپنے لگا ۔ اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا ۔ وہ اپنی جگہ سے ہلی کاوچ پر بیٹھے ہوئے اس نے دو ایک بل کھائے جیسے ایک خوبصورت ناگن اپنی کنڈلی کھولے، وہ قدرے پاس پڑے چھوٹے میز کی طرف جھکی، اس نے وہ کاسۂ سر اپنے ہاتھ میں اٹھایا اور سنہری ڈنڈا دوسرے ہاتھ میں پکڑا ۔ کچھ دیر اسے اپنے ہاتھ میں ہی جھلاتی رہی، گویا وہ تذبذب میں گرفتار تھی ۔ وہ پھر کاوچ سے نیچے اتری اور اس کے سامنے ہی چکر کاٹنے لگی ۔ ایک دفعہ وہ میری طرف پیٹھ کر کے گھوم گئی ۔ مجھے اس کا پیٹھ کی طرف سے جائزہ لینے کا موقعہ مل گیا، اف وہ مجسم قیامت تھی، کوئی بھی انسان اسے حاصل کرنے کے لئے خوشی سے موت کو گلے لگا سکتا تھا ۔ پھر اس نے آہستہ سے کاسۂ سر کو میز پر رکھ دیا، ڈنڈے کو وہیں لگایا اب وہ قدرے شانت دکھائی دے رہی تھی ۔ شاید وہ اپنا ارادہ بدل چکی تھی، طوفان ختم ہو چکا تھا، پھر وہ اپنے معمول پر آتی ہوئی دکھائی دی ۔ اس کی آواز میں بھی توازن آ گیا ۔ وہ بولی ۔

"نجومی تم ایک عجیب آدمی معلوم دیتے ہو، میں نے اپنا ارادہ بدل دیا، ایک دفعہ دوست کہہ کر اس کے خون سے ہاتھ رنگنا مجھے زیب نہیں دیتا، ورنہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس ڈنڈے کی چوٹ کاسۂ سر پر ماروں اور تم شاید نہیں جانتے کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

تو میں ہی بتاتی ہوں۔ اس کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔ ایک انسان یا بہت سے انسانوں کی موت۔ یہ چوٹ صرف موت کا پیغام لاتی ہے۔

اب میں حالات سمجھ چکا تھا۔ وہ واقعی اتنے غصے میں تھی کہ میرے قتل کرنے کا حکم دینا باقی رہ گیا تھا۔ میں نے متانت سے کہا۔

”جان بخشی کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ملکۂ معظمہ۔ یہ خادم آپ کی خدمت سے کبھی گریز نہ کرے گا۔“

”نجومی تم واقعی بہت کام کے آدمی معلوم دیتے ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم ہماری مدد کرتے رہو گے۔“

”آپ کے لئے میری جان بھی حاضر ہے،
بلکہ آپ نے میری زندگی بخش کر بہت بھاری احسان کیا ہے۔“

”اور میں تم سے ایک احسان کی خواہشمند ہوں۔“

”فرمائیے۔ آپ تو مجھے بار میں ڈال رہی ہیں۔“

وہ خوبصورت قالین پر ٹہلنے لگی۔ جس سے چمکدار شعاعیں نکل رہی تھیں۔ اس کے پاؤں تک گرنے برقعے کے سے لباس میں سے مجھے اس کے خوبصورت ٹخنے اور ایڑیاں نظر آ رہی تھیں وہ بھی ایسے ہی حسین تھے جیسے کہ اس کی باہیں تھیں۔ وہ یکدم میری طرف مڑی اور اس حرکت سے اس کے چہرے پر لٹکتا ہوا جالی کا پردہ ایک لمحہ کے لئے صرف ایک سیکنڈ کے لئے ایک طرف سرک گیا اور پھر اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔ کیسا تھا وہ ایک سیکنڈ۔ کیسا جمالی حسن چھپا تھا اس نقاب کے پیچھے۔ اسی طرح ٹہلتی ہوئی وہ میرے نزدیک آ گئی۔ وہاں ایک دوسرا گدے دار

سٹول پڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنا دایاں پاؤں اس کے اوپر رکھ دیا۔ اس طرح اس کی پنڈلی کا نچلا حصہ ننگا ہو گیا۔ میں مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پاؤں میں سنہری چمچماتی ہوئی چپلیں پہن رکھی تھیں وہ آہستہ آہستہ اپنے پاؤں کو سٹول کے اوپر مار رہی تھی۔ میرا دھیان اپنی طرف مبذول دیکھ کر وہ یکدم بولی۔

”ہاں تو نجومی۔ تم نے ابھی ابھی کہا تھا کہ تم میرا چہرہ دیکھنے کے خواہشمند ہو۔“

”ملکۂ عالیہ نے ٹھیک ہی فرمایا۔“

”مگر نجومی میں نے کہا تھا کہ یہ چہرہ تمام انسانوں کو نہیں دکھایا جاتا۔ اس کی تاب لانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔“

وہ قدرے خاموش ہوئی پھر کہنے لگی۔

”کیسے ہر خاص و عام کو اس حسن کا نظارہ کرایا جا سکتا ہے؟ نجومی شاید تم اس راز سے ناواقف ہو، کیا جاننا چاہتے ہو یہ راز؟“

”یہ میری حوصلہ افزائی ہے کہ ملکہ کو مجھ پر اعتماد ہے۔“

”تو سنو۔ آج اور صرف آج یہ راز تمہارے سامنے بیان کرتی ہوں اور وہ اس لئے کہ تم میری امداد کرو گے۔ یہ ایک سیاسی راز ہے، میری رعایا کو مکمل یقین ہے کہ میرا حسن لاثانی ہے اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بھی عورت نہیں کر سکتی، اسی لئے میری رعایا میری پوجا کرتی ہے۔ میں ان کے لئے خدائے ثانی کا درجہ رکھتی ہوں، مگر حسن میرے نزدیک صرف پوجنے ہی کی چیز نہیں ہے میں سمجھتی ہوں وہ عورت حد درجہ بے وقوف ہے جو اس عطیۂ قدرت سے فائدہ نہیں اٹھاتی اور میں

ایسے موقعہ سے کبھی نہیں چوکتی۔ اسے میں اپنے فائدے کے لئے ہر وقت صرف زرکام میں لاتی ہوں۔ اور اے میرے معتبر نجومی یہ میں صرف تم کو ہی بتا رہی ہوں، ذرا میرے نزدیک آجاؤ۔"

میں ملکہ کے بالکل قریب ہو گیا۔ وہ بھی میرے اوپر جھک گئی۔ اُف کیسی خوشبو میرے نتھنوں میں گھُسی جا رہی تھی۔ اس کے جسم کی حرارت سے جو دور سے ہی میرے اندر سرایت کر رہی تھی مجھ پر نشہ سا طاری ہونے لگا۔ اس نے سرگوشی کی۔

"میں اپنا یہ خوبصورت چہرہ صرف اس شہنشاہ یا اس ملک کے رہنما کے سامنے پیش کرتی ہوں جس سے مجھے کچھ فائدہ کی امید ہوتی ہے۔ یہ نقاب صرف اسی خوش نصیب انسان کے آگے اُٹھا جاتا ہے جو میرے کسی کام آسکے۔ یہ امر یقینی ہے کہ وہ پھر میرا گرویدہ بن جاتا ہے۔ میری کشش اسے بے چین کر دیتی ہے۔ اسے رہ رہ کر تڑپاتی ہے۔ پھر اس سے جو چاہوں وصول کر لیتی ہوں۔ جو شرطیں چاہوں منوا لیتی ہوں، میں اس سے شادی تک کرنے کا وعدہ کرتی ہوں۔ مگر نجومی یقین جانو کہ میں نے آج تک کسی سے شادی نہیں کی، میں ابتک بے لاگ ہوں۔ ایک کنواری حسینہ ہوں۔ میں نے اب تک کئی شہنشاہوں اور بڑے ملکوں کے رہنماؤں کو شادی کا یقین دلا کر بہت نفع کمایا ہے۔ میں نے اپنی طاقت مضبوط کر لی ہے۔ میں تمہیں وہ طاقت دکھاؤں گی جو میں اب تک حاصل کر چکی ہوں۔ جو بھی میرے حسن کو ایک بار دیکھ چکا ہے وہ میرے چنگل سے نکل نہیں پایا۔ اسی طرح میں نے بہت سی دولت اکٹھا کر لی ہے۔ فوجی طاقت، سامان خورونوش، جنگی ہتھیار یہ سب کچھ اسی کی بدولت میں نے مختلف قوموں کے سربراہوں سے حاصل کر لئے ہیں۔ اب مجھے اپنی طاقت پر بھروسہ ہے، ناز ہے، بڑے بڑے فاتح میرا دم بھرنے لگے ہیں۔ یہ سب کچھ تم پر جلد ہی عیاں ہو جائے گا۔ مگر نے

نجومی! میری تم سے ایک درخواست ہے، ایک ملکہ کی خواہش اور میں یہ دعوے سے کہتی ہوں کہ تم میری درخواست کو رد نہ کر پاؤ گے۔"

وہ کچھ دیر کے لئے رُکی، کاؤچ پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ میں اس کا یہ بیان سُن کر انگشت بدنداں رہ گیا، اُف حسن کا یہ استعمال بھی ہو سکتا ہے۔ قدرت کی نعمت کا کتنا غلط استعمال تھا یہ۔ اس فانی جسم پر ملکہ کو ناز بھی تھا اور اس کا ناز بیاالظرف بھی، میں نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"فرمایئے، ملکہ میں آپ کے کس کام آسکتا ہوں؟"

وہ پھر قدرے میری طرف جھکی اور بولی۔

"مجھے تم سے یہی کہنا ہے کہ تم اپنے حسین و جمیل شہزادے کو میری طرف رجوع کر دو۔ ہمارا دونوں کا میل دنیا میں بے مثل ہو کر چمکے گا۔"

میں یک دم اچھلا تو کیا ملکہ اپنا سحر اس بوڑھے منی پر بھی آزمانا چاہتی ہے؟ اس یوگی پر جس نے اپنا جیون خدمت خلق کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ یہ ملکہ خطرناک حد تک چالاک ہے۔ مگر اسے کتنی غلط فہمی ہے اپنے متعلق، وہ اور ہی بادشاہ ہوں گے جو اس کی چالبازیوں میں آگئے ہوں گے، ہمارا شہزادہ بھلا ایسا کیوں کرنے لگا مگر پھر میرے خیال نے پلٹا کھایا، شہزادہ تو سادہ لوح ہے، اس نے چھل فریب سیکھا ہی نہیں، مجھے ڈر پیدا ہوا کہ یہ عیار ملکہ اسے اپنے جادو سے قبضہ میں نہ کرلے۔ نہ معلوم یہ اس کے سامنے کیا کیا حرکتیں کرے، ہو سکتا کہ یہ ایسا سحر جگائے کہ وہ بھی دھوکہ کھا جائے، مگر دل کو ڈھارس ہوئی۔ وہ ان باتوں سے بالاتر ہے۔ اس کی نگاہیں پستیوں میں دیکھنے کے بجائے آسمانی بلندیوں کی طرف جاتی ہیں۔ واقعی میں تذبذب میں پڑا ہوا تھا

مگر ابھی بہت وقت تھا۔ نہ معلوم وہ کب یہاں آئے، میں نے ارادہ کرلیا کہ اسے ہرگز اس گڑھے میں نہ گرنے دوں گا۔ ملکہ نے اس خاموشی کو توڑا۔

"نجومی تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا، کیا تمہیں میری مدد کرنے میں کوئی پس و پیش ہے؟"

میں نے فوراً کہا:۔

"نہیں ملکہ۔ بھلا اس ناچیز کی یہ مجال کہ آپ کی خواہش کا احترام نہ کرے، مجھے آپ کی خدمت بسر و چشم منظور ہے، واقعی آپ اس شہزادے کی دوستی کے لائق ہیں۔"

اگرچہ یہ سب کچھ میں نے جھوٹ کہا تھا۔ مگر مصلحت کا یہی تقاضا تھا۔ بے وقوف ہیں وہ لوگ جو حکمرانوں کے سامنے اپنے بلند کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں، ابن الوقتی ایسے موقعوں پر موزوں ہتھیار ہے۔ وہ خوشی سے جھوم اٹھی گویا اس پر وجد کا عالم طاری ہو گیا تھا۔ اسے اپنی منزل نزدیک دکھائی دینے لگی۔ وہ اٹھلاتی ہوئی بولی۔

"نجومی! تمہاری ہاں نے مجھے قلبی راحت بخشی ہے، میں بے حد خوش ہوں اور اس خوشی میں میں اپنا چہرہ تمہارے سامنے بے نقاب کئے دیتی ہوں مگر نجومی کیا تم میرے حسن کی تاب بھی لا سکو گے، کہیں ایسا تو نہیں کہ تم بھی میرے سے عشق کرنے لگو۔"

میں دل ہی دل میں ہنسا۔ بھلا اس کو کیا علم ہے کہ میں دراصل کون ہوں، وہ چاہے اندر کے اکھاڑے کی پری کیوں نہ ہو مجھے اس سے کیا سروکار، میں تو چند روز دنیا کا نظارہ کرنے آیا ہوں مجھے تو صرف

شہزادے کی محبت یہاں کھینچ لائی ہے اور اسی لئے میرے ساتھ انسانی کمزوریاں وابستہ ہیں، ہاں تو اس ناطے ملکہ کا شک جائز بھی تھا۔ تاہم میں نے اسے کہا:۔

"ملکہ بھلا میرے جیسے ایک خشک انسان کو عورت کا حسن کیا بھرما سکے گا۔ آپ بھروسہ رکھئے۔ مجھے اپنے دل پر مکمل قابو ہے۔"

"تو لو تمہارے سامنے حسن بے نقاب ہوا چاہتا ہے اپنے آپ کو ایک بیش قیمت منظر کا نظارہ کرنے کے لئے تیار کر لو۔"

آہ۔ پھر میں نے دیکھا کہ کمرہ بقعۂ نور ہو گیا۔ ہزار شمعیں یک دم جگمگا اٹھیں۔ سینکڑوں بلبلیں نغمہ سرا ہو گئیں۔ فضا معطر ہو گئی میری نگاہیں بت کی مانند منجمد ہو گئیں۔ اف! یہ کیا منظر تھا۔ میں نے اس دنیا میں آ کر کیا کرشمہ دیکھا۔ اُف نگاہیں اس بے مثال حسینہ کے اوپر بھلا کہاں ٹھہر سکتی تھیں ایک ناقابل بیان نظارہ میرے سامنے بے پردہ ہو گیا تھا۔ انہیں الفاظ میں ڈھالنا میرے بس میں کہاں، شعلہ بدن، حسین ملکہ میرے سامنے بے نقاب کھڑی تھی، وہ مسکرا رہی تھی، گویا بجلیاں کوند رہی ہوں، اس کے سر پر دو چھوٹے چھوٹے اژدہوں کا تاج تھا جو اس کی روشن پیشانی کو چوم رہا تھا۔ اس کے نیچے سے گھنے اور سیاہ بال بل کھاتے ہوئے کالے ناگوں کی طرح اس کے شانوں سے ہوتے ہوئے کمر کے نیچے تک چلے گئے تھے، اس کی غزالی آنکھیں کیا تھیں جھیل کا صاف و شفاف نیلگوں پانی تھا۔ اس کی سیاہ پتلیوں میں سے روشنی ایک منبع کی صورت میں نکل رہی تھی، ناک ستواں اور متناسب گول نیلی ٹھوڑی اور پھر سرخ اور رسیلے ہونٹ جو قدرے نیم وا تھے

لمبی لمبی پلکیں اور کمان کی طرح تنی ہوئی ، نیم دائرہ کی شکل میں گھنی بھویں اس کے نیچے لمبی صراحی دار گردن اور اسے ذرا سی جنبش دے تو قیامت بپا ہو جائے ، باریک لباس میں سے جھانکتی ہوئی گول ابھری ہوئی چھاتیاں ، کمر تو گویا برائے نام ہی تھی ۔ اس پر سونے کا ایک جڑاؤ کمر بند تھا ۔ اس شاہکار کو قدرت نے واقعی نہایت محنت سے فرصت کے وقت بنایا ہوگا ۔ میں نے چند لمحے کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لیں ، میری طاقت گویائی جواب دے رہی تھی ، وہ اس منظر کے سامنے ہیچ معلوم دے رہی تھی ۔ میں نے اپنی آنکھیں کھولیں ، ملکہ نے اپنا باریک لباس زیب تن کر لیا تھا مگر چہرہ بے نقاب تھا ۔ وہ مسکرائے جا رہی تھی اس کی مسکراہٹ میں ایک فاتح کا غرور تھا ۔ میری نگاہیں چہرہ پر نہ ٹھہر رہی تھیں ۔ وہ اس مکمل پیکر نور کو دوبارہ دیکھنے کے لئے گستاخی پر مائل تھیں ۔ گو تاب نظارہ باقی نہ تھا ۔ ملکہ واقعی حسن کا ایک مجسمہ تھی ۔ لیکن اس کی حرکتیں چڑیل جیسی تھیں ۔ وہ بیک وقت نخلستان کا شیریں آب تھی اور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ بھی ، دو مختلف سمتوں کا وہ انتہا تھی ۔ اس جیسا وقار و تمکنت بہت کم عورتوں کو نصیب ہوا ہوگا ۔ اس کی گوری ، سڈول باہیں اب بھی مجھے دکھائی دے رہی تھیں مگر جسم کا درمیانی حصہ اس نے ڈھک لیا تھا ، سونے کے چمکدار کنگن اس کی کلائیوں کی خوبصورتی کو دوبالا کر رہے تھے ۔ اس کا کشادہ چمکدار ماتھا کتنا دلکش نظر آ رہا تھا ۔ یہ سب خوبیاں میں نے ایک ہی وقت دیکھ لی تھیں ، مگر پھر بھی بار بار دیکھنے کے لئے نگاہیں بے تاب ہو رہی تھیں ، قدرت کی ستم ظریفی پر مجھے تعجب ہو رہا تھا ۔

اگر اسے ایسا حسن بخشا تھا تو کیا یہ ضروری تھا کہ اس کے سینے میں دل کے بجائے پتھر کا ٹکڑا رکھ دیا جاتا ۔ میں نے دنیا میں بہت سی خوبصورت عورتیں دیکھی تھیں ، مختلف ممالک میں گھوم کر میں نے خوبصورتی کو پرکھا تھا ۔ مگر وہ تمام اس کے مقابلے میں ہیچ تھیں ۔ بلکہ میرا یہ کہنا ہی ٹھیک نہیں جچا وہ ملکہ کی خاک کو بھی نہ پا سکتی تھیں یہ ملکہ اپنی مثال آپ تھی ۔ شاید اس سے پہلے یا اس کے بعد قدرت ایسا نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہو ۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی سنہرے کاؤچ کی طرف بڑھی ۔ اس نے برابر رکھے ہوئے میز سے شراب سے بھرے ہوئے جام کو اٹھا کر اسے اپنے لب لعلیں کو لگا لیا ۔ مجھے ایسا لگا کہ یہ بادہ ایک ایک قطرہ کر کے اس کے حلق کے اندر جا رہا تھا ، اس نے تھوڑا سا وقت صرف کر کے جام خالی کیا اس کی بھویں قدرے تن گئیں ، وہ اپنے کاؤچ پر نیم دراز ہو گئی ، اس حالت میں وہ اور قیامت برپا کر رہی تھی ، اس نے اپنے سر کو ہلکے سے جنبش دی ، کاہلی سے وہ اپنی نیم وا آنکھوں سے شعلے برساتی ہوئی مجھ سے مخاطب ہوئی ۔

" نجومی ! کیا سوچ رہے ہو ۔ تمہارا شہزادہ کیا میرے لئے موزوں نہیں ہے ؟ نہیں میں نے غلط کہا ، یہ مت سمجھنا کہ میں پی کر بہک جاتی ہوں ۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا ۔ کیا میں اس جلیل القدر حسین شہزادے کے قابل نہیں ؟ "

میں نے تصور کیا اگر وہ شہزادہ اس وقت ملکہ کو اس حالت میں دیکھ لیتا تو کیا اپنے ہوش نہ گنوا بیٹھتا ؟ اس نظارے کو

دیکھنے کے بعد میرے دل میں وسوسہ پیدا ہوا۔ ملکہ کے جادو سے شہزادہ بچ نہ سکے گا ۔ مجھے اس کی رہنمائی کرنی ہوگی، لیکن میں کیا کر سکتا تھا میں خود بے بس ہوا جاتا تھا انسان اور انسانی روپ کتنا مجبور ہے، اس نے اپنا سوال پھر دہرایا

"معلوم ہوتا ہے کہ تم میرے سوال کا جواب دینے کے لئے مجبور رہو۔"

"نہیں ملکہ ایسا تو نہیں ۔ میرا خیال ہے وہ آپ کی خواہش کو ہرگز نامنظور نہیں کرے گا۔

"نجومی تمہارے اس جواب نے مجھے بے حد خوش کیا ہے، اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی تو یقین سمجھو کہ میں تمہیں زر و مال سے مالا مال کر دوں گی، تم نے میری سخاوت ابھی نہیں دیکھی میں تمہیں اپنے ارا کین میں اعلیٰ عہدے پر مامور کر لوں گی۔

"اس ذرہ نوازی کا بہت بہت شکریہ۔"

ملکہ کو ایسا لگ رہا تھا۔ گویا منزل قریب آچکی ہے، اس نے شہزادے کو پا لیا، وہ اس خوشی میں جام پر جام چڑھانے لگی۔ اس کی آنکھیں خمار آلودہ ہوگئیں، مجھے خیال ہوا کہ اتنی زیادہ پی لینے کے بعد وہ یقیناً ہی بہکنے لگے گی۔ مگر نہیں یہ خیال غلط تھا، اب وہ پیے جا رہی تھی مگر پورے ہوش میں تھی، اس نے اپنا دماغی توازن نہ کھویا تھا۔ ایک جام بھر کے اس نے میری طرف بڑھایا اور کمال نزاکت سے بولی ۔

"لو اس خوشی کی یاد میں پیو نجومی، تمہارے شہزادے کا تصور

ابھی سے میرے خیالات پر مسلط ہے۔"

نہیں ملکہ میں شراب نہیں پی سکتا۔ میرے علم کے لئے اس کا چھونا تک منع ہے۔"

اس نے ایک دم اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور تن کر بیٹھ گئی، بھرا ہوا جام پیچھے کی طرف پھینک دیا۔ وہ اٹھلاتی ہوئی میری طرف بڑھی اور اپنے منھ میں گویا کڑوا ہٹ کا مزہ سا لیتی ہوئی بولی۔

"نجومی! تمہیں اپنے علم پر بڑا ناز ہے۔ آسمان پر ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کی دنیا کی بہت تعریف کر رہے ہو۔ جانتے ہو وہ کیا ہیں؟ ہماری دنیا جیسے ہی تو ہیں وہ، نہ معلوم وہاں بھی تمہارے جیسا کوئی دقیانوسی ہوگا اور ہماری اس دنیا کی طرف دیکھ کر اسی طرح اندازے لگاتا ہوگا۔ یہ بھی ایک ویسا ہی ستارا ہے اور پھر اس اپنی دنیا پر اپنے علم کا رعب جماتا ہوگا۔ مجھے یہ ڈھکوسلے معلوم دیتے ہیں۔"

"ملکہ گستاخی معاف! جب آپ مانتی ہیں کہ وہ بھی ایسی ہی ... اور آپ جانتی ہیں کہ ہماری دنیا میں ایک خطے کا اثر دوسرے خطے پر پڑتا ہے ایک ملک سے بہتا ہوا دریا دوسرے ملک کو سیراب کرتا ہے، کبھی کبھی طغیانی میں آکر وہاں تباہی مچا دیتا ہے تو بھلا اس دنیا کا اثر ایک دوسرے پر کیوں نہ ہوگا۔ میرا بھی علم ایسا ہی ہے۔

"او۔ تم جدید علم سے بھی واقف ہو۔ میرا تو خیال تھا کہ تم رمالوں کی طرح ستاروں سے فال لے کر شہزادے کو بہکاتے رہے ہوگے، تاہم میں تمہاری جدت کی قائل ہوں، بھلا دیکھیں تو تمہارے علم کا کمال ہمارے سفر پر یہ کیا اثر دکھلائے گا۔ کیا تم یہ بتا سکتے ہو؟"

اب میرے لئے ایک اور مشکل کا سامنا ہو گیا۔ مگر میں نے خود ہی اپنا پیچھا چھڑا لیا!

"ملکہ! ابھی دن ہے، میں رات کے وقت ستاروں کی گردش دیکھ کر اپنے اس سفر کے متعلق عرض کروں گا۔"

"بہت خوب، میں تمہارے علم کا چمتکار دیکھوں گی۔ میں تمہیں بعد آدھی رات طلب کروں گی۔ تم اپنے آپ کو اپنے علم سے تیار رکھنا۔ ہاں مگر ایک بات کا دھیان رہے کسی کو یہ علم نہ ہونا چاہیے کہ ملکہ تمہارے سامنے بے نقاب ہوئی ہے۔ ورنہ اس کا انجام تم بخوبی جانتے ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے انسانی کھوپڑی اپنے ہاتھ میں تھمائی اور سنہری ڈنڈے کو اس کے اوپر پھرانے لگی، میں اس کا اشارہ سمجھ گیا۔ پھر آہستہ سے انہیں وہیں پر رکھ دیا۔ میں نے اسے ادب سے سلام کیا۔ ایک لمبا فرشی سلام، کیونکہ اب مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ ایک بڑے ملک کی ملکہ ہے اور ملکاؤں یا بادشاہوں کا ادب بے حد ضروری ہے۔ خصوصاً اس ملکہ کا، پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ میں نے ایک دفعہ مڑ کر دیکھا وہ چند ضروری کاغذات میں الجھی ہوئی تھی۔ میں پردہ ہٹا کر باہر آ گیا۔ کمرے کے اندر میرا دم گھٹا گھٹا سا ہو رہا تھا۔ باہر آ کر میں نے چند لمبے لمبے سانس لئے، اپنے آپ کو درست کیا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا۔ کہ میں نے ابھی ابھی کوئی خواب دیکھا ہے ایک دم بھیانک۔ مگر بے حد شیریں بھی۔ شام کا وقت ہو چلا تھا، اندھیرا

چاروں طرف بڑھنے لگا۔ جہاز مدھم رفتار سے ایک انجانی سمت کی طرف ہلکے ہلکے ہچکولے کھاتا ہوا بڑھے چلا جا رہا تھا۔ اپنی نگاہوں کو ماحول کے مطابق بنانے کے لئے میں نے دور افق تک دیکھا۔ ایک چکاچوند کے بعد جیسے قدرتی تیم اندھیرا سا آنکھوں کے سامنے چھا جاتا ہے۔ کمرے سے باہر نکلنے کے بعد میرا یہی حال تھا اس لئے کچھ عرصہ میں دور افق کی طرف دیکھتا رہا۔ سطح سمندر کے اوپر سے ہوتی ہوئی میری نگاہیں ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف جا رہی تھیں وہاں شفق کی سرخ اور سنہری کرنیں بادلوں کے اندر سے جھانک رہی تھیں۔ پھر یکایک وہی سردار جہاز کے کسی کونے سے نمودار ہوا۔ دو زانو ہو کر اس نے مجھے سلام کیا اور ایک چھوٹے سے کمرے کی طرف مجھے لے چلا۔ جو مجھے بعد میں پتہ چلا میرے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دوبارہ مجھے الوداعی سلام کیا اور میں کمرے میں جا کر ایک پلنگ پر دراز ہو گیا۔

ساتواں باب
نجومی

انسانی جسم کے لئے تھکاوٹ بھی کیا چیز ہے۔ دن بھر کام کاج کرنے کے بعد جب نسیں تن جاتی ہیں تو نیند اُس وقت کتنی بھلی معلوم دیتی ہے۔ آج کا دن میرے تجربے کیلئے ایک نہایت اہم دن تھا۔ میں نے عجیب عجیب باتوں کا مشاہدہ کیا تھا۔ دماغ ان پریشانیوں سے تھک چکا تھا۔ لہٰذا سرِشام ہی مجھے نیند آگئی اور نہ معلوم کب تک سوتا رہا۔ آدھی رات کے بعد میری آنکھ کھلی۔ باہر آنگن میں آگیا۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ رات خاموش تھی۔ میں نے اپنی نگاہیں ستاروں کی طرف لگا دیں۔ مجھے خیال تھا ملکہ مجھ سے سفر کا حال دریافت کرے گی۔ پھر میں آسمان میں دُور تک دیکھتا گیا۔ ایک کونے میں کچھ دھندلا سا دکھائی دیا۔ کوئی غبار سا اُٹھ رہا تھا۔ اب میں تیار تھا۔ ملکہ کو میں اپنا معجزہ دکھا سکتا تھا۔ تھوڑی دیر باہر ٹہلنے کے بعد میں اندر آگیا۔ جہاز پر سب لوگ مست خواب تھے۔ لیکن چپوؤں ستونوں اور بادبانوں کے محافظ اپنے پہرے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ لیٹے ہوئے میرا دھیان ماضی کی طرف جانے لگا۔ دُنیا کے دونوں رُخ میرے تصور میں تھے۔ سچائی اور جھوٹ۔ ایمانداری اور دغا۔ لیکن قدرت کے اس عجیب کھیل پر مجھے حیرت ہونے لگی کہ سچ کے سامنے کتنی مصیبتیں ہیں۔ اُسے کن کن کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جھوٹ کے آگے سہولتیں ہی سہولتیں ہیں۔ شہزادے کا سفر کتنا پرخطر

تھا۔ اُس کی ذمہ داریاں کتنی بھاری تھیں۔ اس کے برعکس ملکہ کتنے عیش و آرام میں تھی۔ اس کا سفر کتنا آرام دہ اور خوش کن تھا۔ میرے اندر ایک خیال پیدا ہوا۔ کیوں نہ ملکہ کو بھی مصیبت کا ایک چھوٹا سا نمونہ دکھایا جائے۔ شاید اس سے اس کی روح پاکیزہ ہو جائے۔ وہ انسانیت سوز کارناموں سے باز آجائے۔ لیکن میرا یہ خیال کتنا باطل تھا مجھے بعد میں احساس ہوا۔ کہ ظالم مصیبت سے نہیں گھبراتا۔ وہ اور ہی ظلم ڈھانے لگتا ہے۔ حسد کی ایک بے پناہ آگ اُس کے اندر جل اُٹھتی ہے۔

میں ایسے ہی لیٹا ہوا بیکار پڑا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ دروازے کے پاس کچھ آہٹ سی ہوئی۔ میں نے پلنگ پر سے اُٹھتے ہوئے دیکھا۔ دروازے کا پردہ ہٹا ہوا تھا اور سامنے ملکہ کھڑی تھی۔ میں ہڑبڑا کر اُس کے سواگت کے لئے آگے بڑھا اور تنظیم کے لئے دوزانو ہو گیا۔ اُس کے پیچھے اس کا خاص الخاص غلام تھا۔ ملکہ نے لباس بدل رکھا تھا اور چہرے پر نقاب اوڑھ رکھا تھا۔ اُس نے ہاتھ سے معمولی سا اشارہ کیا۔ غلام فوراً وہاں سے غائب ہو گیا۔ وہ دھیمے دھیمے قدم اُٹھاتی ہوئی اُس معمولی سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ ملکہ کا رختِ خواب تھا جو اُس نے زیبِ تن کر رکھا تھا۔ شاید اچانک ہی جاگ اُٹھنے سے وہ اِدھر چہلقدمی کرتی ہوئی آگئی تھی۔ اُس نے قریب آکر سوال کیا۔

"مغرور نجومی! کیا اپنے مہمان کو بیٹھنے کی اجازت نہ دو گے؟"

"او۔ ملکہ معظمہ۔ گستاخی معاف۔ دراصل آپ کے اچانک آجانے سے میں کچھ گھبرا گیا تھا۔ بہرحال یہ آپکا بیڑہ ہے۔ بھلا میری کیا مجال، کہ آپ کی شانِ شایان میں کچھ گستاخی کرسکوں۔ ہاں تو آپ نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے طلب کرے گی۔"

"ٹھیک ہے میں نے ایسا ہی کہا تھا مگر میں نے اپنا ارادہ بدل لیا۔

درصل مجھے تمہارا شہزادہ بہت ہی عزیز ہے اور وہ شہزادہ تمہاری بہت قدر کرتا ہے لہذا مجھ پر بھی لازم ہو جاتا ہے کہ تمہاری بھی ویسی ہی قدر کروں۔ کیا میں تمہاری خلوت میں مخل تو نہیں ہوئی؟"

"ایسی کوئی بات نہیں محترمہ۔ اس وقت میں آپ کے زیرِ سایہ ہوں۔ میرا سب کچھ آپ کا ہے اور میرا فرض ہے کہ آپ کا ہر حکم بجا لاؤں۔"

"نجومی! تمہارے الفاظ دوسری معلوم دیتے ہیں۔ کیا تمہیں مجھ سے عشق ....."

"نہیں ملکہ عالیہ۔ میں ایسی گستاخی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ ہر دل میں آپکی قدر ایک عظیم ملکہ جیسی ہی ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ شاید اُس نے مذاق کا پہلو پالیا تھا۔ اُسے میرے بڑھاپے کا احساس تھا۔ میری جھریوں پٹے چہرے کو غور سے دیکھ چکی تھی۔ میری لمبی سفید داڑھی پر وہ کئی بار اپنی نگاہیں جما چکی تھی۔ تاہم میں ایک مرد تھا۔ جیسے اُس کے بیشمار غلام تھے۔ اسے میرے عیب کا علم نہ تھا۔ وہ مجھے ایک عام انسان ہی سمجھتی تھی مگر شہزاد کے کا رفیق ہونیکے ناطے میری قدر کرتی تھی۔ وہ سنجیدہ ہو گئی اور ایک فلاسفر انداز میں بولی۔

"تو خیر۔ تم میری بات کا بُرا نہ ماننا۔ سچ پوچھو تو میں کبھی کبھی مذاق کر لیتی ہوں۔ اپنی تنی ہوئی نسوں کو کبھی کبھی آرام دینے کے لئے۔ تم تو جانتے ہو کہ میرا رازداں کوئی نہیں ہے۔ میں نے تمہارے اندر چند خوبیاں دیکھی ہیں اس لئے میں تمہارے ساتھ کھل کر بات کر لیتی ہوں۔ اُف انسان کے دل کا بوجھ بھی کیا قیامت ہے۔"

وہ کچھ دیر چپ رہی پھر رُک رُک کر بولنے لگی۔

"ہاں تو آمدم برسرِ مطلب میں تمہارا چمتکار دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیا کہتا ہے تمہارا نجوم ہمارے اس سفر کے متعلق؟"

"ملکہ میں صاف گوئی کی آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ ویسے تو ہمارا سفر بخیر بہت گذرے گا۔ مگر آنے والے چند لمحوں میں ہمیں ایک بھیانک طوفان کا مقابلہ کرنا پڑیگا۔"

میں نے اُس کے چہرے کیطرف غور سے دیکھا۔ اس وقت اُس نے نقاب اُلٹ رکھا تھا اس کا رنگ زرد پڑنے لگا اس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا:

"مگر طوفان کے آثار تو نظر نہیں آرہے۔ میں ابھی ابھی باہر آسمان کی طرف دیکھکر آئی ہوں مطلع بالکل صاف ہے۔ اور پھر میں نے بھی موسم کا صحیح اندازہ کر کے سفر کا آغاز کیا ہے۔"

"مگر میرا نجوم تو یہی بتاتا ہے ہو سکتا ہے مجھ سے غلطی ہوئی ہو۔ میں نے آپ سے پہلے ہی عرض کیا تھا نہ کہ میرا علم ابھی نامکمل ہے۔"

"او تھبی۔ میں نہ کہتی تھی کہ تمہارا علم دقیانوسی ہے۔ شاید تم قیافے سے اپنے علم کا رعب میرے اوپر جمانا چاہتے ہو۔"

"نہیں۔ میں ایسا کچھ ہرگز نہ چاہوں گا۔ میں وہی عرض کر رہا ہوں جو میں نے آسمانی علامتوں سے دیکھا ہے۔"

"خیر کچھ بھی ہو۔ مگر تم نے یہ منحوس خبر سنائی۔ اس نے مجھے پریشانی میں مبتلا کر دیا۔"

وہ یکدم اُٹھی۔ اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جاتے ہی اُس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا تھا۔ میں ابھی کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ اُس کے جاتے ہی مجھے پھر پریشانیوں نے گھیر لیا۔ جس سفر کو میں نے بخوشی قبول کیا تھا وہ میرے لئے وبالِ جان بنتا جا رہا تھا۔ اس عورت کی حاضری سے سکون بھی ملتا تھا اور کوفت بھی باکمال حسن کی مالکہ ہوتے ہوئے بھی یہ عورت ایک مجسم شیطان تھی۔ میں نے جب اپنا قدم آگے بڑھا ہی دیا اب پیچھے ہٹنا ناممکن تھا۔ نہ معلوم اس وقت شہزادہ کہاں ہوگا

کیا کر رہا ہوگا۔ ممکن ہے وہ اپنے ملک لوٹ گیا ہو۔ میں کچھ دیر چپ چاپ لیٹا رہا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ طوفان جلد آنے والا ہے صرف چند لمحوں میں صبح نمودار ہوا چاہتی ہے اور اپنے ساتھ مصیبت کا سامان لئے ہوئے آئیگی۔

کچھ عرصہ کے بعد میں نے محسوس کیا۔ جہاز ہچکولے کھا رہا تھا۔ میرا پلنگ تیزی سے جھولنے لگا۔ میں باہر آنگن میں آگیا دُور اُفق کے پار نور کا تڑکا ہو رہا تھا۔ پھر میں نے اپنی نظر دوسری طرف پھیری۔ سامنے طوفان بڑھا چلا آرہا تھا۔ وہی دھندلی سی شے جو چند گھنٹے پہلے مجھے آسمان پر دکھائی دی تھی اب ایک دیو کی طرح پھیل چکی تھی۔ اُس طرف آسمان بالکل سیاہ ہو رہا تھا۔ آناً فاناً میں جہاز طوفان کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ جہازران اُسے سنبھالنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ ایک دو نوجوان ستول پر چڑھے ہوئے تھے۔ چند ایک بادبانوں کی رسیاں کاٹ رہے تھے تاکہ جہاز ہوا کے دباؤ میں آکر یکدم ہی نہ اُلٹ جائے۔ مگر رفتہ رفتہ ہوا تیز ہوتی گئی۔ سطح سمندر پر پانی کی لہریں اُونچی اُٹھنے لگیں جہاز ایک بھیانک طوفان میں گھر چکا تھا ملکہ نقاب اوڑھے میری طرف تیزی سے قدم اُٹھاتی ہوئی آرہی تھی شاید مجھے کوسنے کے لئے یا پھر میری بھوشیہ دانی کی تعریف کرنے کے لئے۔ میں بھی عجب بے وقوف سا بنا کھڑا تھا۔ بھلا ایسے خطرناک وقت میں کوئی کسی کی تعریف کیوں کریگا۔ ایسے وقت میں تو لعنت ہی ملے گی۔ بہر حال کچھ بھی ہو۔ اگر وہ اپنے غیض میں آکر مجھے قتل کرنے کا حکم بھی دے دیتی۔ تو کیا طوفان رُکنے والا تھا۔ اُف لہریں ایک اونچی دیوار کی صورت اختیار کر رہی تھیں وہ جہاز کی دیواروں سے بھی اونچی اٹھنے لگیں۔ جہاز ایک ہنڈولے کی طرح جھول رہا تھا۔ ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ کیا وہ سب اپنی جان بچانے کے لئے کوشاں تھے۔ نہیں اُنھیں

اپنی جان سے زیادہ ایک اور جان بچانا ضروری تھی ملکہ کی زندگی۔ اُس کی خیر و عافیت اُن پر لازم تھی۔ میں نے دیکھا ملکہ جہاز کے وسط میں آکر رُک گئی تھی۔ پانی کی ایک زبردست دیوار اُٹھی اور ہوا کے ایک ہی جھونکے سے وہ سارا پانی جہاز میں آکر گرا۔ فرش پر ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ ہمارے پاؤں اُس سے بھیگ گئے۔ پانی ٹخنوں تک آچکا تھا۔ اب سارے جہازراں اُسے باہر نکالنے میں لگے ہوئے تھے۔ پھر ایک بڑی سی لہر اُٹھی۔ پانی اور اندر آکر گرا۔ ملکہ یاس و حسرت سے چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھ رہی تھی۔ شاید اُس نے پہلے ایسا خوفناک طوفان نہ دیکھا تھا۔ وہ بے چینی سے اپنے دونوں ہاتھ مل رہی تھی۔ اس کا خاص غلام اُس کے نزدیک آیا اور دو زانو ہو کر اُس کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ وہ چلا کر بولی۔

" وحشیو۔ یہ وقت دکھاوا کرنے کا نہیں۔ یاد رکھو اگر اس طوفان سے مجھے ذرا بھی نقصان پہنچا تو میں تم میں سے ایک ایک کو نذر آب کر دوں گی۔"

میں اس کی بے وقوفی پر دل ہی دل میں ہنسا۔ اگر اُس کے ساتھی سبھی نذر طوفان ہو گئے تو بھلا وہ تو کیسے بچیگی۔ مطلق العنان حکمرانوں کا دماغ بھی بعض اوقات گھاس چرنے چلا جاتا ہے۔ مگر بدحواسی میں وہ ایسی ہی اول جلول باتیں بکنے لگتے ہیں اور اس کمینی حسینہ نے بھلا اب تک طوفانوں کا کہاں مقابلہ لیا تھا۔ وہ تو اپنے ایک خداداد تحفے کو غلط استعمال میں لا کر دوسروں کا گھر جلا کر آگ تاپنا سیکھی تھی وہ غصے سے پھنکارتی ہوئی بولی:۔

" سردار! اِدھر آؤ۔ دو غلاموں کو ذبح کر کے فوراً سمندر میں پھینک دو۔ تاکہ دیوتا شانت ہو سکے"

اُف یہ کیا کہا اُس نے۔ میرے علم کو بوسیدہ اور دقیانوسی بتانے والی یہ عورت مجھے ایک نہایت پرانے اور چھپڑے ہوئے گرگ کی نظر آنے لگی۔

وہ انسانی قربانی سے قدرت کو خاموش کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ میں نے اس طوفان کے اندر ایک اور لرزہ خیز منظر دیکھا۔ دو غلام آگے بڑھے اور ملکہ کے اشارے سے انھوں نے دو غلاموں کو مضبوطی سے جکڑا۔ انھوں نے اپنے خنجر نکالے اور اپنے شکاروں کے سینے میں پیوست کر دیے۔ وہ وہیں پر تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے۔ پھر دو دو آدمیوں نے مل کر انھیں سمندر کی طرف اُچھال دیا۔ مگر طوفان اس سے کیا رُکتا؟ وہ تیز سے تیز تر ہوتا گیا۔ اب ملکہ کو ایسا لگا کہ جہاز جلد ہی ڈوب جائے گا۔ پانی بہت زیادہ بھر چکا تھا وہ ایک طرف کو ٹیڑھا بھی ہو گیا تھا۔ چنانچہ اُس نے سمندر میں کشتیاں اُتارنے کا حکم دیا۔ حکم تعمیل۔ ایک بڑی سی خوبصورت کشتی سطح آب پر تیرنے لگی اور آٹھ دس دوسری کشتیاں اُس کے اِرد گرد تیر رہی تھیں۔ ایک لمبی سیڑھی جہاز کی دیوار کے ساتھ لگا دی گئی۔ ملکہ نے خاص آدمیوں کو پہلے اُترنے کا اشارہ کیا۔ اگرچہ ہر طرف گھبراہٹ پھیلی ہوئی تھی مگر وہ نہایت تحمل کے ساتھ حکم دئے جا رہی تھی۔ پھر حکم دیا۔ جتنے غلام ممکن ہوں دوسری کشتیوں میں چلے جائیں لیکن ساتھ ہی ساتھ اُس نے کہا کہ اتنے آدمی بھی نہ اُن میں جائیں کہ کشتیاں ڈوبنے لگیں۔ میں نے دیکھا لگ بھگ بیس بیس آدمی ہر ایک کشتی میں سوار ہو گئے اب جہاز ڈوبنے کے قریب تھا تقریباً آدھا پانی بھر چکا تھا۔ اُس کا ایک سِرا تو تہہ آب ہو گیا تھا۔ پھر ملکہ نے چیخ کر مجھے اپنی کشتی کی طرف اشارہ کر کے اُترنے کو کہا۔ میں تیزی سے اُس میں پہنچ گیا۔ اب وہ خود آہستہ آہستہ نیچے آ رہی تھی۔ ہماری کشتی بڑے بڑے ہچکولے کھا رہی تھی پانی اُس میں داخل ہو رہا تھا مگر وہی چار آدمی جو پہلے اُترے تھے۔ پانی نکالنے میں لگے ہوئے تھے

اُن کے پاس بڑی بڑی ربڑ کی نالیاں تھیں جو شاید پہلے سے کشتی میں موجود تھیں۔ اُن کے ذریعہ وہ کشتی کو خالی کر رہے تھے۔ پھر بھی مجھے خوف ہو رہا تھا کہ ہماری کشتی تہہ آب ہو جائے گی۔ اب ملکہ سیڑھی پر تھی وہ نہایت اطمینان سے اُتر رہی تھی۔ گویا اُسے یقین تھا کہ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ کشتی میں آ گئی۔ اُس کے لیے ایک چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا۔ وہ سیدھی اُس کے اندر چلی گئی۔ بالکل لاپرواہی سے۔ اب میں جہاز کے ڈوبنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ ملکہ کا وہ مخصوص کمرہ جو ایک محل سے بھی زیادہ آراستہ تھا۔ تقریباً آدھا پانی میں غرق ہو چکا تھا۔ چند لمحوں میں جہاز کا نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ مجھے اس بیش بہا بجرے کے تلف ہونے کا غم ستانے لگا۔ کتنی محنت صرف ہوئی ہو گی اُس پر۔ کتنے غریبوں کا خون اس کی آرائش و زیبائش کے سلسلے میں بہا ہو گا۔ شاید ملکہ کو بھی اس کا افسوس ہو گا۔ اتنی پیاری چیز کے ضائع ہونے کا۔ اب صرف اُس کے ٹیڑھے مستول ہی دکھائی دے رہے تھے سارا کا سارا جہاز پانی کی نذر ہو چکا تھا۔ میں نے اپنی نگاہیں پھیر لیں۔

طوفان کی رفتار آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ مطلع صاف ہونے لگا تھا۔ ہوا مدھم پڑتی جا رہی تھی لیکن یہ کیا؟ کشتی میں دو بڑے گھڑیال چڑھنے لگے۔ سپاہی اُن کو مارنے کے لئے لپکے۔ مگر فوراً ہی ملکہ کیبن سے باہر نکلی۔ اُس نے انھیں روک دیا۔ وہ اپنے لمبے غار جیسے دہانے کھولے ہمارے سامنے آ رہے تھے۔ ملکہ نے حکم دیا۔ ساتھ والی کشتی سے دو مخصوص آدمیوں کو

اس کشتی پر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ غریب بلا چون چرا کئے فوراً اس میں کود پڑے۔ ملکہ نے اپنے دو خاص مصاحبوں کو اشارہ کیا اور بولی:- "یہ بھوکے ہیں۔ دیوتاؤں کے لئے خوراک مہیا کی جائے۔"

وہ چاروں مصاحب تیزی سے ان دونوں نو واردوں کی طرف لپکے انہوں نے اپنی مضبوط گرفت میں دونوں آدمی لے لئے اور دو دو نے مل کر اُن کو گھڑیالوں کی طرف اُچھال دیا جانوروں نے فوراً ہی دو انسانوں کو دبوچ لیا۔ وہ اُن کی غاروں کے اندر بڑھے جا رہے تھے۔ ان کی ہڈیاں چڑ چڑا اٹھیں۔ اُن کی بھیانک چیخوں سے ماحول تھرا اُٹھا۔ پھر میں نے دیکھا۔ جانور واپس مڑ گئے گھڑیال اپنے اپنے شکار کو منہ میں دبائے پانی میں غرقاب ہو گئے۔ ملکہ آہستہ آہستہ اپنے کیبن کی طرف مُڑی۔ اور ساتھ ہی مجھے اپنے حضور پیش ہونے کا اشارہ کرتی گئی۔

میں بادلِ ناخواستہ اُس کے پیچھے پیچھے کیبن میں داخل ہو گیا۔ مجھے اس خوفناک عورت سے نفرت ہو رہی تھی۔ انسانی زندگی اُس کے نزدیک اتنی سستی تھی اس خیال نے میرے اندر اُس کے خلاف نفرت اور خوف کی ایک لہر سی پیدا کر دی۔ مگر میں کیبن میں پہنچ کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ ملکہ نے مجھے مخاطب کیا:-

"نجومی میں نے تمہارے علم کا چمتکار دیکھا۔ واقعی تم بہت سی خوبیوں کے مالک ہو۔"

"ملکہ کی حوصلہ افزائی کا شکریہ"۔ میں نے جواب دیا۔

"میں غمگین سا ہو کر کیبن کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پھر کہنے لگی۔

"مگر دوست! تم نے میری فراخدلی کی داد نہیں دی۔"

"کونسی فراخدلی۔ ملکہ؟ دراصل میں طوفان سے اس قدر گھبرا چکا تھا کہ میں نے بہت سی باتوں کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔"

"ارے۔ ابھی ابھی تمہارے سامنے میں نے دو بھوکے جانوروں کی بھوک مٹائی۔ کیا یہ میری فراخدلی کا ثبوت نہیں۔ یقیناً تمہارا شہزادہ اس وقت میری تعریف کرتا۔"

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی میرے اندر برداشت کی طاقت نہ رہی۔ میں نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

"معاف کرنا۔ آپ نے شہزادے کو غلط سمجھا ہے۔ وہ انسانوں کی قیمت جانتا ہے۔ وہ اُن کی قدر کرتا ہے۔ وہ ہرگز آپ کے اس فعل کی تعریف نہ کرتا۔ بلکہ وہ اس کی زبردست مذمت کرتا۔ اور......"

"مگر بھوکے پیٹ کے لئے ایندھن مہیا کرنا کیا انسانی فرض نہیں۔ اور پھر شاید تم نہیں جانتے۔ یہ ہمارے دیوتا ہیں اور دیوتا کبھی بھوکے نہیں رہنے چاہئیں۔"

میں حیران تھا۔ اس عورت کے کتنے روپ ہیں۔ کیا یہ وہی ملکہ ہے جو مجھے بچھڑا ہوا تصور کر رہی تھی میرے علم کا مذاق اُڑا رہی تھی۔ اور شہزادے کے متعلق اُس کے کیا کیا تصورات تھے وہ میرے لئے ہر لمحہ ایک معمہ بنتی جا رہی تھی۔

وہ ایک لمحہ خاموش رہ کر پھر بولی:-

"ارے تم تو بھولے ہو۔ تم بھلا کیا سمجھو کہ میرے اس فعل میں کیا راز ہے۔ یہ بھی رعایا پر اپنا رُعب و دبدبہ قائم رکھنے کا ایک طریقہ ہے اور پھر جو خطرناک عنصر اُن میں پیدا ہو جاتا ہے اُسے اسی طرح ختم کیا جاتا ہے تم نے دیکھا نہ کہ میں نے خاص خاص آدمیوں کو چن کر ہی قربانی کے لئے پیش کیا ہے اس سے باقی لوگوں پر کیسا اثر پڑا ہو گا تم نہیں جانتے۔ اُن قربان شدہ

آدمیوں کی نگاہوں میں مجھے بغاوت جھلکتی نظر آ رہی تھی۔ شاید انھیں اپنے حقوق حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو چکا تھا وہ ضرور دوسروں کے اوپر بھی اپنا اثر ڈالتے۔ اس سے تو میری حکومت کو خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ جس طرح پھولوں کی کیاریوں میں سے خار دار پودے اکھاڑ کر پھینک دئے جاتے ہیں اسی طرح گندہ عنصر مجھے بھی نکالنا پڑتا ہے۔"

وہ بولتی بولتی ایک لمحہ کے لئے رُک گئی۔ شاید باہر کوئی معمولی آواز پیدا ہوئی تھی۔ اس نے نقاب کے اندر سے کیبن کے باہر ایک نظر جھانکا اور پھر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئی اب وہ رازدار لہجے میں بولی۔

"ارے تم نہیں جانتے کہ یہ کتنا خوش کُن مشغلہ ہے دیکھا نہیں تم نے کس طرح وہ جانوروں کے منہ کے اندر تڑپ رہے تھے جانوروں کے جبڑوں کے اندر کیسی آواز پیدا ہوئی تھی اُن کی ہڈیوں کے چٹخنے کی۔ انکی بلند چیخوں سے مجھے کتنا لطف آ رہا تھا"

تو یہ تھا اُس کا اصلی روپ۔ باقی سارے روپ اُس کے آگے ہیچ تھے۔ کتنا کالا تھا اُس ڈائن کا دل۔ شہزادے کے بالکل برعکس۔ تصویر کا سچ مچ دوسرا رُخ۔ جب اس سفر میں اس کا یہ حال ہے تو اپنے ملک میں لوگوں سے کیسا برتاؤ رکھتی ہوگی۔ اب میرے آگے ایک دوسرا منظر گھوم گیا جب ایک شاندار ملک کے نمائندے نے بتایا تھا کہ ملکہ ایک ہی دفعہ میں اپنے پچاس ہزار انسان اُس جنگ میں جھونک رہی تھی۔ یہ عورت نہ تھی۔ ایک درندہ تھی مگر یہ تو اُس سے بھی لاکھ درجے بدتر تھی۔ غریب جانور تو بھوک لگنے پر ہی شکار پر حملہ کرتا ہے مگر اس عورت کا شغل بھی انسانوں کی تڑپتی ہوئی لاشوں سے کھیلنا تھا۔ یہ اُن کے جسموں کو روندتی ہوئی چلتی تھی۔ اُف اس کا ملک کیسا ہوگا۔ مجھے تو اُس کا تصور بھی بھگوان کے بنائے ہوئے دوزخ سے زیادہ بھیانک

لگ رہا تھا۔ دوزخ میں تو انسان اپنے بُرے کرموں کا پھل بھگتنے کیلئے ہی جاتے ہیں اور پھر اُس کا بھی وقت مقرر ہوتا ہے مگر اس کے دوزخ میں تو سبھی اچھے بُرے تڑپ رہے ہوں گے۔ میں اُس کے دیش کا تصوّر کر کے کانپ اُٹھا۔ میں سوچنے لگا کہ کسی طرح وہاں سے فرار ہو جاؤں میں نے انسانی شکل اختیار کر کے غلطی کی تھی۔ میرا دل پُکار کر کہہ رہا تھا۔ "چھوڑ دے یہ چولا۔ واپس ہو جا اُسی طرف جہاں سے تو آیا ہے یہ نظارے دیکھنا تیر بس کی بات نہیں"۔ میں نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ اُف مجھے میرا سفر اس سفر سے کتنا بہتر محسوس ہو رہا تھا۔ جہاں دل جیسی تڑپ کا۔ اس کے احساس کا تعلق ہی نہ تھا۔ مجھے اس جسم میں دُکھ ہی دُکھ دکھائی دے رہے تھے۔ اس فانی روح کو کیسے کیسے غمگین مناظر کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مگر میں بے بس تھا۔ لاچار تھا۔ ابھی مجھے اور بہت کچھ دیکھنا تھا۔ میں نے ایک غلطی کی تھی۔ اُس کا خمیازہ بھگتنا ابھی باقی تھا مجھے خاموش دیکھ وہ پھر بولی:-

"نجومی۔ تم سچ مچ بڑے کام کے آدمی ہو۔ میرا انتخاب کبھی غلط نہیں ہوتا۔ میں تمہارے علم سے فائدہ اٹھاؤنگی اور تمہاری دلبستگی کا بھی پورا انتظام کرونگی۔ تم میرے مہمان ہو۔ ایک باعزّت مہمان۔ سنو۔ اب ہمارا پڑاؤ بھی دور نہیں۔ ہمارا سفر اب ختم ہونے کے قریب ہے اس لئے اُداسی کو دور کرو۔ یہ زندگی اُداس ہونے کے لئے نہیں ہے مگر افسوس! ہماری شراب کی صراحیاں نہیں رہیں۔ وہ اُسی جہاز کے ساتھ تہ آب ہو گئیں اور مجھے افسوس ہے کہ میں انھیں اپنے ساتھ نہ لا سکی ورنہ تم بھی دو چار گھونٹ پی کر اپنا غم غلط کر لیتے مگر یہ تم نے کیا بات کہی تھی۔ شراب سے تمہارے علم پر اثر پڑتا ہے۔ میں نہیں مانتی۔ اس سے تو حافظہ تیز ہوتا ہے تم بہت دور کی باتیں سوچ

سکتے ہو۔ یہ تو میری معاون ہے مگر خیر اس وقت نہ سہی۔ یہ تو معمولی شراب تھی۔ جو میں نے شہزادے کو سفر میں اپنے ساتھ لانے کے لئے مہیا کی تھی۔ میں تمھیں اپنے ملک میں چل کر ایک خاص الخاص مے سے روشناس کروں گی۔ اس کا ایک گھونٹ۔ صرف ایک گھونٹ تمھیں جنت کا نظارہ کرا دے گا۔ یہ تو کوئی اچھی شراب نہ تھی۔ بجوجی یاد رکھو۔ یہ زندگی دوبارہ نہیں ملتی۔ اس کا بہترین مصرف صرف عیش اور آسائش کے علاوہ کچھ نہیں۔ اُس نے یہ کہکر ایک انگڑائی لی۔ پھر بڑبڑاتے ہوئے بولی:۔

"اس لمبے سفر نے مجھے بہت تھکاوٹ پیدا کر دی۔ اب آرام کی ضرورت ہے اس لئے تم بھی جا کر آرام کرو۔"

میں سر جھکائے خاموشی سے کیبن سے باہر نکل آیا۔ انسان کی عظمت اور بلند کردار کا وہ نقشہ جو اُس بزرگ نے گنگا کے کنارے پیش کیا تھا دھندلا پڑنے لگا۔ ایسی ہستیاں تو شاید گنتی میں چند ایک ہی ہوں گی جو ایثار اور قربانی سے تعمیر کی طرف متوجہ ہونگی۔ مگر ایسی ملکائیں نہ جانے کتنی ہونگی جو اپنے کردار سے تخریب کی طرف لگی ہوتی ہوں گی وہ دنیا میں کس لئے پیدا کی جاتی ہیں۔ کیا یہ بھی قدرت کا اصول ہی تھا۔ بنانا اور بگاڑنا ٹھیک ہی تو ہے جب تک ایسی ملکائیں دنیا میں رہیں گی۔ شہزادے ایسے انسانوں کے خوابوں کی تعبیر پورا نہ ہونے دیں گی۔ یہ دنیا جنت نشاں نہ بن پائے گی وہ اُن کے ارادوں میں دیوار کی طرح حائل ہوتی رہیں گی۔ مجھے دور بہت دور سطح سمندر پر کچھ دھندلے سے نقوش دکھائی دئے۔ نہ معلوم یہ کیا تھا مگر جلد ہی میں نے دیکھا دوسری کشتیوں سے لوگ اُچک اُچک کر دیکھ رہے تھے۔ اُن کے چہروں پر رونق پھیلنے لگی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے۔ ہمارا ملک۔ وہ رہا سامنے' واہ ری قدرت۔ انسان کو اپنے جنم سے کبھی پیار ہوتا ہے گھر ایک ایسی کشش ہے۔ بھلا مجھ جیسا سیلانی ان

باتوں کو کہاں جانتا تھا۔ اب میں دیکھ رہا تھا کہ جس ملک کو دیکھنے کے لئے میں نے غلامی کا پھندا انجانے میں اپنے گلے میں ڈال لیا تھا وہ اب سامنے نظر آ رہا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد ہم اُس نئی انوکھی دھرتی پر قدم رکھدیں گے۔ کچھ کشتیاں آگے بڑھنے لگی تھیں۔ وہ برق رفتاری سے اُس دور والے خطہ زمین کی طرف جاری تھیں۔ شاید لوگوں کو مطلع کرنے کیلئے کہ ملکہ کی سواری اب قریب ہی آیا چاہتی ہے تاکہ وہ اُس کے سواگت کے لئے تیار ہو جائیں گو مجھے اُس عورت سے حد درجہ نفرت تھی مگر پھر بھی میری خواہش تھی کہ میں اُس کا جاہ و جلال اُس کے اپنے ملک میں دیکھوں۔ یہ تو یقین تھا کہ وہ ظلم روا رکھتی گی تاہم اُس کا عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ کیا واقعی ایسا تھا یا یہ صرف چند مخصوص قسم کے لوگوں تک ہی محدود تھا۔ اب ملکہ کو بھی علم ہو گیا تھا وہ کیبن سے باہر آ گئی۔ چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے۔ وہ بھی دور اُفق کی طرف غور سے دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ احساس سے عاری معلوم دیتا تھا۔ کیونکہ اس نے کوئی خاص ایسی حرکت نہ کی۔ جو یہ ظاہر کرے کہ اُس کا یہ سفر قریب الاختتام ہے۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتی ہوئی میرے قریب آئی اور سادہ الفاظ میں بولی:۔

"دوست۔ وہ سامنے تمھیں میرا ملک نظر آ رہا ہوگا۔ اب جلد ہی ہم وہاں پہنچ جائیں گے مگر یہ بھی کیسی عجیب بات ہے کہ روانہ ہوتے وقت میں کتنے بڑے خوبصورت بیڑے میں چلی تھی اور اب میں ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار ہوں لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ملکہ تو ملکہ ہی رہتی ہے خواہ وہ محل میں رہے یا جھونپڑی میں مجھے اُس جہاز کے تباہ ہونیکا قطعاً غم نہیں"
اُس عورت میں کتنا غرور تھا ملکہ تو ملکہ ہی رہتی ہے وہ اس و[illegible]

ملکہ ضرور تھی۔ مگر کیا اُسے فنا ہونے کا قطعاً خیال نہ تھا۔ موت کی گود میں سو جانے کے بعد بھی وہ ملکہ ہی رہے گی؟ اُسے اپنے متعلق کتنی غلط فہمی تھی۔ قبر میں ملکائیں بھی سو جاتی ہیں اور غریب انسان بھی۔ وہاں بھلا اونچ نیچ کہاں؟ مگر شاید اُسے یہی تصور تھا کہ اُس غیبی طاقت کے روبرو پیش ہو کر بھی اُس کی ایسی ہی حالت رہے گی۔

نہیں وہاں اس کے اعمال۔ اس کے کردار کا جواب مانگا جائیگا۔ مگر وہ تو یہ سب کچھ بھلائے ہوئے تھی۔ اُس نے صرف ایک ہی بات سیکھی تھی۔ اس دُنیا میں عیش کرنا۔ انسانوں سے کھیلنا اور اُن کو روندتی ہوئی چلنا۔

ہماری کشتی اُس کے ملک کے ایک بارونق شہر کے قریب پہنچ گئی۔ مگر افسوس! میری خواہش پوری نہ ہو سکی۔ میرا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔ میں ملکہ کی شان و شوکت اُس وقت نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ ساحل پر آتے ہی میرے لئے ایک گاڑی تیار تھی۔ وہ ایک بند گاڑی تھی۔ اس میں چاروں طرف مضبوط لوہے کی دیواریں تھیں مجھے اُس میں داخل ہونے کا حکم ملا۔ اور میں لاچار ہو کر اس میں بیٹھ گیا۔ بعد میں مجھ پر سب واضح ہو گیا۔ کہ یہاں کسی کو خصوصاً کسی بیرونی انسان کو آزادی نہیں۔ اول تو وہاں دوسرے ملکوں کے لوگ ویسے ہی جانے سے کتراتے تھے۔ مگر جو بھی جاتے انھیں عام آدمیوں سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ آزادی سے گھوم پھر نہ سکتے تھے۔ ان پر کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ لوہے کی دیوار اُن پر حائل کر دی جاتی تھی۔ یہ سب کچھ ملکہ کے حکم سے ہوتا تھا۔ اب مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ ملکہ کا سواگت کیسے ہوا۔ میری گاڑی چلتی رہی وہاں میری ضروریات کی چند چیزیں مہیا تھیں۔ کچھ عرصے کے بعد میں ایسے ایک مکان میں پہنچ گیا جو میرے ٹھہرنے

کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

اس مکان میں یا کوٹھی میں جو بھی آپ اُسے سمجھیں۔ میری زندگی قیدیوں کی سی ہو کر رہ گئی۔ میں جو ہمیشہ سفر کا عادی تھا کھلی فضا میں گھومنا سیکھا تھا ایک عورت کے حکم سے پابندیوں میں جکڑا گیا تھا۔ اگرچہ یہ جگہ نہایت دلکش تھی۔ مکان عالیشان تھا مگر یہ جگہ زمین دوز تھی یعنی سطح زمین کے نیچے۔ سڑک کے برابر میرے مکان کی چھت لگتی تھی مگر اُس چھت تک جانے کے لئے کوئی راستہ ہی نہ بنایا گیا تھا۔ اُس میں راز تھا۔ مجھے اُسے بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ مکان کے باہر ایک خوبصورت باغیچہ تھا اُس میں چند پرندوں کے پنجرے لٹک رہے تھے۔ وہ بھی غریب میری طرح ہی مقید تھے۔ کوٹھی کے بڑے دروازے پر ہر وقت پہرہ لگا رہتا تھا۔ مجھے کسی سے ملنے کی اجازت نہ تھی جا بجا جاسوس گھومتے رہتے تھے جو غالباً میری نقل و حرکت کی خبر ملکہ تک پہنچاتے رہتے ہوں گے۔ اب مجھے شہزادے کی آمد تک یہیں قیام کرنا تھا۔ ایک بے قصور قیدی کی طرح۔ مگر میں اس حال میں بھی شاکر قسمت تھا۔

آٹھواں باب

دربارِ شیطانی

اس زمین دوز جگہ میں رہتے ہوئے میرا دم گھٹنے لگا۔ مجھے کچھ علم نہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے یہاں کے رہنے والوں کا جیون کیسا ہے۔ وہ کیا کھاتے ہیں کیا پیتے ہیں؟ اُن کے بیوپار کیا ہیں؟ اُن کے خیالات کیا ہیں؟ یہاں پہنچ کر تو

میری اُمیدوں پر اوس ہی پڑ چکی تھی۔ جن ولولوں کو ساتھ لیکر میں نے ملکہ کے ساتھ آنا منظور کیا تھا اب سرد پڑ چکے تھے۔ اُس کے کردار نے مجھے پہلے ہی گھائل کر دیا۔ مگر ابھی تک میں نے دیکھا ہی کیا تھا۔ بقول ایک شاعر ابھی کیا تھے ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

ابھی میری رُوح کو اور مجروح ہونا تھا۔ وہ بھیانک منظر تو ابھی دیکھنے باقی تھے جنھیں دیکھکر ایک فرشتہ خود بھی گھبرا اُٹھا ہوگا۔

دن کافی چڑھ چکا تھا میں اپنے دل کو بہلانے کی غرض سے باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا آہستہ آہستہ میں ایک پنچھی کے پنجرے کے قریب پہنچ گیا۔ وہ اُداس و مغموم بیٹھا ہوا تھا۔ اگرچہ باغ میں پھول کھل رہے تھے۔ ہر طرف ہریاول ہی ہریاول تھی باغ میں درختوں پر چند پرندے چہچہا رہے تھے۔ اپنی سُریلی آواز کی فضا میں نغمے بکھیر رہے تھے۔ اس مقید پرندے کو وہ آزاد پرندے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ باغ نظر آرہا تھا۔ اُس کا سہانا منظر اُس کے سامنے تھا مگر وہ کیوں اُداس تھا؟ صرف اس لئے کہ اُس کے گرد لوہے کی چادر حائل ہوگئی تھیں۔ جب ایک پرندہ اتنا حساس ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی آزادی کھو کر اتنا غمگین ہو سکتا ہے تو انسان کا کیا حال ہوگا؟ پھر میں سوچنے لگا۔ کسی پرندے نے اپنے ہمجنس کو آج تک قید و بند میں نہ ڈالا تھا۔ تو انسان کیوں ایسا کرتا ہے؟ اُس کے مشاغل بھی کیسے عجیب ہیں؟ دوسروں کو اذیت دیکر ہی وہ اپنا دل بہلاتا ہے۔ یکایک پنچھی نے پنکھ پھڑپھڑائے۔ اُس نے بجائے ایک سُریلی آواز نکالنے کے ایک بھیانک سی چیخ ماری اور پنجرے کے اندر پھڑپھڑانے لگا۔ مجھے بڑے دروازے کے نزدیک چند

سپاہی نظر آئے۔ اُن کے ساتھ اُنکا ایک سردار تھا وہ آگے بڑھا اور مجھے سلام کرکے مخاطب ہوا۔

"معزز مجومل! خداوند خلعت۔ عالیجاہ۔ ملکہ عالیہ نے پیغام بھیجا ہے کہ آج آپ دربار میں حاضر ہو کر اُنکی فیاضی کی داد دیں اور انعامات و عطیات سے مالا مال ہوں۔ اُن کے رحم و کرم کا ابر آپ پر برسا ہی چاہتا ہے۔"

میرے لئے یہ موقعہ نہایت ہی غنیمت تھا۔ میں اس قید سے چند لمحات کے لئے چھٹکارا پاؤں گا۔ یہی میرے لئے ایک خوش کن پیغام تھا۔ یہاں تو میری رُوح مچل کر رہ گئی تھی۔ لہذا میں نے خوشی کا اظہار کیا اُنھیں وہیں پر رُکنے کے لئے کہا تاکہ میں اپنے آپ کو ایک عظیم الشان ملکہ کے دربار میں حاضر ہونے کے قابل بنا سکوں۔ اندر آکر میں نے اپنی لمبی داڑھی کو ترتیب دی۔ ایک لمبا سا چمکدار جبہ زیب تن کیا اور اپنا عصا تھام کر باہر آگیا۔ میرے دل میں خوشی کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ ایک شاندار دربار کو دیکھنے کی خواہش کتنی زبردست تھی۔ اگرچہ مجھے ملکہ سے نفرت ہو چکی تھی مگر پھر بھی ایک حسرت باقی تھی۔ ایک تجسس۔ ایک شوق تھا۔ تیار ہو کر میں اُن کے ساتھ چل پڑا۔ وہ نپے تلے قدم اُٹھا کر چل رہے تھے۔ ایک ترتیب کے اندر۔ شانے سے شانہ ملا کر۔ فوجیوں کا یہ قاعدہ ہی ہوتا ہے۔ ہم کوٹھی سے باہر آگئے۔ پہرے دار جو میری کوٹھی کی نگرانی کر رہے تھے ملکہ کے خاص سپاہیوں کو دیکھ کر ادب سے پرے ہٹ گئے۔ سطح زمین پر پہنچکر میں نے دیکھا۔ میرے لئے ایک بند گاڑی تیار تھی۔ میں اس میں سوار ہو گیا اور ہمارا یہ مختصر سا قافلہ ایک تزک و احتشام مجھے دربار کی طرف روانہ ہو گیا جس کا ذکر میں اب کرنے چلا ہوں مگر اس کا حال "سُننے" سے پہلے اے لوگو! اپنا اپنا دل تھام لو۔

میری گاڑی ایک نہایت شاندار اور وسیع محل کے آگے پہنچ کر رُکی۔ جب میں نے اپنا قدم زمین پر رکھا تو میرا سر چکرا گیا۔ یہاں کیسا منظر تھا؛ محل کے آگے ایک بہت ہی لمبا چوڑا میدان تھا جو میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ وہاں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں فوجی قطاریں باندھے کھڑے تھے۔ مجھے ایسا لگا کہ گویا اس بڑے ملک کے تمام نوجوان فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں۔ میلوں تک جدھر بھی میری نظر جاتی تھی ہتھیاروں سے لیس سپاہی ہی سپاہی نظر آرہے تھے۔ مختلف پلٹنیں۔ بٹالینیں کمپنیاں۔ رجمنٹ۔ ڈویژن غرضیکہ فوجی سپاہیوں کا ایک بے پایاں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ جہاں تک بھی انسانی نگاہ جا سکتی تھی۔ دور بہت دور تک میں دیکھتا گیا۔ مجھے ایسا لگا کہ اس ملک میں شاید نہ کوئی کسان تھا۔ نہ مزدور۔ نہ بیوپاری اور نہ کوئی اور کسی قسم کا کاریگر۔ یہاں نہ کوئی مذہب ہے۔ نہ فرقہ۔ اگر اس ملک میں کوئی ہے تو صرف فوجی مگر یہ کیوں تھا؟ آخر اتنی بڑی فوج کی ضرورت کیا تھی۔ میں اس سوال کا جواب مہیا کرنے سے قاصر تھا۔ مجھے وہاں رُکا ہوا دیکھ کر سردار نے نہایت ادب سے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میرے سامنے محل کی سیڑھیاں تھیں لگ بھگ پچاس کے قریب جو سیکڑوں گزوں میں محل کے سامنے بنائی گئی تھیں۔ میں آہستہ آہستہ اُن پر چڑھنے لگا۔ ان پر بھی یعنی ہر سیڑھی کی لمبی قطار پر بھی چیدہ چیدہ رجمنٹیں کھڑی ہوئی تھیں۔ جوں جوں میں چڑھ رہا تھا میں نے ان سپاہیوں کا نزدیک سے مطالعہ کیا۔ وہ مجھے پتھر کے بُت نظر آرہے تھے۔ اُن کے چہرے جذبات سے عاری تھے۔ گویا احساس جیسی کوئی شے اُن میں تھی ہی نہیں۔ مجھے وہ مشینی انسان دکھائی دے رہے تھے کہ ابھی اگر چابی کو گھمایا

جائے تو وہ ایک کل کے ذریعہ فوراً چل پڑیں گے۔ خواہ سامنے کوئی گہری غار ہی کیوں نہ ہو وہ اُس میں باری باری کودتے چلے جائیں گے۔ اُنھیں سمندر میں بھی کود جانے سے گریز نہ ہوگا۔ وہاں فوجی تھے۔ سپاہی تھے بس اور کچھ نہ تھا۔

اب میں محل کی تمام سیڑھیاں چڑھ چکا تھا۔ میں نے پیچھے نظر گھما کر دیکھا اس لیے کہ شاید مجھے اس سمندر کا کنارہ نظر آجائے۔ ہاں ایک کنارہ تو تھا جہاں میں کھڑا ہوا تھا۔ مگر باقی کنارے غائب تھے۔ اب اُنکی جستجو کرنا عبث تھا لہٰذا میں سامنے محل کے اندر جانے لگا۔ یہاں پہلے مجھے بڑے بڑے برآمدے دکھائی دیے۔ جو تیس تیس فٹ اونچے ستونوں کے اوپر کھڑے تھے۔ یہ گول ستون اتنے بڑے تھے کہ دو آدمی آپس میں ہاتھ سے ہاتھ ملا کر بھی ان کے گرد ولپٹا نہ پا سکتے تھے۔ اُن برآمدوں کے دونوں طرف وسیع صحن تھے۔ وہاں بھی سپاہی کھڑے تھے۔ ہم آگے چلنے لگے۔ محل میں بے شمار محرابیں تھیں۔ بلند اور خوبصورت۔ یہ پہلی منزل تھی۔ دوسری منزل پر بھی ایسی ہی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ وہاں بھی اتنے ہی بڑے برآمدے وغیرہ ہوں گے۔ کمرے ہوں گے۔ وہاں بھی سپاہی تعینات کئے ہوئے تھے۔ ہر طرف فوج ہی فوج تھی۔ مختلف وردیاں پہنے ہوئے لاتعداد سپاہی۔ مختلف ہتھیاروں سے لیس۔ خاموش۔ صورت بُت کھڑے ہوئے۔ محل کی بھول بھلیوں میں سے ہوتے ہوئے ہم ایک مخصوص کمرے کے سامنے آکر رُک گئے۔ یہ کمرہ نہ تھا بلکہ ایک نہایت ہی وسیع ہال تھا۔ سیکڑوں فٹ لمبا۔ اندازے سے اگر کہا جائے تو اس کے اندر دس بارہ ہزار آدمی جمع ہو سکتے تھے۔ مگر اس کمرے کی شان دیکھتے ہی بنتی تھی۔ اس ہال کو اگر سونے کا ایک وسیع مندر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ مگر مندر میں تو بھگوا

براجان ہوتا ہے لیکن یہ تو شیطان کا مندر تھا مجسم شیطانیت اُس پر مسلط تھی میں نے
ایک نہایت ہی بلند اور چوڑے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اس ہال کا
جائزہ لیا۔ اس دروازے میں برابر برابر چار ہاتھی داخل ہو سکتے تھے کمرہ اندر سے اس طرح
چمک رہا تھا گویا سورج دیوتا خود ہی آکر اس ہال میں بیٹھے ہوئے ہیں سونے سے
مڑھی ہوئی دیواریں۔ میں نے اس کا ایک چھوٹا نمونہ جہاز پر بھی دیکھا تھا مگر
وہ اس کا بھلا کیا مقابلہ کرتا۔ ہاں اگر مشابہت تھی تو یہ کہ دونوں کی سجاوٹ
یکساں کہی جا سکتی تھی۔ مگر اس میں بھی فرق تھا۔ اس ہال کی چھت لگ بھگ
پچاس فٹ اونچی ہوگی۔ اُس پر جا بجا فانوس لٹک رہے تھے جنمیں سنہری شمعیں
روشن تھیں۔ اس کے اندر ستونوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ اگر مبالغہ نہ سمجھا
جائے تو مجھے سیکڑوں ہی ستون دکھائی دے رہے تھے۔ ان ستون کو چھوتے
ہوئے سُرخ قالین اس دروازے سے لیکر ہال کے سامنے والی آخری دیوار تک
بچھے ہوئے تھے۔ اُس دیوار کے آگے زمین سے لگ بھگ پندرہ فٹ کی اونچائی
پر ایک سنگھاسن رکھا ہوا تھا۔ یہی وہ تخت تھا جس کے اوپر ملکہ بیٹھ کر اپنی
رعایا کے کروڑوں انسانوں کی زندگیوں کا فیصلہ کرتی تھی۔ دروازے سے
مجھے صرف وہ تخت ہی دکھائی دے رہا تھا۔ کیونکہ ستون کے بالمقابل قدرے
اس طرف دیواروں کو چھوتے ہوئے دو رویہ پردے لٹک رہے تھے یہ پردے
سنہری تاروں سے مزین تھے۔ ان کا رنگ بھی گہرا زرد تھا اور اُن پر جگہ جگہ اژدھوں
کی تصویریں کاڑھ کر بنائی گئی تھیں۔ پردوں کے پیچھے کیا تھا۔ میں آگے چل کر
بیان کروں گا۔ اس سُرخ مخملی فرش پر چلتا ہوا جُوں جُوں میں آگے بڑھتا
گیا۔ میں نے دیکھا کہ ستونوں کے پیچھے برابر قطاروں میں خوبصورت سنہرے
رنگ کی کرسیاں تھیں اور اُن پر ملکہ کے اراکین۔ سردار۔ حکام اور اہلکار

اپنے اپنے درجے کے مطابق بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب خاموش بے حرکت
فوجیوں کی طرح جذبات سے عاری۔ نمونہ بت بنے ہوئے تھے۔ دربار میں موت
کا سا سناٹا تھا۔ مجھے اُس قالین پر چلتے ہوئے اتنے بڑے مجمع میں سوائے اپنے
قدموں کی آواز کے اور کچھ بھی سنائی نہ دیا۔ میں نے دونوں طرف قدرے
ترچھی نگاہوں سے دیکھا۔ یہ لوگ ویسے ہی تھے جیسے کہ میں نے اُس ملکہ کے
بیڑے کے اوپر دیکھے تھے۔ اُن کے سر گھٹے ہوئے۔ آنکھیں لمبی دراڑوں
کی طرح۔ پپوٹے بھاری۔ جن میں سے آنکھوں کی پتلیاں نہایت باریک
نظر آ رہی تھیں۔ بھویں گھنی اور کالی تھیں۔ اُن کی لمبی مونچھیں فرش کو سلام
کر رہی تھیں۔ انھیں گویا میرے آنے کا کوئی احساس ہی نہ تھا یا اس وحشت
کی یہ تصویر دیکھ کر میں حیران ہو گیا مگر انھوں نے کوئی حیرانگی یا اچنبھا
ظاہر نہ کیا۔ وہ تو پتھر کے ایسے مجسّمے تھے جنہیں کہیں سے لا کر ان کرسیوں پر
چپکا دیا تھا۔ میں آہستہ آہستہ سیدھا آگے ہی آگے چل رہا تھا اب میں دو رویہ
لٹکتے ہوئے پردوں کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ وہاں بھی لگ بھگ یہی منظر تھا۔
پردوں کے پیچھے ملکہ کے باڈی گارڈ تعینات تھے۔ ننگے ہتھیار بجلی کی طرح چمکتی
ہوئی تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے۔ تخت سے کوئی پانچ فٹ نیچے اور فرش سے
لگ بھگ دس فٹ کی اونچائی پر دو رویہ کرسیاں لگی ہوئی تھیں جو خالص سونے سے
بنائی گئی تھیں۔ اُن پر زرد رنگ کے قیمتی گدّے لگے ہوئے تھے۔ اُن کرسیوں
کی سج دھج دیکھتے ہی بنتی تھی۔ مگر اُن سے زیادہ دلکش اُن کرسیوں پر بیٹھنے
والیاں تھیں۔ یہ شکلیں تو گویا بھگوان نے اپنے خاص ہاتھوں سے فرصت کے وقت
بنائی ہوں گی۔ اُن کے چہرے بے نقاب تھے وہ ملکہ کے حسن کو چھونے جا رہی تھیں۔
انھیں نقاب کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ اُنکی کرسیاں تو دو رویہ پردوں کے

عقب میں تھیں انھیں دربار کا کوئی بھی آدمی نہ دیکھ سکتا تھا۔ میں یہ نظارہ دیکھ کر حیرت سے وہیں جم گیا۔ کیا دنیا کا سارا حسن اسی کمرے میں جمع ہو گیا تھا۔ تخت کے دونوں طرف پانچ پانچ خوبصورت مجسمے بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس کے بائیں طرف تقریباً پانچ فٹ بلندی پر ایک کرسی خالی رکھی ہوئی تھی پر دوں کے نزدیک پہنچتے ہی مجھے اشارہ ملا۔ تو پتہ چلا یہ خالی کرسی میرے لئے مخصوص تھی۔ میں اس ماحول سے سہما ہوا آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا اُس کرسی کی طرف بڑھا اور بغیر اِدھر اُدھر دیکھے خاموشی سے اُس پر بیٹھ گیا۔ ابھی ملکہ دربار میں نہ آئی تھی۔ لیکن اُس کی عدم موجودگی میں بھی وہاں کیسا سناٹا تھا۔ مجھے ابھی تک علم نہ تھا کہ یہ دربار کس خوشی میں کیا گیا تھا۔ مگر وہاں خوشی کا تو کوئی مظاہرہ نہیں تھا۔ ایک موت کی سی خاموشی تھی۔ ایک ہُو کا عالم۔ کسی ویرانے میں بھی ایسی خاموشی نہ دیکھی ہو گی۔ جلد ہی پھر مجھے علم ہو گیا۔ میں نے اپنے نزدیک بیٹھی ہوئی حسینہ سے دریافت کیا کہ یہ تقریب کیوں منائی جا رہی تھی۔ اُس نے نہایت مدھم آواز سے گویا ڈرتے ڈرتے بتایا کہ یہ تمام اہتمام ملک کے نئے نظام کی یاد تازہ کرنے کیلئے کیا گیا ہے۔ ماضی کو گہری قبر میں دفنا دیا گیا تھا۔ اُس کی پوری طرح سے بیخ کنی کر دی گئی تھی۔ میں نہ جانتا تھا۔ پرانا طرز حکومت کیا تھا مگر مجھے اس موجودہ نظام کا تھوڑا بہت پتہ چل چکا تھا۔ میں اسکی جھلک پہلے دیکھ چکا تھا۔ جس سے یہی ظاہر ہوا تھا کہ جنتا کی آواز کچل دی گئی ہے اُنکی روحیں انسانوں کے اندر سے نکال کر ہمیشہ کے لئے دفنا دی گئی ہیں۔ اُنکے سینے میں سے تڑپتا ہوا خون کا وہ لوتھڑا بھی نکال پھینک دیا گیا ہے جسے لوگ 'دِل' کہہ کر پکارتے ہیں۔ اور اُس کی جگہ پتھر کی سلیں رکھ دی گئی ہیں۔ اُنکی زبانوں پر تالے جڑ دیئے گئے ہیں۔ اُنکی گردن کے گرد پٹے ڈال دیئے گئے ہیں۔ جیسے کہ وہ انسان نہ ہو بلکہ پالتو جانور ہوں۔ اور ان پٹوں کی رسیاں ملکہ نے اپنے

ہاتھ میں لے رکھی ہیں۔ وہ اُنکی معبود تھی۔ وہی اُنکی ابتدا تھی اور وہی انتہا۔

ہال کے پچھلی طرف بھی ایک دروازہ کھلتا تھا۔ اُس کے ایک کونے کی طرف۔ مگر کیا تھا وہاں؟ ابھی مجھے معلوم نہ تھا شاید ملکہ کے آنے کے لئے یہی دروازہ مخصوص ہو۔ مگر میرا یہ قیاس غلط ثابت ہوا یہ تو ایک خونی نکاس تھا۔ یہ تو دوسری دُنیا میں جانے کا دروازہ تھا اِدھر سے آتے کم تھے بلکہ جاتے بہت تھے۔ اور جانے والے شاذ و نادر ہی واپس لوٹتے تھے۔

یکایک ہال میں ایک آواز پیدا ہوئی۔ اُس آواز کے الفاظ کوئی نہ تھے۔ جیسے ہزاروں لاکھوں گھنٹیاں یکدم جھنجھنا کر اُڑنے لگیں۔ جیسے خود موت کوئی آواز اختیار کر لے میری نگاہیں اُس بڑے دروازے کی طرف اُٹھ گئیں۔ جس سے چند منٹ پہلے میں داخل ہوا تھا۔ میں نے دیکھا۔ سامنے ملکہ خود اپنے پورے جاہ و جلال تزک و احتشام کے ساتھ ان کروڑوں بے زبانوں کی تقدیر کو مٹھی میں بند رکھنے والی۔ نہایت ہی پُر وقار اور کمال تمکنت کے ساتھ خراماں خراماں چلی آ رہی تھی۔ یکدم گویا کسی نے بجلی کے بٹن پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ کھمبوں کے برابر اُونچی کُرسیوں پر بیٹھے ہوئے وہ سینکڑوں لوگ جو اُس ملک کے رہبر بھی ہوں گے اور عاقل و دانشمند بھی وہ اپنی اپنی جگہوں سے یکدم اُٹھے۔ اُنھوں نے اپنے جسموں کو دوہرا کیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ پھر ایک تیزی کیساتھ انھوں نے اپنے ننگے سر آگے کی طرف بڑھائے اور اپنے جسموں کو سیدھا کر کے اوندھے منہ اُس سنگِ فرش پر لیٹ گئے۔

انسانی عظمت زمین پر لوٹنے لگی۔ اُس کے خالق نے اُس وقت اس منظر پر آنسو بہائے ہوں گے۔ وہ توبہ کرتا ہو گا کہ اس نے انسان جیسی حقیر چیز پیدا کر کے کتنی بھاری غلطی کی تھی۔ کاش اُسے شیطان کی ہستی کا علم ہوتا۔ تو کیوں وہ اس معصوم جاندار کو اُس کی خاک پا میں اس طرح گرتے دیکھتا۔

ملکہ اب دروازے کے اندر داخل ہو چکی تھی اُس کی چھب۔ اُسکی بناوٹ ناقابلِ بیان تھی۔ اگرچہ اُس نے اپنے چہرے پر باریک سا نقاب پہن رکھا تھا تاہم اُس کے چہرے کی تابانی اُس میں سے پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل رہی تھی۔ اُسکی نگاہیں فرش کی طرف نہ تھیں بلکہ بالکل سامنے تھیں جہاں کہ اُس کا بیش بہا تخت پڑا ہوا تھا۔ میری نظریں اِس وقت سامنے اُٹھی ہوئی تھیں مگر یہ نظارہ دیکھنا اُس ملک کے باشندوں کے نصیب میں نہ تھا۔ وہ اپنی ملکہ کی بے مثال خوبصورتی کو نہ دیکھ سکتے تھے۔ اُنکی آنکھوں پر اگرچہ پٹی نہ بندھی ہوئی تھی۔ مگر اُن کے ذہن پر ضرور ایسی پٹی باندھ دی گئی تھی کہ اُن میں اتنی جرأت بھی باقی نہ رہی تھی کہ وہ ایک پلک اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھ بھی لیں۔ وہ اس کا نتیجہ بخوبی جانتے تھے۔ تمام حاضرین اُس کو سجدہ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ملکہ نے اپنا پہلا قدم اُٹھایا اور سامنے لیٹے ہوئے ایک آدمی کے سر پر رکھ دیا یہ کسی مفکر کا سر ہوگا۔ اُس نے دوسرا قدم اُٹھایا اور اگلے لیٹے ہوئے انسان کے سر پر رکھا۔ یہ کسی سائنسدان کا سر ہوگا۔ پھر پہلا قدم بڑھا۔ یہ کسی مذہبی پیشوا کا سر ہوگا جس نے نور کی روشنی اس ملک کو دی ہوگی پھر دوسرا قدم آگے آیا۔ یہ کسی بڑے بیوپاری کا سر ہوگا۔ جس نے ملک کو فروغ دیا ہوگا۔ پھر پہلا قدم۔ یہ کسی مزدوروں کے نیتا کا سر ہوگا جس نے اس عظیم ملک کی تعمیر کی ہوگی۔ پھر دوسرا قدم یہ شاعر کا سر ہوگا جس نے اپنے پیارے ملک کی حمد و ثنا گا گا کر اسے عالم میں مشہور کیا ہوگا۔ اُف میں رو اُٹھا۔ میرے دل کے اندر سے دبی دبی چیخیں نکلنے لگیں۔ آہ یہ بھیانک منظر کیسا تھا۔ او خدایا! کیا تیری دنیا میں یہ بھی ہوتا چلا آیا ہے۔ اے مالک۔ پروردگار عالم۔ تو ہے بھی؟

اگر ہے تو کہاں ہے؟ سنتے آئے ہیں کبھی تیرا قہر نازل ہوتا ہے۔ مگر اس وقت تو کہاں چھپا بیٹھا ہے۔ ضرور اس وقت تو خائف ہو کر خود کہیں دُور رہا ہوگا..... اب میرے اندر یہ منظر دیکھنے کی تاب نہ رہی۔ میں نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ میرا دل کہہ رہا تھا بیوقوف! بھاگ جا یہاں سے۔ اگر ذرا بھی تیرے اندر انسانی غیرت ہے تو اپنی ڈگر اپنا لے۔ اگر یہاں پر بیٹھنا ہی چاہتا ہے تو اپنے وجود میں سے اُس چیز کو نکال پھینک جسے دنیا دِل کے نام سے پکارتی ہے..... مگر وہ کچھ بھی نہ ہوا جو میں چاہتا تھا۔ میں وہیں پر بیٹھا ہوا تھا اور وہ سب نظارے دیکھ رہا تھا۔ آخر اُس وقت میں بھی ملکہ کا ایک قیدی ہی تھا۔

اب ملکہ سیڑھیوں کے نزدیک آ چکی تھی۔ ہڑبڑا کر میں نے اپنا منہ اُس کی طرف پھیرا۔ وہ نقاب کے اندر مسکرا رہی تھی۔ یہ ایک فاتحانہ انداز تھا۔ گویا مجھے بتا رہی تھی۔ دیکھا بڈھے میرا جاہ و جلال۔ یہی منظر تو دکھانے کے لئے میں تمہیں اپنے ساتھ لائی تھی۔ کیا تیرا شہزادہ یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ہے کیا اُس میں اتنی سکت؟ وہ آہستہ آہستہ سنگھاسن کے پاس آنے کے لئے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ جب وہ میرے قریب ہوئی تو میں تعظیماً کھڑا ہو گیا اور سر کو جھکا دیا۔ جب اتنے سر کچلے جا چکے تھے تو میرا سر جھک جانا کیا معنی رکھتا تھا۔ مگر اُس نے اپنے مخصوص انداز سے نہایت سُریلی آواز میں مجھے خوش آمدید کہا۔ پھر وہ اپنے تخت پر رونق افروز ہو گئی۔ اُس نے آہستہ سے اپنا داہنا ہاتھ ہلایا۔ زمین پر لیٹے ہوئے وہ نیم مردہ انسان بغیر کسی قسم کا شور کئے ہوئے اپنی کمر خمیدہ

پر بیٹھ گئے۔ اس دوران میں وہ میری طرف قدرے جھکی اور ایک بار یک سی مترنم آواز میں بولی اس کی آواز دو رویہ لٹکے ہوئے پردوں کے پار ہرگز نہ جا سکتی تھی۔

"میرے لوگ کتنے وفادار ہیں۔ نجومی کیا تم دیکھ رہے ہو؟"

"ہاں ملکہ عالیہ میں نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔"

میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ میری اس چوٹ کو سمجھ سکی تھی یا نہیں مگر پھر کوئی بات نہ ہوئی۔ کیونکہ اب دربار کی کارروائی شروع ہونے والی تھی۔ اور میرے اندر مدوجزر اٹھ رہے تھے۔ لہذا اس وقت خاموشی ہی بہترین علاج تھا ملکہ نے جلدی ہی اپنے ہاتھ سے ایک اشارہ کیا۔ میری نگاہیں سامنے اٹھ گئیں۔ دروازے کے باہر سے ایک سفید ریش بزرگ جو مجھے اپنا ہی ثانی نظر آرہا تھا۔ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنے ہوئے چھ سپاہیوں سے گھرا ہوا۔ لڑکھڑاتا ہوا آگے آرہا تھا۔ جب وہ ملکہ کے عین سامنے آیا تو سپاہیوں نے پیچھے سے اسے دھکا دیا۔ وہ اوندھے منہ سیڑھیوں کے برابر بری طرح گرا۔ اگرچہ نیچے قالین بچھا ہوا تھا۔ تاہم چوٹ ایسی گہری لگی کہ اس کے منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی۔ ملکہ کے حکم سے ایک خوبصورت عورت جو میرے برابر والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نیچے اتری۔ اس نے پردے کے پیچھے سے تاکہ کوئی اور نہ دیکھ سکے۔ ملکہ کو فرشی سلام کیا اور بلند آواز سے کہنے لگی۔

"اے ملکہ کل جہاں! دیوتاؤں سے بالاتر اور شہنشاہوں سے عظیم! یہ وہ ناخلف انسان ہے۔ جو باوجود بار بار تنبیہ کرنے

کرنے کے اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ اسے آپ کا حکم نامہ سنایا گیا۔ دہرایا بھی گیا۔ اور اسے بتایا گیا کہ وہ اپنے باطل اور جھوٹے خدا کو جس کا کوئی وجود نہیں۔ جس کو کسی نے آج تک نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کا کبھی ظہور ہوا ہے چھوڑ دے۔ مگر یہ کمبخت نہیں مانا۔ اس نے اس کا پرچار جاری رکھا۔ یہ رعایا کو اس کا نام لے لیکر ورغلاتا رہا۔ یہ آپ کو ایک فانی عورت۔ ایک ناپائیدار۔ کمزور اور معمولی انسان سے تشبیہ دیتا ہے۔ یہ وہ کچھ کہتا ہے کہ میری زبان اسے دہرانے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ آپ کی حکومت کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ اس کے تمام ساتھی گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ جو اس کے بہکانے میں آچکے ہیں جن کا یہ سرغنہ ہے۔ یہ انسان گردن زنی کے لائق ہے۔ اے رحیم وکریم ملکہ۔ اس کو سزا ملنی چاہیے تاکہ باقی جنتا سبق حاصل کرے۔"

میں ملکہ کے چہرے کو نزدیک سے بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ نقاب کے اندر سے اس کی ہلکی سی جھلک دکھائی دے رہی تھی کیونکہ میں ایسے ہی رخ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ اس میں سے لال لال انگارے چھوٹ رہے تھے۔ وہ غصہ سے تمتما رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ کو جنبش دی۔ آہستہ سے وہ کاسہ سر اٹھایا جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور دوسرے ہاتھ میں سنہری ڈنڈا لیا۔ میں لرز اٹھا۔ مجھے اس نیک بزرگ کا اور اس کے ساتھیوں کا جو مجھے دکھائی نہ دے رہے۔ انجام سامنے نظر آرہا تھا۔ میں نے آہستہ سے ملکہ کے قریب ہو کر کہا۔

"عظیم ملکہ۔ اسے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع دیجیے"

اُس نے نقاب کے اندر سے خشمگیں آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ گویا یہ کہکر میں نے گستاخی کی تھی۔ وہ سنہری ڈنڈا اُس کاسۂ سر پر زور سے بجا۔ ایک بھدّی سی "ٹن" کی آواز پیدا ہوئی۔ وہی چھ سپاہی اُس بزرگ کو گھسیٹتے ہوئے اُس دروازے کی طرف لے چلے جو ہمارے عقب میں تھا۔ اُس غریب کا جبہ تار تار ہو رہا تھا جگہ جگہ اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔۔۔۔ ایک لمحہ۔۔۔۔ دوسرا لمحہ۔۔۔۔ تیسرا۔۔۔۔ چوتھا۔۔۔ اُس دروازے سے چند سپاہی پھر نمودار ہوئے۔ آگے والے سپاہی کے ہاتھ میں ایک بڑی سی طشتری تھی۔ جس میں کیا تھا۔ اُف مالکِ کون و مکاں۔ میں کیا دیکھ رہا تھا اُس بزرگ کا کٹا ہوا سر۔ اُس کی بے نور آنکھیں مگر مسکراتا ہوا چہرہ۔ میری زبان خشک ہو کر تالو سے جم گئی۔ مجھے ایسا لگا کہ میں اپنی جگہ سے نیچے گر جاؤں گا۔ میں نے مضبوطی سے کرسی کے ہتھے کو پکڑ لیا۔

اس کے بعد ملکہ کے دوسرے اشارے پر ایک اور آدمی کو پیش کیا گیا اُس کے چہرے پر زخموں کے نشان تھے وہ جسم سے ننگا تھا صرف ایک لنگوٹی نما کپڑا سا پہن رکھا تھا۔ جا بجا کوڑوں کے نشان اُبھرے ہوئے تھے دوسری حسینہ نے اُس پر فردِ جرم عاید کیا۔

" ملکہ عالیہ۔ یہ وہ انسان ہے جو آپ کی بخششوں سے رعایا کو غافل کرنا چاہتا ہے۔ یہ آپکے خلاف زہر اُگلتا پھر رہا ہے یہ ہر جگہ مشتہر کرتا پھرتا ہے کہ آپ کی حکومت ظالمانہ ہے۔ یہ جنتا کو ورغلا رہا ہے کہ آپکے خلاف بغاوت کا علم بلند کریں۔ اگرچہ اس کا ساتھ دینے والے چند ایک ہی سرپھرے

ہیں مگر یہ ایک مجسم خطرہ ہے۔ اسے قرار واقعی سزا ملنی چاہیے"

پھر ملکہ کا غیض عود کر آیا۔ دوسرے ہی ثانیہ کے بعد ایک دوسری طشتری میں اُس کا سر پیش کیا گیا۔ اسی طرح انصاف کا یہ چکر چلتا رہا۔ سامنے بیٹھے ہوئے لوگ دیکھتے رہے بے حس و حرکت۔ گویا یہ تو معمولی واقعات تھے۔ وہ ان کے عادی ہو چکے تھے۔

پھر ایک اور آدمی پیش ہوا۔ ایک مکروہ شکل جس سے خیانت اور بے ایمانی ٹپک رہی تھی۔ وہ عجیب لاپرواہی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا آگے آیا اور سجدے میں فرش بوس ہو گیا۔ ایک حسینہ نیچے اُتری اور بیان کرنے لگی۔

" منصف و مشفق ملکہ۔ یہ وہ محب الوطن ہے جس نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ایک مغربی ملک کا سفر کیا۔ بے شمار مصیبتوں کا سامنا کیا اور بہت ہی انوکھے اور کار آمد بھید ڈھونڈ نکالے۔ اب یہ ایک ایسا خطرناک ہتھیار بنانے میں کوشاں ہے جس کا ایک ایک ذرہ دشمنوں کی آبادیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی طاقت رکھیگا وہ ایجاد اُن بد بخت ملکوں کا منہ توڑ جواب ہوگا۔ جن کی بدولت وہ اپنے پُرانے نظام کو سنبھالے بیٹھے ہیں۔ اُس کے استعمال سے زرخیز زمینیں سالہا سال تک پیداوار دینے سے محروم ہو جائیگی اور پھر جس طرف آپ کی غیض آلودہ نگاہ اُٹھیگی اُدھر تباہی و بربادی ہوتی چلی جائیگی۔ یہ ایجاد آپ کے دنیا پر فاتح بننے کا ایک ذریعہ ثابت ہوگی۔ ملکہ عالیہ یہ شخص انعام کا مستحق ہے"۔

ملکہ نے آہستہ سے 'مرحبا' کہا۔ اُس کے اشارے سے اُس شیطان نما انسان کو زر و مال اور خطابات سے نوازا گیا اور وہ نہایت غرور سے سر بلند کرتا ہوا ایک اونچی مسند پر جو اُس کے لئے مقرر کی گئی تھی بیٹھ گیا۔

بعد ازاں ایک فوجی جرنیل پیش ہوا۔ نہایت تزک شان سے اتراتا ہوا

وہ ملکہ کی قدمبوسی کے لئے آگے بڑھا۔ ایک اور حسینہ نے اُس کی تعریف میں قصیدے کہنے شروع کئے۔

"معبودِ کل جہاں! یہ وہ بہادر جرنیل ہے۔ جس نے مغرب کے ایک پڑوسی ملک کا چھ ہزار مربع میل علاقہ بغیر دشمن کو اطلاع دیئے فتح کر لیا۔ اب وہ دیش لیڈر می چولی کا زور بگاڑ رہا ہے۔ اُس کے وفد اس ملک میں آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں مگر انھیں منع کر دیا گیا ہے۔ وہ عالمی مجلس کے سامنے گڑگڑا رہے ہیں۔ مگر فتح کردہ علاقے میں ہماری فوجیں تعینات کر دی گئی ہیں۔ اس کا اعلیٰ انتظام قابلِ ستائش ہے۔ اس جرنیل کے ہوتے ہوئے ایک اِنچ جگہ بھی واپس نہ جائے گی۔ یہ آپ کے خراجِ تحسین کا مستحق ہے۔"

اُس فوجی افسر پر خلعت۔ زر و مال کی بارش کی گئی۔ ملکہ نے فیاضی کا ثبوت دیا۔ اُس کی چوڑی چھاتی پر جہاں پہلے ہی رنگ برنگے تمغے جھول رہے تھے۔ وہاں ایک اور تمغے کا اضافہ کر دیا گیا۔ اُس نے دو زانو ہو کر ملکہ کو سلام کیا اور ایک طرف اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔ اسی طرح دربار کی کارروائی چلتی رہی۔ کتنوں کو خلعتیں بخشی گئیں۔ کئیوں کو اذیتیں ملیں کچھ موت سے ہمکنار ہوئے اور کچھ خوشی کے شادیانے بجا رہے تھے۔ ابھی مجھے اس دربارِ شیطانی کا تھوڑا سا اور ذکر کرنا ہے جو دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

پھر ایک بڑھیا پیش کی گئی جو یاس و حسرت کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ سن رسیدہ سفید بال۔ ماتمی سیاہ لباس پہنے ہوئے۔ گرتی۔ لڑکھڑاتی۔ کشاں کشاں وہ ملکہ کے قریب آ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ روتے روتے اُس کے آنسو بھی ختم ہو گئے۔ اُس کی آواز ایسے نکل رہی تھی گویا کسی گہرے کوئیں میں سے بول رہی ہو۔ اس میں چلنے کی طاقت ختم ہوا چاہتی تھی۔ وہ آتے ہی ملکہ کے آگے اوندھے

منہ گری۔ زمین کو چاٹنے لگی۔ وہ لوٹ رہی تھی۔ گڑگڑا رہی تھی بھیک کے لئے اپنا دامن پھیلائے ہوئے تھی ایک پتھر کے صنم سے فریاد کر رہی تھی اُس کی آواز تڑک تڑک کر کلیجے میں چھریاں چلا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"اے فاتح ملکہ! اے ہمارے دلوں و جان کی مالک۔ رحم کر۔ میرا ایک ہی لختِ جگر ہے میں نے اُسے بڑے نازوں سے پالا ہے۔ وہی میری آنکھوں کا چراغ ہے۔ ابھی میں نے اُس کی شادی کر کے اپنے ارمان بھی پورے نہیں کئے میں نے ابھی پوتے اور پوتیوں کو نہیں کھلایا۔ اُسے آپ کے سپاہی پکڑ لے گئے زبردستی۔ میری منت کے باوجود میں نے دریافت کرنا چاہا۔ اُس کا قصور کیا تھا۔ اُسے کیوں سزا دی جا رہی تھی۔ تو مجھے بتایا گیا۔ یہ آپ کا حکم ہے اُسے فوج میں بھرتی ہونا ہے۔ ملکہ اگر میرا ایک بھی اور بیٹا ہوتا تو میں بخوشی اُسے اپنے ہاتھوں سے سجاتی اور اُسے آپکی خدمت کے لئے آپ کی اس بڑی فوج میں بھرتی کروا دیتی۔ مگر میری ممتا مجھے مجبور کر رہی تھی۔ فوج میں جان کا جانا پہلے ہوتا ہے زندگی کی اُمید بعد میں۔ اس لئے میں نے سپاہیوں کو منع کیا۔ انھوں نے۔ اے انصاف پسند ملکہ! میرے بیٹے کو وہیں پر مارنا شروع کر دیا۔ اُسے اُلٹے ہتھیاروں سے اتنا پیٹا کہ وہ بُری طرح زخمی ہو گیا۔ وہ تڑپ رہا تھا اور میری ممتا یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ اُسے چار دن سے بھوکا رکھا گیا ہے اُسے زبردستی فوج میں بھرتی کرنے کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے۔ عورت کے ناطے آپ کو عورت کی عظمت کا واسطہ دیتی ہوں میرے بے قصور بیٹے کو رہائی کا حکم دیا جائے۔"

وہ بڑھیا روتی رہی۔ بہت دیر تک واسطے ڈالتی رہی۔ ملکہ نے ادنیٰ سا اشارہ کیا۔ نوجوان کو پیش کیا گیا۔ وہ نوجوان نہ تھا بلکہ ایک پنجر تھا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ۔ اُس کی آنکھوں میں نور کا نام و نشان باقی نہ رہ گیا تھا۔ اُس کی خشک جلد ہڈیوں

سے چپڑ گئی تھی۔ سپاہی اُس ننگے نو عمر لڑکے کو گھسیٹتے ہوئے لائے تھے۔ اُس میں تو خون کی ایک بوند بھی باقی نظر نہ آرہی تھی۔ ماں کے سامنے اُس کے لال کو بیدردی سے پھینک دیا گیا گویا وہ کوئی انسان نہ تھا۔ ایک پتھر تھا۔ یا کوئی اور بے جان شے۔ بڑھیا تھوڑی دیر تو اپنے نیم مُردہ بیٹے کو دیکھتی رہی۔ پھر چکرا کر اُس کے اوپر گر پڑی۔ ایک حسینہ نیچے آئی اور اتراتی ہوئی گویا ہوئی :۔

"عظیم ملکہ۔ مجھے کہنے کی اجازت دی جائے کہ رحم سے حکومتیں نہیں چلتیں۔ قانون اندھا ہوتا ہے۔ اس کی بے آواز لاٹھی کسی میں تمیز نہیں جانتی۔ اس عورت نے حکومت کی خلاف ورزی کی ہے۔ اسے کڑی سزا ملنی چاہیئے۔"

ملکہ نے کھوپڑی ایک ہاتھ میں لی اور ڈنڈا دوسرے میں۔ مَیں لرز اُٹھا۔ تیزی سے میں سیڑھیاں نیچے اُتر گیا اور ملکہ کے آگے سجدہ ریز ہوگیا۔ مَیں جس کی بے نیازی سے دنیا واقف ہے، جسے صرف سفر ہی سے سروکار ہے۔ اُس ملکہ کے آگے گڑگڑا رہا تھا۔

"رحم۔ اے ملکہ۔ رحم۔ میں تمھیں شہزادے کی محبّت کا واسطہ دیتا ہوں۔ میں تمھیں تمہارے بے مثال حُسن کا واسطہ دیتا ہوں۔ اس لڑکے کی جاں بخشی کی جائے۔ دیکھ مَیں تیرا نجومی تیرے آگے بھیک کا دامن پھیلائے کھڑا ہوں۔ ایک عورت پر نہ سہی۔ ایک ماں کا چاہے خیال نہ کر۔ مگر ایک اجنبی جسے تم نے اپنا دوست کہا ہے۔ اُس کا دامن اپنے رحم و کرم سے بھر دے۔"

شاید یہ پہلا ہی موقع تھا اس دربار میں کہ کوئی کسی کے لئے وکالت کر رہا تھا۔ یہ وکالت نہ تھی۔ بلکہ ایک درخواست تھی رحم کی بھیک مانگی جا رہی تھی۔ ملکہ نے مجھے اپنی جگہ پر واپس آنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ سانس روکے

ہوئے۔ نگاہیں اُس پر جمائے ہوئے۔ اُس کے رحم و کرم کا ملتجی بنا ہوا۔ میرے برابر بیٹھی ہوئی حسینائیں خم گیں ہوگئیں۔ شاید اُنھیں خیال ہوا۔ کہ ملکہ کا عتاب اب بڑھیا کے بجائے میرے اوپر نازل ہوگا۔ مگر مجھے اپنی پرواہ نہ تھی۔ میں اپنے آپ سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ ملکہ نے ایک متبسم اور مُسکراہٹ بھری آواز میں میری طرف جھک کر کہا تاکہ حاضرین میں سے کوئی نہ سُن لے۔

"نجومی۔ کیا تمھیں اس لڑکے پر ترس آتا ہے یا اُس کی بڑھیا ماں پر۔"

"کسی پر سمجھو ملکہ۔ مگر مجھ سے یہ لرزہ خیز منظر نہ دیکھا جائے گا۔"

"نجومی! تم نے خوبصورت شہزادے کا واسطہ دیکر مجھے مجبور کر دیا۔ ورنہ سوائے موت کے اس کا انصاف اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"ایسا ظلم نہ کر ملکہ! آخر آپ بھی تو عورت ہیں اور عورت کا دل تو رحم و کرم کا بے پایاں سمندر ہوتا ہے۔"

"ایسی باتیں مجھے قطعی پسند نہیں۔ مگر چونکہ تم نے میرے حسن کا نظارہ کیا ہے اور اُس کا بھی واسطہ دیا ہے۔ اس لئے میں اس لڑکے کو چھوڑنے پر مجبور ہوں۔"

پھر اُس کے منہ سے ایک مدھم سی سسکی کی آواز پیدا ہوئی گویا اُسکے دل کی ترجمانی کر رہی تھی۔

"کتنا حسین ہے وہ شہزادہ۔ میں اُس کی قربت کے لئے بے چین ہوں۔"

ملکہ نے ایک مخصوص اشارہ کیا۔ ایک جلاد آگے بڑھا۔ اُس نے اس بے بس بیچارے لڑکے کو زمین سے اُٹھا کر کھڑا کیا۔ دو سپاہیوں نے اُسے مضبوطی سے پکڑا اس کا بایاں ہاتھ آگے بڑھا لیا گیا اور تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ چلا۔ ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی۔ ناگن تو آخر ناگن ہی ہے۔ وہ اپنا وار کرنے سے کب باز آتی ہے پھر سپاہی اُس لڑکے کو گھسیٹتے ہوئے دربار سے باہر لے گئے۔ اب مَیں نے غور سے دیکھا اُس کا بایاں بازو جڑ سے ہی غائب تھا۔ مجھے نہیں علم کہ وہ بے چارہ جیا کہ

ہو گا یا اس شدت درد کو نہ برداشت کرتا ہوا راہی مُلک عدم ہو گیا ہو گا۔ ملکہ نے آہستہ سے کہا۔
"کم از کم اس ناخلف کو دیکھ کر باقی لوگ کچھ عبرت حاصل کریں گے اور پھر ہماری فیاضی کی داد بھی تو دیں گے۔"

اُس کے حکم کو کوئی نہ ٹال سکتا تھا۔ جب ملکہ نے میری طرف سے کی گئی رحم کی درخواست منظور کر لی تھی تو باقیوں کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اب جیسائیں خاموش بیٹھی تھیں۔ ملکہ نے پھر شہزادے کی آمد کا اعلان کروایا اور ایک خوبصورت عورت نے یہ بیان دیا۔

"اے دنیا کے سب سے بڑے ملک کے باشندو! اب ہم آپ کے سامنے ایک ایسا شخص پیش کر رہے ہیں جو ایک آنے والے شہزادے کا دوست ہے۔ اُس کا خاص الخاص عزیز ہے۔ وہ شہزادہ جلد ہی جنوب سے آئیگا۔ ہم اُس کی آمد کے لئے چشم براہ رہیں گے۔ اپنا خلوص اس ملک کے تئیں پیش کرنے کے ارادے سے اُس نے اپنے یہ نجومی ہمارے ملک میں پہلے سے ہی روانہ کر دیا ہے۔ اگرچہ علم نجوم پر ہماری ملکہ کا اعتقاد نہیں اور نہ ہی ہمارے ترقی یافتہ ملک کو اس سے کوئی واسطہ ہے۔ تاہم ملکہ اُس کا خیر مقدم کرتی ہیں۔ آپ نے ابھی ابھی دیکھا کہ اس اجنبی نے ایک رحم کی درخواست ملکہ کے سامنے پیش کی۔ اور وہ منظور کر لی گئی۔ اس درخواست سے اور اُس کے منظور کرنے سے اُس جلیل القدر شہزادے کی عزت کا خیال منظور نظر تھا۔ یہ ثبوت ہے ہماری ملکہ عالیہ کی فراخدلی کا۔ اب ملکہ عالیہ کی طرف سے۔ اس عظیم ملک کی طرف سے اس نجومی کو۔ جو کہتا ہے کہ وہ آنے والے حالات کا علم ستاروں کی چال سے معلوم کر لیتا ہے۔ عطیے نوازا جائے گا۔ وہ ملکہ کا خاص منظور نظر قرار دیا جا رہا ہے۔ اُسے ملکہ کی خلوت و جلوت میں رسائی ہو سکیگی۔ مگر ملکہ عالیہ کی طرف سے اُس اجنبی پر یہ

واضح کر دینا مناسب ہو گا کہ اجنبی کو یہاں کے رواج و قوانین کا احترام کرنا ہو گا۔ آئندہ اُنھیں ملکہ کی مرضی کے خلاف دخل در معقولات کی اجازت نہ دی جائیگی۔ مگر ایک مہمان کے ناطے اُنھیں اس ملک میں ٹھہرنے کی اُس وقت تک اجازت ہو گی جب تک ملکہ کی خوشنودی اُسے حاصل ہو گی۔ ملکہ اُن کے لئے ہر طرح کی سہولتیں مہیا کریں گی۔ بس ہم کہہ چکے۔"

میں اپنی جگہ سے اُٹھا۔ نیچے اُترنے لگا مگر ملکہ نے اپنا دست راست میری طرف بڑھا دیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ مجھے کس طرح اُس کا شکریہ ادا کرنا تھا۔ میں نے اُس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو آنکھوں سے لگایا۔ اُسے چوما اور واپس اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر ملکہ نے ایک اشارہ کیا۔ اب اُس بھرے دربار میں چند شغل پیش کئے جانے لگے گو کہ یہ شغلے تھے دل بہلانے کا سامان۔ مگر میرے لئے یہ دلدوز منظر تھے۔ میں نے ان کا ذکر نہ آج تک سُنا تھا اور نہ ہی دیکھا تھا۔

دس فٹ کے قریب کانسی دھات کا ایک نہایت ہی چمکدار گول برتن سُرخ قالین کے فرش پر رکھا گیا۔ اس برتن کی دیواریں چار فٹ کے قریب بلند تھیں۔ اس برتن میں کسی چیز کو مل کر بہت ہی پھسلن تیار کی گئی تھی۔ پھر آٹھ دس آدمی مل کر ایک بند سی گاڑی کو گھسیٹتے ہوئے اُس برتن کے نزدیک لائے۔ اُس گاڑی کا جونہی دروازہ کھولا گیا میں گھبرا کر کرسی کی پشت کے ساتھ جا لگا۔ اس گاڑی کے دروازے کا منہ برتن کے اوپر رکھ دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بھیانک اژدھے نے اپنا بڑا سا سر باہر نکالا۔ اُس کی لپلپاتی سُرخ زبان کتنی لمبی اور خوفناک تھی۔ آہستہ آہستہ وہ رینگتا ہوا اژدھا گاڑی کی دیوار کے نیچے اُترنے لگا۔ اور ایک "دھپ" کی آواز کیساتھ اُس گول برتن میں گر گیا۔ اُف کتنا موٹا تھا وہ کیڑا۔ اُس کی گولائی ہاتھی کی سونڈ سے بھی موٹی تھی۔

وہ غصے سے برتن کے اندر ہی اندر کتنے ہی بل کھا رہا تھا۔ کبھی وہ اپنا پھن اُٹھا کر برتن سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا۔ مگر جلدی ہی برتن میں پیدا کی گئی پھسلن کی وجہ سے گر جاتا۔ اُس کی پھنکاریں برتن کی دیواروں اور پیندے کو سیاہ کر رہی تھیں اس جانور کی لمبائی تک۔ بھگ بیس فٹ کے قریب ہو گی۔ یہ رینگنے والا کیڑا نہ معلوم کہاں سے لایا گیا تھا۔ اب فوراً ہی اعلان کیا گیا کہ جو بھی اپنے آپ کو ملکہ کا سچا خیر خواہ سمجھتا ہے جس کے دل میں اُس کی عظمت سب سے زیادہ ہے وہ آگے آئے تاکہ اس اژدھے کی اُسے خوراک بنایا جائے۔

یہ بھی عجیب کھیل تھا۔ یہاں انسان سے زیادہ جانور کی قدر تھی مگر بھلا جان کسے عزیز نہیں ہوتی۔ پھر ایسی موت کون مرنا چاہے گا۔ مجھے تو اُس پلپلے جانور کو دیکھ کر ویسے ہی گھن آ رہی تھی۔ اس سے تو کسی کی تلوار کا نشانہ بننا بہتر ہوتا۔ سب ترچھی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف تک رہے تھے۔ آخر ملکہ کی نگاہ انتخاب ایک شکار کی طرف اُٹھی۔ مجھے فوراً خیال ہوا۔ یہ بھی کوئی ملکہ کے خلاف کدورت بھرا دل رکھتا ہو گا۔ ورنہ ملکہ کی عظمت کا کسے خیال ہو گا؟ کون ایسی ظالم ملکہ کو دل سے چاہے گا۔ وہ غلام آگے بڑھا۔ ملکہ کو اُس نے سجدہ کیا اور برتن کے اندر تنہا ہی کود گیا۔ وہ اژدھے کی دُم کی طرف گرا۔ اُس نے برتن کے ایک کونے کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ اژدہے کو چوٹ سے تکلیف ہوئی ہو گی۔ اُس نے اپنا غار سا مُنہ اُس آدمی کی طرف پھیرا۔ زبان تیزی سے لپلپانے لگی۔ خوف کے مارے آدمی کا ہاتھ برتن سے جدا ہو گیا۔ وہ پھسل کر اندر گر چکا تھا۔ اُس کا سر اژدھے کے سامنے آ چکا تھا۔ ظالم نے ایک ہی وار کیا اور اُس غریب کی کھوپڑی اژدھے کے مُنہ میں پہنچ گئی۔ آہستہ آہستہ اُس زندہ آدمی کا سر اندر ہی اندر جا رہا تھا۔ وہ جانور کا لقمہ بن چکا تھا۔ درد اور تکلیف کی

وجہ سے وہ ٹانگیں اِدھر اُدھر مار رہا تھا۔ مگر جلد ہی اُس کی ہڈیاں کڑ کڑانے لگیں۔ اور چند ہی لمحوں میں وہ سب کی نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔ اُس کے بعد دوسرے کی باری آئی پھر تیسرے کی۔ میں نے اپنی آنکھیں موند لی۔ اب میرے اندر اس نظارے کو دیکھنے کی تاب نہ تھی۔ اتنے بڑے مجمع میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ کوئی مزاحمت کا مظاہرہ نہ ہوا۔ ملکہ نے مسکرا کر میری طرف دیکھا گویا وہ مجھ سے خراجِ تحسین کی خواہاں تھی۔ کس لئے؟ شاید وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ کہ اُس کی رعایا اُس کے ادنیٰ سے اشارے سے جان پر کھیل سکتی ہے ملکہ کی خوشی کے لئے وہ لوگ موت کو گلے سے لگا سکتے ہیں۔ اس کے بعد اسی طرح کی باتیں چلتی رہیں خونی مناظر پیش ہوتے رہے۔ سامنے ایک لکڑی کی سٹیج فوراً ہی لائی گئی۔ ایک بڑا سا تخت۔ دو آدمی اپنی اپنی خنجروں سے ایکدوسرے پر وار کر رہے تھے۔ اُن میں خوفناک لڑائی ہو رہی تھی۔ ملکہ کی دلچسپی کے لئے وہ خون کی ہولی کھیل رہے تھے۔ دونوں ہی زخمی ہو گئے۔ اُن کے جسم سے۔ چہرے سے۔ سر سے خون ہی خون ٹپک رہا تھا۔ پھر ایک آدمی بُری طرح زخمی ہو کر نیچے گرا۔ دوسرے نے اُس پر حملہ کیا۔ اور اپنے دشمن کو قتل کر دیا۔ بھلا وہ دشمن بھی کہاں کے تھے۔ شاید اس راز کو ملکہ ہی جانتی ہو گی۔ وہ گہری سازشوں پر کڑی نظر رکھتی تھی۔ یہ نرالے کھیل بھی اسی لئے کرائے جاتے ہوں گے۔ دوسرا آدمی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ وہ فاتح تھا۔ اُسے پانی پلانا چاہئے تھا۔ اُس کی مرہم پٹی کرنی چاہئے تھی۔ وہ انعام کا مستحق بھی ہو چکا تھا مگر اُف وہ کیسی انصاف پسند ملکہ تھی اُس نے ایک اشارہ کیا اور اُس زخمی آدمی کو بھی اژدھے کے سامنے پھینک دیا گیا۔ اژدھے نے اُسے سونگھا۔ شاید اُس کا پیٹ بھر چکا تھا۔ اُس نے کھایا نہیں۔ مگر زخمی آدمی تڑپتا رہا۔ پھر شاید خوف سے یا زخمو

سے نڈھال ہو کر ایک ابدی نیند سو گیا۔ میری رُوح بیمار ہو چکی تھی۔ میں نے وہاں سے جانے کے لئے ملکہ سے درخواست کی۔ مگر اُس نے انکار کر دیا۔ اور فوراً ہی دربار برخاست کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

حاضرینِ دربار باری باری ملکہ کو سجدہ کر کے باہر جا رہے تھے اس طرح لوگوں کو دربار خالی کرنے میں کافی وقت صرف ہو گیا۔ اس دوران میں میں نے اپنے آپ کو قدرے سنبھالا میرے دماغ پر بہت بوجھ پڑ چکا تھا۔ کچھ عرصہ بعد دربار بالکل خالی ہو گیا

نواں باب
جہنم کا نظارہ

ہال میں اب صرف دو ہی اشخاص یعنی میں اور ملکہ رہ گئے تھے۔ پچھلا دروازہ تو اکثر بند ہی رہتا تھا۔ اب سامنے والا بڑا دروازہ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ ملکہ نے ایک دلربا انگڑائی لی۔ اور آہستہ سے اپنا نقاب اُلٹ دیا۔ مجھے ایسا لگا کہ اندھیرے سے میں یکدم روشنی میں آگیا۔ یہ حسینہ وہ تو نہ تھی۔ جس نے مجھے ایسے بھیانک منظر دکھائے تھے۔ وہ تو محض خواب تھا۔ میرا واہمہ۔ بھلا ایسی حسین عورت کبھی ایسی حرکت کر سکتی ہے؟ چہرہ اور جسم ایک مجسم نور تھا اور اُس کا قلب ایک بھیانک سیاہ غار۔ ازلی اندھیرا۔ اُس کا حسن اور قلب۔ یہ دو متضاد سمتیں تھیں۔ وہ ایک لمبا سا سانس کھینچتی ہوئی بولی۔

"نجومی! میں بہت تھک گئی ہوں۔ تم بھی تو تھک چکے ہو گے۔ اسی لئے تو میں نے تخلیہ کروا دیا ہے اب تھوڑی دیر آرام کیا جائے۔"

"ملکہ معظمہ بجا فرماتی ہیں۔ آپ کو واقعی قلبی سکون کی ضرورت ہے۔"

اُس نے آگے بڑھ کر اپنے نازک اور پھول جیسے ہاتھوں سے ایک صراحی اپنی طرف کھینچی۔ اُس میں سے ایک جام بھرا۔ یہ بالکل سُرخ اور گاڑھی شراب تھی۔ اُس نے جام میری طرف بڑھایا اور سحر کرتی ہوئی گویا ہوئی۔

"لو میرے عزیز دوست۔ یہ انگوری شراب نہیں ہے۔ اور نہ ہی پھلوں کے رس سے کشید کی گئی ہے یہ ان حسین عورتوں کے خون سے کشید کی گئی ہے جنہیں کہ تم نے میرے دربار میں ابھی ابھی دیکھی تھیں۔"

"نہیں ملکہ نہیں۔ میں یہ شراب نہیں پیوں گا۔"

میں چلا اُٹھا۔ اُس نے مُسکرا کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اس لذیذ شے سے اتنی نفرت! بڈھے تم مجھے خبطی معلوم ہو رہے ہو۔"

میں زور شور سے مزاحمت کر رہا تھا۔ میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ تمام جسم لرز رہا تھا۔ میں پھر چلانے لگا۔

"نہیں ملکہ۔ مجھے مجبور نہ کیجئے میرے بڑھاپے پر ترس کھائیے۔ میں اِسے چھوؤں گا بھی نہیں۔ اس سے میرے علم کو زبردست نقصان پہنچیگا۔ میری تمام عمر کی کمائی رائیگاں چلی جائے گی۔"

میں نے اُس کے آگے ہاتھ جوڑ دئے۔ اُس نے وہ بھرا ہوا جام فرش پر پھینک دیا۔ مگر جلدی ہی دوسرا جام بھر کر اپنے سرخ ہونٹوں سے لگا لیا۔ اُس کی شیشے کی طرح چمکتی ہوئی گردن سے۔ اُس کے حلق سے وہ خون قطرہ قطرہ اندر اُترتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ پُر سکون لہجے میں بولی:۔

"نجومی! بنتے تو بہت ہو۔ طوفان کی پیشگوئی کر کے تم نے اپنے علم کا سکہ میرے اوپر جمانے کی کوشش کی۔ مگر یہ تو ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ ایسے حالات تو قدرتی پیدا ہو جاتے ہیں یہ تمہارے علم کا کوئی خاص مظاہرہ نہ ہوا۔"

پھر وہ رُکی۔ اُس نے اپنا جام خالی کیا اور اُسی لہجے میں بولی :-

"اگرچہ تم نجومی ہو۔ تاہم تم نے اِس کے علاوہ اور بھی علم سیکھے ہوں گے۔ ہم اُن کے کمالات دیکھنا پسند کریں گے۔ کیا۔ کوئی عجوبہ۔ کوئی شعبدہ دکھا سکتے ہو۔"

گو کہ میں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔ آپ میری اصلیت سے واقف ہیں مگر میں نے اس وقت اس بے وقوف ملکہ کو بہلانے کے لئے چند شعبدے اُسی کی درخواست پر دکھانا منظور کر لئے۔ یہ کوئی خاص عجوبہ نہیں اور نہ ہی اس میں جادوگری کو دخل ہے۔ میں اُس کی رُوح کو جھنجوڑنا چاہتا تھا۔ میرا ارادہ اُسے ان بُرے اور خوفناک کاموں سے دُور لیجانے کا تھا۔ مگر بھلا میں کہاں کامیاب ہو سکتا تھا؟ بہرحال میں نے اُسے آنکھیں بند کرنے کو کہا۔ وہ کچھ دیر اسی حالت میں بیٹھی رہی۔ پھر اُسے آنکھیں کھولنے کو کہا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ ہال سفید دھوئیں سے بھر گیا تھا۔ اُس کے ہر کونے سے کراہنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ دھواں شکلیں اختیار کرنے لگا۔ اُس کے آباؤ اجداد کی شکلیں۔ وہ شاندار تاجدار اُس کے سامنے آرہے تھے۔ جنہوں نے کبھی اس ملک کو عظیم بنایا تھا۔ اگرچہ اُن کے چہرے سے غصے اور نفرت کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ تاہم چند ایک روحیں یاس و حسرت میں ڈوبی ہوئی ظاہر ہوئیں۔ پھر کمرے میں چیخ و پکار سُنائی دینے لگا۔ ایک عظیم گذشتہ شاہنشاہ اپنی سُرخ سُرخ آنکھیں نکالے ملکہ کو گھور رہا تھا۔ گویا اُسے تنبیہ کر رہا تھا کہ وہ اپنے ظلم سے باز آئے اس کمرے میں مانچو شاہنشاہ کانگھی کی روح آگئی تھی۔ جس نے اس ملک کو بلند کیا تھا۔ کنفوشیس کی روح۔ چاؤ بادشاہ منگ۔ تنگ اور چنگ دِل ہاں کھڑے تھے۔ ہوئی سنگ وہاں کھڑا لرز رہا تھا۔ پھر جیاتا بدھ کی آتما سامنے آئی۔ اُس کا خاموش اور متانت سے بھرا چہرہ نمودار ہوا۔ اب چیخیں

بند ہو چکی تھیں مگر میں نے دیکھا۔ ملکہ آہستہ آہستہ کراہ رہی تھی پھر اُس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی۔ وہ چلائی :-

"بند کرو۔ یہ شعبدہ۔ اپنی جادوگری مجھے مت دِکھلاؤ۔" یہ کہکر وہ میرے قدموں پر گر گئی۔ میں نے اُسے فوراً ہی آنکھیں بند کرنے کو کہا۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ میں نے اُٹھا کر اُسے کرسی پر بیٹھا دیا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں۔ دیکھا تو وہاں کچھ نہ تھا۔ وہی خاموشی اور ویران کمرہ تھا جہاں ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ پتے کی طرح کانپ رہی تھی۔ وہ کراہتی ہوئی بولی۔

"تم عجیب جادوگر ہو۔ کہاں سے سیکھا تم نے یہ علم؟"

"ملکہ اس بات کو چھوڑو کہ میں نے علم کہاں سے سیکھا۔ مگر یہ بتاؤ کہ یہ روحیں تمھیں کیا کہہ رہی تھیں؟ کیا سبق لیا اُن عظیم روحوں سے؟"

کچھ دیر وہ خاموش رہی پھر جیسے اُس کا حلق سوکھنے لگا۔ اُس نے شراب کا ایک جام منہ سے لگایا۔ اب وہ ماضی سے حال میں آچکی تھی۔ پتھر پر بوند پڑی نہ پڑی۔ وہ جام کے زیر اثر جھومتی ہوئی بولی۔

"نجومی! ماضی ماضی ہے۔ وہ واپس نہیں آسکتا۔ میں نے یہ تمام رُوحیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گہری زمین کے نیچے دفنا دی ہیں۔ اب وہ کبھی زندہ نہ ہوں گی۔ مگر یہ میں ضرور مانتی ہوں کہ تمہارا علم ہے یا کمال۔"

وہ رُکی اور سوچتی ہوئی بولی۔

"نجومی! میرے ملک میں اب بوسیدہ خیالات نہ چلیں گے۔ پرانی روایتیں ہماری شامل حال نہ ہو سکیں گی۔ یہ نیا دور ہے۔ اس پر میری حکومت ہے اور میں نے اپنے ملک کو اپنے مضبوط شکنجوں میں جکڑ لیا ہے۔ کوئی مائی کا لال میرے جیسی حکومت قائم نہیں کر سکتا۔ یہ حکومت اسی طرح چلیں گی

اور اس کے لیے بہتوں کو قربانی دینی ہوگی۔"

آہ ناگن۔ تیرا زہر میں نہ نکال سکا۔ کتے کی دُم بارہ سال نلی میں رہنے کے بعد بھی ٹیڑھی ہی رہی۔ رسی جل گئی مگر بل نہ گیا۔ بجائے اپنی نازیبا حرکتوں کے پشیمان ہونے کے اُس نے فخر سے سر بلند کیا اور بولی۔

"مجھے اپنے طریقِ حکومت پر ناز ہے۔ اِس کے آئین پر ناز ہے۔ میرے لوگوں میں قربانی کا مادہ ہے۔ فنا کے بعد ہی بقا ملتی ہے۔ اس لئے چند ایک قربانیوں سے کیا ڈرنا۔ میں اپنے ملک کو ایک نئے ڈھنگ سے چلا رہی ہوں۔ دنیا اگر اس سے جلتی ہے تو جلا کرے۔ میں موت کا خوف اپنی رعایا کے دل سے نکال رہی ہوں۔ آؤ نجمی۔ میں تمھیں وہ جگہ دکھاؤں گی جہاں لوگوں کو نڈر بنایا جاتا ہے۔"

وہ اپنے جلالی تخت سے نیچے اُتری۔ چمکدار سنہرے سلیپر پہنے۔ اپنے ڈنڈے سے ایک خاص آواز پیدا کی۔ عقبی دروازہ یکدم کھل گیا۔ اُس نے چہرے پر نقاب ڈال لیا اور پیچھے ہولی۔ اٹھلاتی ہوئی۔ سو سو بل کھاتی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ اُسے پار کرکے ہم محل کے عقبی حصے کی طرف جانے لگے۔ کافی دور تک چلتے گئے۔ کتنے ہی بڑے برآمدے پار کرتے رہے۔ نہ معلوم یہ محل کتنا بڑا تھا۔ آخر محل ختم ہوگیا۔ یہاں ایک پہاڑی تھی۔ زیادہ اونچی نہ تھی۔ اس کی بلندی ہزار فٹ کے لگ بھگ ہوگی۔ ہم اُس پر چڑھنے لگے۔ میں نے از راہ شوق اُس سے راستے میں دریافت کیا کہ اب وہ مجھے کیا دکھانے جا رہی تھی۔ اُس نے بتایا کہ یہ ایک خاص تربیت گاہ ہے۔ ایسی جگہیں اُس ملک میں جا بجا تھیں مگر اس جگہ اُن خاص فوجیوں کو سکھایا جاتا تھا۔ جو یا تو ملکہ کے باڈی گارڈ بنتے تھے۔ یا اُنکے خاص

منظورِ نظر۔ اُن لوگوں کو اُونچے رتبے پر تعینات کیا جاتا تھا۔ انھیں بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی تھیں جب ہم پہاڑی پر چڑھ گئے۔ تو وہاں بہت سے سپاہی تھے۔ جنھیں ٹریننگ دی جا رہی تھی وہ اکثر ننگے تھے۔ اُن کے جسم شیشے کی طرح چمک رہے تھے۔ ملکہ کو دیکھتے ہی وہ دوزانو ہو گئے۔ وہاں میں نے دیکھا دو پہاڑیوں کی چوٹیاں یہاں آکر ختم ہوتی تھیں۔ یہاں ایک بڑا سا میدان بھی تھا۔ مگر دونوں پہاڑیوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ لگ بھگ بیس فٹ کا۔ یہاں ہر طرح کی فوجی تربیت کا سامان تھا۔ مختلف قسم کے کرتب انھیں سکھائے جاتے تھے۔ عمودی چڑھائی چڑھنا کافی بلندی سے نیچے چھلانگ لگانا۔ آپس میں ننگے ہتھیاروں سے فوجی مشق کرنا۔ وغیرہ۔ مگر سب سے مشکل حصہ جو ملکہ نے مجھے بتایا یہ تھا کہ سپاہیوں کو ایک چوٹی سے دوسری چوٹی تک چھلانگ لگانا پڑتا تھا چنانچہ ہمارے وہاں پہنچتے ہی ٹریننگ کے کرتب شروع ہوگئے۔ سپاہی ایک بلندی پر پہنچ گئے۔ انھوں نے اپنے آپ کو اُوپر سے گرا دیا۔ وہ ایک پتھر کی طرح نیچے آرہے تھے۔ بہت سے صحیح سلامت اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کئیوں کے چوٹیں آئیں اور چند ایک بے ہوش بھی ہوئے۔ پھر میں نے دیکھا ایک آدمی دور سے دوڑتا ہوا آیا اور چھلانگ کر ہمارے والی چوٹی سے دوسری چوٹی پر پہنچ گیا۔ میں اُس کی بہادری کی داد دئے بغیر نہ رہ سکا۔ اتنی بڑی خلیج کو وہ پار کر گیا تھا۔ پھر دوسرا آیا۔ وہ بھی اُسے پار کر گیا۔ میں دل میں ملکہ کے نوجوانوں کی تعریف کر رہا تھا۔ مگر افسوس تیسرا نوجوان اُس بڑے پاٹ کو پار نہ کر سکا۔ وہ قلابازیاں کھاتا ہوا۔ پہاڑیوں کی دیواروں سے ٹکراتا ہوا گہری غار کے اندر غرقاب ہوگیا۔ میں نے آگے جھک کر دیکھا مجھے اُس کی لاش تک نظر نہ آئی۔

یہ ٹریننگ جاری رہی کوئی کودنے میں کامیاب ہو جاتا۔ تو کوئی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ ملکہ کا بہادر چننے کا یہ انوکھا ڈھنگ تھا۔ اب میں اس دیدہ و دانستہ خونریزی کے مناظر سے تنگ آچکا تھا۔ لہذا جلدی ہی واپس لوٹنے کی درخواست کی۔ وہ بھی اب واپس ہونا چاہتی تھی۔ لہذا ہم دونوں لوٹ چلے مگر واپسی پر وہ مجھے دوسرے راستے سے لائی۔

یہ راستہ اُس مہیب غار کی تہہ کے پاس سے گذرتا تھا جو دونوں پہاڑیوں کی چوٹیوں کے درمیان تھا۔ وہاں میں نے دیکھا بیسیوں نوجوانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ کسی کا بھیجہ باہر نکلا ہوا تھا۔ کسی کی شکل ناپہچانی ہو رہی تھی۔ چند ایک میں ابھی کوئی کوئی سانس چل رہا تھا۔ گویا ابھی ابھی ٹھنڈا ہوا چاہتا ہے اچانک میری نظر پہاڑیوں کے درمیان اوپر کو اُٹھ گئی سطح زمین سے کوئی ڈیڑھ سو فٹ بلندی پر ایک نوجوان ایک درخت کے بڑھے ہوئے تنے اور شاخوں کے درمیان اٹکا ہوا تھا وہ زندگی اور موت کی کشمکش کے درمیان تھا۔ مجھے اتنی دور سے اُس میں حرکت دکھائی دے رہی تھی۔ اُس کی حالت واقعی قابلِ رحم تھی۔ میں نے ملکہ کو اشارے سے وہ آدمی دکھلایا اور درخواست کی کہ کسی طرح اُسے بچایا جائے مگر وہ بولی۔

"یہ ناممکن ہے کہ ایسا کم ہمت انسان میری توجہ کا مستحق ہو۔ بھلا اُسے جینے کا کیا حق ہے اسے یہیں تڑپ کر مرنا ہوگا۔ مجھے ایسے آدمیوں سے نفرت ہے۔ چلو دیر ہو رہی ہے"۔

ہم اُس غریب کو اُسی حالت میں چھوڑ کر واپس جا رہے تھے۔ اُس بیچارے کی مدد تو کیا کرنی تھی۔ ملکہ کے دل میں اُس کے لئے رحم کا مادہ تک نہ تھا۔ نہ معلوم کتنے نوجوانوں کی یہی حالت ہوتی ہو گی۔ وہ اسی طرح ایڑیاں رگڑتے ہوئے

موت کی ابدی نیند سو جاتے ہوں گے۔ اب اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ شہر میں روشنیاں جگمگا اُٹھی تھیں۔ ملکہ واپسی پر مجھے اپنے شب خوابی کے کمرے میں لے آئی تھی۔ وہاں اُس نے اور میں نے مل کر کھانا کھایا۔ گفتگو چلتی رہی۔ وہ بولی۔

"نجومی۔ تم نے شعبدے تو دکھلائے۔ پرانی روحوں کو بیدار کر کے مجھے ڈرانے کی کوشش کی مگر تم نے مجھے آنے والے واقعات سے خبردار نہیں کیا۔ آخر تم عالم ہو۔ اور میں تمہاری مداح ہوں؟"

میں نے اپنا پیچھا چھڑانے کی غرض سے کہا۔

"جب آپ کو میرے علم پر اعتقاد ہی نہیں تو بھلا جھوٹی تعریف کیسے کرو گی"

"نہیں نجومی۔ تم میرے کہنے کا بُرا مت مانو۔ اگر سچ پوچھو تو مجھے تمہارے اوپر اعتبار ہوتا جا رہا ہے بلکہ مجھے تمہاری شخصیت سے خوف بھی ہونے لگا ہے نہ معلوم تم کون ہو۔ میں نے تمہارے جیسا انسان آج تک نہیں دیکھا"۔

"بہت خوب! اب آپ مجھے بنانے بھی لگیں؟" میں نے برجستہ کہا۔

وہ کھانا کھاتے کھاتے رُک گئی۔ وہ میری چاپلوسی پر تلی ہوئی تھی۔ اب میں مجبور ہو چکا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ بات کو طول دے کر کہیں میرا راز ہی مجھ سے معلوم نہ کر لے۔ لہذا میں نے وعدہ کیا کہ آنے والے واقعات کا آج ہی رات اُسے پتہ دوں گا۔ میں خاموش کھلی چھت پر چلا آیا۔ یہاں اکیلا میں بہت دیر تک کھڑا رہا۔ مطلع صاف تھا۔ ستارے جھلملا رہے تھے۔ مجھے اُن سے فال مل گئی تھی۔ اتنے میں میں نے دیکھا دبے پاؤں میرے نزدیک آکر رُک گئی۔ اُس نے پیچھے سے آکر میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے مڑ کر اُسکی طرف دیکھا اُس کی آنکھوں میں وہی سوال تھا۔ میں مدعا سمجھ گیا۔ اور کہنے لگا۔

"ملکہ! گستاخی معاف۔ آپ مجھے مجبور کر رہی ہیں کہ میں آپ کے روبرو

پیشنگوئی کروں۔ تو سنو! ایک خطۂ زمین جو دنیا میں سب سے بلندی پر واقع ہے۔ تمہارے "ملک کے جنوب میں۔ وہاں جلدی ہی بغاوت ہونے والی ہے وہاں تباہی اور بربادی کا ایک خوفناک ڈرامہ کھیلا جائے گا"۔

ملکہ یکدم پیچھے ہٹ گئی۔ گویا اُسے بجلی چھو گئی ہو۔ اُس نے نقاب اُلٹ رکھا تھا۔ چاند کی ہلکی روشنی میں مَیں نے دیکھا اس کا چہرہ زرد پڑنے لگا تھا۔ وہ غصّہ سے تمتما رہی تھی۔ اُس کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح چھت پر چکر کاٹنے لگی۔ اُس کا غصہ حدود کو پار کر رہا تھا۔ اُس کے چہرے کو دیکھ کر میں بھی کانپ اُٹھا۔ مَیں نے ایک سچی بات بتا کر نہ معلوم کیا غلطی کی تھی۔ اس کا انجام بھی مجھے معلوم نہ تھا۔ وہ میرے سامنے مجسّم نارِ جہنم بنی ہوئی گھوم رہی تھی۔ پھر یکدم میرے برابر آکر رُکی اور چیختی ہوئی بولی۔

"بڑے منحوس نجومی ہو تم"۔

میری حالت اُس بے وقوف جیسی ہو رہی تھی جو دانستہ نادانی سے ایک مصیبت اپنے اوپر نازل کر لیتا ہے۔ خوف و ہراس میں انسان میں سوچنے کی شکتی غائب ہو جاتی ہے۔ انسان کے جذبات کس طرح تغیر پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ غم و غصّہ۔ خوف و ہراس۔ مایوسی و حسرت۔ میں ان کا مطالعہ کر رہا تھا۔ وہ یکدم میری طرف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چلاتے ہوئے بولی۔

"کیا کہا تم نے؟ دنیا کا بلند ترین خطہ میرے خلاف بغاوت کریگا؟ ٹھیک ہے۔ جو ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ مگر نجومی! تم دیکھو گے کہ وہ ملک نہ رہے گا۔ اُس کے باشندے نہ رہیں گے۔ مَیں وہاں تباہی و بربادی کے منظر تمھیں دکھاؤنگی۔ اُس کے فرمانروا تمھیں نظر نہ آئیں گے

اُن کی تہذیب اُن کا تمدّن۔ کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ تم دیکھو گے۔ وہ ملک نمونۂ جہنم بن جائے گا۔ لوگ پناہ کی التجا کریں گے۔ مگر انھیں پناہ نہ ملیگی۔ نجومی۔ اگر تمہاری پیشنگوئی سچ ثابت ہوئی تو میں بھی تمھیں ایک ایسا منظر دکھاؤنگی جو آج تک دُنیا میں کہیں بھی ظہور پذیر نہوا ہوگا"۔

وہ کچھ دیر رُکی۔ پھر بولنے لگی۔

"تمھیں اپنی پیشنگوئی کا حشر بھی دیکھنا ہوگا۔ نجومی تمہارے ستارے میرے خلاف سازش تو کر سکتے ہیں۔ مگر وہ میری مار کی تاب سے بے بہرہ ہیں۔ جاؤ۔ اب آرام کرو۔ مَیں تمھیں جلد ہی آگاہ کر دونگی۔ میرے اگلے حکم کے منتظر رہو۔ اس وقت مجھے تخلیہ چاہیئے۔ میں نے بہت کچھ سوچنا ہے۔ اس لئے آؤ میرے ساتھ تمھیں اپنے مکان پر بھیجنے کا انتظام کرتی ہوں"۔

ہم نیچے آ گئے۔ اُس نے اشارے سے اپنا حکم صادر کر دیا۔ میں بند گاڑی میں اپنے زمین دوز مکان کی طرف جا رہا تھا۔ اپنی نادانی پر پاگل ہوا جاتا تھا نہ معلوم ملکہ کیا قدم اٹھائے گی جو کچھ اُس نے کہا تھا۔ میں اس کے تصوّر سے خوف کھانے لگا۔

میری اپنی ہی کی ہوئی پیشنگوئی نے میرے دل کا چین کھو دیا۔ راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ اچانک میں بیٹھے ہوئے چونک پڑتا۔ نہ معلوم ملکہ کیا کر رہی ہو گی۔ شاید وہ مجھے بھی کوئی ذاتی اذیت دے۔ کبھی کبھی مَیں اس ملک کے متعلق سوچتا۔ جو دنیا کی چوٹی پر آباد تھا۔ وہاں کے لوگ کیسے ہوں گے وہ کیا کرنے والے ہیں اور ملکہ کا رویّہ اُن کے ساتھ کیا ہوگا۔ شاید وہ اپنے آدمیوں کو بھیج کر وہاں صلح صفائی کا انتظام کرے۔ مگر اُس سے ایسی توامید ہی تھی۔

آپ مجھ سے سوال کریں گے کہ جب میں اُس ملک کی بغاوت کی بھوشیہ وانی کر سکتا تھا تو کیا اُس کا انجام نہ جان سکتا تھا۔ اُس کی تباہی و بربادی کا حال جو ملکہ کے ہاتھوں ہونے والا تھا۔ نہ جان سکتا تھا۔ یا پھر آپ پوچھیں گے کہ اس کا ردِ عمل بھی کیوں نہ سوچ لیا۔ سوال جتنا وزنی ہے اُتنا مضحکہ خیز بھی ہے۔ عام آدمیوں کے لئے ان علموں سے اگر یہ معلوم کرنے کی شکتی ہوتی۔ اگر علم نجوم۔ علم جوتش۔ علم رمل یا کسی بھی علم الغیب میں یہ بتانے کی طاقت ہوتی۔ تو ان علموں کو حاصل کرنے والے خود ہی ان سے فائدہ اُٹھا کر کچھ سے کچھ نہ بن جاتے۔ وہ حکمراں بن سکتے تھے۔ وہ اپنی روحوں کو اونچا اُٹھا سکتے تھے۔ وہ دنیا کو اپنی مٹھی میں رکھ سکتے تھے۔ وہ دوسروں کے رحم و کرم پر کیوں اپنی بے ذائقہ زندگی بتاتے۔ اور پھر ہر علم کی حدیں ہوتی ہیں۔ دور درشٹی کی خاص سیمائیں ہوتی ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے میری بھی حد بند ہو چکی تھی۔ اُس سے آگے نقوش دھندلے پڑنے لگے تھے اور میں آگے نہ دیکھ سکتا تھا۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔

چند دن اسی تذبذب میں گذر گئے۔ ملکہ نے مجھے یاد ہی نہ کیا۔ اور نہ ہی کوئی بلاوا آیا۔ یہ تو میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ میری حیثیت ایک قیدی سے بہتر نہ تھی۔ یہ دن بڑے ہی بے چینی میں گذرے۔

آخر وہ دن آگیا۔ جب ملکہ نے مجھے یاد کیا۔ کاش اُس نے مجھے نہ بلایا ہوتا۔ اس پنجرے کی قید ہی بھلی تھی۔ بدستور ملکہ کے خادم آئے۔ اُنہوں نے مجھے آگاہ کیا کہ ملکہ ایک دور دراز ملک کی سیاحت کا انتظام کئے ہوئے ہے۔ اور مجھے اپنے ساتھ لیجانا چاہتی ہے بلکہ یہ اُسی کا حکم تھا جس سے میں انکار

نہ کر سکتا تھا۔ اگرچہ مجھے خیال تھا کہ شاید اُسی خطہ زمین کی طرف جانا ہوگا جس کے متعلق میں نے پیشگوئی کی تھی۔ تاہم یہ بھی خیال گذرا کہ شاید ملکہ میرے ذریعے اس قصے کو نپٹانے کی سوچ رہی ہوگی۔ اس خیال نے مجھے فوری خوشی دی۔ میں نے سوچا۔ جیسے شہزادے نے بڑے بڑے ملکوں کے جھگڑے نپٹائے تھے۔ اور میں اُن میں شامل ہوتا رہا تھا۔ شاید میں بھی ایسا کر سکوں۔ اُس کی تقلید کر کے ملکہ کا معاون بنوں۔ ہر حال مجھے اس بات کی بھی فوری خوشی تھی کہ میں اس قید سے آزاد ہو رہا ہوں۔ مجھے تیاری کے لئے چند لمحات مل گئے اور تھوڑے عرصے کے بعد میں ملکہ کے حضور میں کھڑا تھا۔

سفر کی تیاریاں مکمل تھیں۔ ملکہ نے اپنے ساتھ کافی لاؤ لشکر لے لیا تھا۔ گاڑیاں۔ گھوڑے۔ خچریں۔ بیل نما ایک جانور جسے 'یاک' کہتے ہیں۔ وہ تمام لدے پھندے ہوئے تھے اور ایک لمبی قطار میں کھڑے تھے۔ ملکہ کی سنہری گاڑی پر اُس کا ذاتی پرچم لہرا رہا تھا۔ وہ گاڑی اس لمبے کارواں کے وسط میں تھی۔ میری گاڑی اُس کے پیچھے تھی۔ میں نے ملکہ کو سلام کیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ ملکہ میرے سے ناراض ہے۔ اُس نے کچھ بے رُخی کا ثبوت دیا۔ تاہم میں بنا چُون و چراں کئے اپنی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ یہ گاڑی بالکل بند نہ تھی۔ بلکہ میں اُس کی سامنے والی کھڑکی سے نظارہ دیکھ سکتا تھا۔ چنانچہ اب ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ ایک لمبا کارواں سیاہ اژدہے کی طرح بل کھاتی ہوئی کشادہ سڑکوں سے گذرتا گیا۔ جس جگہ میری ملکہ سے ملاقات ہوئی وہ علاقہ شہر سے باہر تھا چنانچہ جلدی ہی مجھے کھیت دکھائی دینے لگے منظر نہایت دلکش تھا۔ زمین کی مٹی زرد تھی۔ فصلوں کی رنگت زعفرانی تھی۔ پھول جو سڑکوں کے دونوں طرف اُگائے گئے تھے۔ وہ بھی زرد رنگ

کے تھے۔ اُن میں کہیں کہیں کوئی سُرخ چمپئی۔ یا نیلا رنگ لئے ہوئے تھا۔ گویا یہ سونے میں میناکاری کرکے نگ جڑے ہوئے تھے۔ اُس زرد سطح زمین پر نیلا آسمان چمک رہا تھا۔ سورج کی کرنیں اُس سُنہری دھرتی کو اس طرح روشن کرتی تھیں۔ گویا کسی جوہری نے اپنی دکان میں ہزاروں شمعیں روشن کردی ہوں۔

میں اپنی منزل مقصود سے بے خبر تھا ملکہ نے مجھے تخلیہ میں ملنے کا موقع ہی نہ دیا تھا۔ ابھی تک میں اُس کی قربت سے محروم تھا۔ وہ عورت بھی کیا تھی وہ چاہے کتنے ہی ظلم روا رکھتی تھی۔ مگر میرا احترام کرتی تھی۔ مگر اب میں مشکوک سا ہوگیا۔ کہ آخر میں نے ایسا کونسا جُرم کردیا کہ مجھے باریابی تک نصیب نہ ہوئی۔

اس وقت میرے سامنے ایک لمبا راستہ تھا۔ کشاں کشاں۔ رواں دواں۔ یہ قافلہ تھا۔ کس سمت جائے گا! کہاں رُکیگا؟ کیا ہے منزلِ مقصود۔ اس کی کون جانے۔ یہ دور اُفق کی تلہٹیوں میں جاکر گم ہو جائے۔ شفق کی وادیاں اسے اپنی پیاری گود میں لے لیں۔ ان خلاؤں میں مجھے یہ قافلہ ایک حقیر سا رینگتا ہوا جاندار معلوم ہونے لگا۔ اور اس وسیع و عریض مملکت کائنات میں ملکہ کی ہستی۔ ایک ہیچ چیونٹی جیسی تھی۔ مگر واہ ری قدرت۔ تونے چیونٹی کو پَر عطا کر دیئے۔ اور وہ طاقت پرواز لے کر بلندیوں کو چھونے چلی۔ وہ اپنی ہستی کھو بیٹھی۔ اُس نے سمجھ لیا کہ میں ہی میں ہوں۔ کون ہوتا ہے اس ارض و مکان کا بنانیوالا؟ کتنا مضحکہ خیز ہے اس کا تخیل۔ رحم آتا ہے اس چیونٹی پر۔

کئی دن ہم لگاتار سفر کرتے رہے۔ رات کے وقت یہ قافلہ آرام کرنے کیلئے رُک جاتا۔ شمعیں روشن ہو جاتیں۔ ایک چھوٹا سا شہر چراغاں نظر آنے لگتا۔ لوگ کھانے پینے میں لگ جاتے۔ مجھے ہر رات یہی خیال آتا کہ شاید ملکہ آج بھی مجھے یاد کریگی۔ مجھے اپنے اس سفر کے متعلق ذکر کریگی۔ مگر

اُمید بر نہ آئی میں نے قافلے کے لوگوں سے پہلے تو دریافت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مگر بعد میں دو ایک سے معلوم کرنیکی کوشش کی۔ شاید انھیں معلوم نہیں تھا۔ یا ملکہ نے بتانے سے منع کردیا ہوگا۔ بہرحال کسی نے بھی مجھے نہ بتایا کہ ہم کہاں جارہے ہیں۔ کیوں جارہے ہیں۔ اتنے بڑے مجمعے میں میرا کوئی ساتھی نہ تھا۔ کوئی ہمدرد نہ تھا۔ مگر میں جا رہا تھا۔ بندھا ہوا سا۔ میں تھا اور میرا تخیل۔

اب سلسلہ کوہ شروع ہوگیا تھا۔ آگے گاڑیاں نہ جاسکتی تھیں۔ انھیں خیرباد کہدیا گیا۔ چند لوگوں کی سپردگی میں وہیں چھوڑ دیا گیا۔ سامان خچروں اور یاک پر پہلے ہی لدا ہوا تھا۔ گھوڑوں پر چیدہ چیدہ سوار روانہ ہوئے اور باقی جو تھے یا تو پیدل چل رہے تھے یا خچروں کا سہارا لے رہے تھے ملکہ ایک خوبصورت اور برق رفتار گھوڑے پر سوار ہوگئی تھی۔ مجھے بھی ایک اصیل اور برق رفتار گھوڑا مل گیا تھا۔ اب ہمارا یہ لمبا قافلہ آسمان کی بلندیاں چھونے جارہا تھا۔ جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوگیا تھا۔ ہم اُس دیش کی یاترا کرنے جارہے تھے جہاں دیوتا رہتے تھے جہاں کے انسان ہر وقت اُس مالکِ دوجہاں کی حمد و ثنا میں مگن رہتے تھے۔ جنہوں نے تیاگ مورت مہاتما بدھ کو اپنا معبود بنالیا تھا جس نے نروان کا دروازہ اُن کے لئے کھول دیا تھا جو کھاتے پیتے۔ بیٹھتے۔ اُٹھتے۔ ہر وقت بھگوان کی یاد میں مگن رہتے تھے۔ یہاں کا منظر قابلِ دید تھا سفید برف پوش چوٹیاں سورج کی کرنوں سے جگمگا رہی تھیں۔ یہ نورانی بلندیاں عرشِ معلی کو چھونے جارہی تھیں۔ ان پہاڑوں میں صاف و شفاف جھیلیں تھیں۔ جن کے پانیوں میں ہیرے۔ زمرد۔ لال و گوہر کی چمک دکھائی دے رہی تھی۔ ان پہاڑوں کے اندر کیا کیا کچھ چھپا ہوا تھا۔ دُنیا کی کتنی دولت جمع

تھی۔ جو انسان کی نظر سے اوجھل تھی۔ یہاں پہنچکر وہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے صرف روحانی باتیں ہی اُسے سوجھتیں ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خدا کے نزدیک محسوس کرنے لگتا ہے۔ پاک پوتر روحیں اُس کا خیر مقدم کرتی ہیں وہ اُسے پکار پکار کر کہتی ہیں :۔

"دیکھ۔ او فانی۔ مغرور انسان۔ ہم تجھ سے کتنی بالاتر ہیں! کتنی بلندیوں پر ہے ہمارا مسکن۔ بھول جا اپنے آپ کو۔ اور سما جا ہماری گود میں۔ ہم تجھے اُس جنت میں لے جائیں گی جس کے تو خواب دیکھتا رہتا ہے۔ تجھیں وہ راحت۔ وہ سکون۔ وہ شانتی ملیگی۔ ہماری اس رفعت میں جو تو فانی دنیا کے جھگڑوں میں پھنسکر کھو بیٹھا ہے۔ آ۔ ہمارے پاس آ۔ ہم وہ پریاں ہیں جو تجھیں ساتوں آسمان کی سیر کرائیں گی۔ تو مادی نظروں سے اُس کی سیر کرنا چاہتا ہے مگر تیرا سفر صرف قیاس پر ہی مبنی ہے۔ بالفرض محال اگر تو اپنے مادی ذرائع کے ذریعے ہوا میں پرواز کرنے کے قابل بھی ہو گیا۔ پھر بھی تیری یہ پرواز تجھے سکون قلب نہ دے سکیں گی۔ تجھے ہر وقت خطرہ لاحق ہو گا کہ اب بھی تیرا ایئر گرا۔ اب بھی تیری ہڈیاں چُور چُور ہوئیں۔ مگر ہمارے ساتھ رہکر تجھے ایسا خطرہ نہ ہو گا..... آ کہ رحمت کے فرشتے بُلا رہے ہیں تجھے....."

سفر۔ سفر.... لا انتہا سفر۔ مسافر کیلئے سفر ہی اُس کی منزل ہے۔ وہی اُس کی راحت ہے وہی سکون ہے۔ میرا سفر بے جان۔ زہر یہ ہے۔ احساس سے مبرا۔ چنتاؤں۔ امیدوں۔ تمناؤں۔ خوف و وحشت۔ یاس و حسرت خوشی و غم۔ شوق اور مستقبل کی آرزو۔ ان سب سے بے گانہ۔ مگر انسان کا سفر ان سب کا اجتماع ہے۔ وہ منزل کا متمنی ہوتا ہے۔ اَن جانے موڑوں۔ رکاوٹوں سے وہ حظ محسوس کرتا ہے۔ اُس کی ناامیدی میں بھی اُمید کی جھلک

رہتی ہے۔ یاس میں خوشی کی تمنا ہوتی ہے وہ گرتا ہے تو اُبھرنے کی خواہش لیکر۔ پھسلتا ہے تو پھر چڑھنے کے لئے۔ عجیب ہے یارو یہ دنیا۔ تیری لیلا نیاری ہے بنانے والے۔ اَے خالق قدرت عجب ہے تیرا یہ کھیل تماشہ۔

پتہ نہیں ہم کتنے دن چلتے رہے۔ گھسٹتے رہے۔ ہانپتے رہے۔ ملکہ مجھ سے دور دُور رہتی تھی۔ شاید وہ میری پیشینگوئی سے ہراساں تھی۔ یا شاید اُسے مجھ سے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ مجھ سے وحشت کھانے لگی تھی۔ مجھے وہ پاگل جنونی سمجھنے لگی ہو گی۔ ایک سر پھرا بوڑھا۔ جس نے اُس کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ میں یہی سمجھ رہا تھا مگر میں اُس کے باطن کی بات کیسے سمجھ سکتا تھا۔ الفاظ۔ چہرے کے تغیر۔ یا انسان کی حرکات ہی اُس کے قلب کی حقیقت کو دوسروں پر روشن کرسکتے ہیں۔ مگر خاموش اور دوری سے کیا پتہ چلتا۔ میں اُس کے خیالات معلوم نہ کر سکا۔

ہم بلند چوٹیاں پیچھے چھوڑتے جا رہے تھے۔ ہمارے سامنے اُن سے بھی بالاتر چوٹیاں آ رہی تھیں۔ ہر عروج کو زوال ہے۔ ہر بلندی کے ساتھ پستی وابستہ ہے یہ دستورِ عالمِ فانی ہے۔ البتہ روحانی بلندی کے لئے پستی نہیں۔ اُس کے عروج کو زوال نہیں۔ مگر یہ پہاڑ اگرچہ روحانی تصور پیدا کرسکتے تھے مگر تھے تو مٹی اور پانی سے بنے ہوئے۔ ان میں بھی پستیاں تھیں۔ گہری اور مہیب غاریں۔ جب میری نگاہ اُن اندھیری۔ کالی بھیانک غاروں کی طرف چلی جاتی۔ تو مجھے اُن میں ملکہ کی شکل نظر آنے لگتی۔ اس کا خوبصورت چہرہ نقاب سے ڈھکا ہوا اُن زمین دوز کھڈوں سے جن کی تہیں نگاہوں سے چھپی ہوئی تھیں وہاں سے مجھے مخاطب کرتا ہوا معلوم دیتا۔ کیا کہتا

چاہتا تھا وہ چہرہ۔ یہی نہ کہ

"اے بلندیوں کی طرف منہ اٹھا کر دیکھنے والے۔ اِدھر دیکھ۔ اصلی دُنیا اِدھر ہے۔ ان عروجوں کا خزانہ یہاں دفن ہے۔ ان چوٹیوں کی بنیادیں یہاں ہیں۔ بنیادوں کے بغیر یہ بلندیاں کچھ بھی نہیں۔ اگر میں ان کو ہلا دوں تو بھلا جانوں تمہاری چوٹیاں کہاں جاتی ہیں۔ کیا یہ ہوائیں ٹھہر سکتی ہیں؟ کیا خلا انھیں اپنے اوپر سہار سکتا ہے۔ ہم فانی انسان انھیں بنیادوں سے وابستہ ہیں۔ ہمیں ان روحوں کی ارتقا سے کیا مطلب؟ خلاؤں سے ہمیں کیا لینا؟ ہواہیں پرواز کرنے سے کیا راحت ملیگی؟ جو راحت ان تہوں میں ہے۔ جو عیش و عشرت نیچے ہے وہ اوپر نہیں ہو سکتا۔ زر و مال۔ لا انتہا دولت جو یہاں موجود ہے اُن کا ذرہ بھی تمھیں وہاں نہ ملیگا اور مجھے دولت سے پیار ہے۔ میں نے روح جیسی بے معنی اور لغو شے کو کچل دیا ہے۔"

دن گذرتے گئے۔ ہم کافی اونچائی پر آگئے تھے۔ یہاں ہوا کی تعداد قدرے کم ہونے لگی تھی۔ سانس اگرچہ ٹھیک آرہا تھا۔ تاہم کچھ کچھ گھٹن سی لگنے لگی تھی۔ اب ہمیں راستے میں اِکا دُکا مرد۔ عورتیں نظر آنے لگے۔ مگر یہ کیا؟ اس قافلے کو دور سے دیکھتے ہی وہ چھپ جاتے۔ یہ وہی انسان تھے جنہوں نے عرفان کی بلندیوں میں اپنا مسکن بنایا تھا۔ مگر ایسا کیوں تھا؟ وہ وحشت زدہ معلوم دیتے تھے۔ اُن کے چہروں سے نور کی بجائے خوف و ہراس دکھائی دے رہا تھا۔ وہ چلتے تو سہمے سہمے۔ وہ نزدیک آتے تو ڈرے ہوئے۔ ہم آگے بڑھے۔ عجیب اور ڈراؤنے منظر دکھائی دینے لگے۔ کہیں کہیں خستہ شکستہ مکان تھے۔ مگر ادھ جلے۔ کہیں جھونپڑیاں تھیں مگر نذرِ آتش ہو چکی تھیں۔ یہ کس ظالم کا کرشمہ تھا؟ کس نے ان ایشور کے بندوں پر

ظلم ڈھایا تھا؟ کون پاپی تھا جس نے اس مخلوقِ خدا و بند کو ستایا تھا ..... ادھ جلے مکان ..... سلگتے ہوئے مندر ..... بکھری ہوئی لاشیں ..... یہ سب کچھ کیا تھا؟ کیوں تھا؟ پھر ایک تقریباً عمود دی چڑھائی سامنے آگئی۔ یہاں قافلے کو رُکنے کا حکم دیا گیا۔ شاید یہ ہمارا پڑاؤ تھا میں نے کم از کم اُس وقت یہی خیال کیا۔ ملکہ گھوڑے سے نیچے اُتری۔ اس وقت اُس کے چہرے سے یاس و حسرت ہویدا تھے۔ اس لئے وہ تمام اہتمام نہ کیا گیا۔ جس کی وہ عادی تھی کسی انسانی جسم کو زمین پر لیٹنے کا حکم نہ تھا۔ جس کے اوپر وہ پاؤں رکھ کر چلتی۔ یہ طریقِ سجدہ اُس نے خاص موقعوں کے لئے اُٹھا رکھا تھا۔ ملکہ نے ایک اشارہ کیا۔ سب لوگ وہیں رُک گئے۔ ملکہ نے مجھے اپنے نزدیک بلایا تھا۔ وہ اپنی رعایا سے اشاروں سے ہی کام لیتی تھی۔ وہ شاذ و نادر ہی اُن کے لئے کوئی الفاظ استعمال کرتی تھی۔ اُس کی رعیت تو ایک مشین کے پُرزے تھے۔ جنہیں اشاروں سے وہ جدھر چاہتی گھماتی تھی۔ مجھے بھی اُس نے اشارے سے اپنے پاس بُلایا۔ میں تیز قدم اُٹھاتا ہوا اُس کی طرف بڑھا۔ اُس نے سامنے والی چڑھائی کی طرف اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا۔ وہ آگے آگے پیدل چلنے لگی۔ اور میں اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ یہ چڑھائی کافی مشکل تھی۔ مگر میرے لئے کوئی خاص دِقت نہ تھی۔ ملکہ نہایت سرعت سے میرے آگے چل رہی تھی۔ میں گویا پالتو جانور تھا جو اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ خطرناک پھسلنے والے پتھروں کے اوپر اس لاپرواہی سے چل رہی تھی گویا اُس کے قدم انھیں نہ چھو کر ہوا میں ہی پرواز کر رہے ہوں۔ ایک خوبصورت نشیلا سا رقص کرتی چلی جا رہی تھی۔ کبھی وہ دائیں جھول جاتی کبھی بائیں کبھی آگے اور کبھی پیچھے کبھی ہلکا

قدم لمبا پڑتا کبھی چھوٹا۔ پتہ نہیں اس ناچ کو میں کیا نام دوں۔ بہرحال وہ پتھروں پر ایک رقص سا کرتی جا رہی تھی۔ کمال طاقتوں کی مالک تھی یہ عورت۔ سیکڑوں فٹ اونچائی پر ہم پیدل چلتے گئے۔

اچانک ایک جگہ پہنچ کر وہ رُک گئی۔ یہ قدرے کھلی اور ہموار جگہ تھی۔ اُس کی نگاہیں ایک خاص چوٹی پر مرکوز ہو گئیں۔ اُس نے اپنا نقاب اُلٹ دیا۔ فتنے جاگ اُٹھے۔ فضا جگمگا گئی۔ اب وہ گویا کھڑے کھڑے ناچ رہی تھی۔ اُس کے قدموں میں حرکت تھی۔ مگر روانی نہ تھی۔ اُس نے اپنا داہنا ہاتھ بھووں کے اوپر رکھا اور بہت دور وہ ایک چوٹی کی طرف دیکھنے لگی۔ آہستہ آہستہ اُس کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ اُس کے لب لعلیں قدرے وا ہو گئے۔ اس کے موتی ایسے دانت دکھائی دئے پھر یکدم اُس نے خوشی سے ایک کلکاری ماری پہلے تو میں گھبرایا۔ پھر اُس نے دوسری چیخ سی ماری۔ اب وہ خوشی سے جھوم رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجا رہی تھی کھلکھلایا کرتی ہوئی چلّا رہی تھی۔

"مرحبا! میرے شیرو! شاباش بہادرو! آخر فتح کر ہی لیا۔ دیکھ۔ سامنے دیکھ میرے اچھے نجومی۔ وہ میرا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ آخر میری فوجوں نے اُس بغاوت کو دبا دیا اور وہ ملک جیت لیا۔ او میرے دوست کیا اب بھی تمھیں میری بے پناہ طاقت میں شک ہے؟ کچل ڈالی نہ وہ بغاوت جس کی تم نے پیشگوئی کی تھی۔ نجومی! میں پہلے ہی جان گئی تھی۔ تم بہت ہی کام کے آدمی ہو۔ او۔ میں کتنی خوش ہوں تم سے۔ تم نے وقت پر پیشین گوئی کر کے مجھے چوکنا کر

دے دی۔ اور میں نے اس سے فائدہ اُٹھا لیا۔ تم واقعی بیش بہا انعام کے مستحق ہو۔ بولو۔ ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

اور پھر میں نے دیکھا۔ بلندیوں پر ایک سُرخ پرچم لہرا رہا تھا۔ وہ راز جو مجھ سے اب تک پنہاں تھا میرے سامنے عیاں ہو گیا۔ ملکہ مجھے اپنی فتح کا منظر دکھانے لائی تھی وہ اپنی بے پناہ قوت کا نظارہ کرانے لائی تھی۔ جوش اور خوشی کے ملے جلے الفاظ میں وہ چیخی۔

"بولو نجومی۔ بولتے کیوں نہیں؟ میں تمھیں انعام سے مالا مال کرنے کے لئے بے قرار ہوں۔"

"ملکہ عالیہ! پہلے ہی آپ کی نوازشیں کیا کم ہیں۔ میں کسی انعام کا خواہشمند نہیں۔ اتنا کیا کم ہے کہ آپ نے میرے علم کو تسلیم تو کیا۔ میں بر وقت ضرورت خود ہی آپ سے اپنا انعام مانگ لوں گا۔"

"بہت خوب۔ میں ہرگز انکار نہ کروں گی۔ آؤ اب آگے چلیں اور اپنے سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کریں۔"

درحقیقت ہی اب وہ ناچ رہی تھی۔ اس وقت وہ پہاڑ کی ایک اپسرا دکھائی دے رہی۔ وہ جھوم رہی تھی۔ اُس کے ہاتھ ہواؤں میں لہرا رہے تھے اُس کا جسم فضا میں اچھل رہا تھا۔ باقی ماندہ چڑھائی گویا اس کے سامنے ہیچ تھی۔ کبھی کبھی تقریباً وہ بھاگتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ بعض اوقات تو مجھے اُس سے قدم ملانے مشکل ہو رہے تھے۔ چلتے چلتے ہم نے وہ چڑھائی ختم کر دی۔ اب میرے سامنے وہ جہنم تھا۔ جس کا ذکر میں اب کرنے جا رہا ہوں۔

ہمارے سامنے آبادی دکھائی دے رہی تھی نہیں۔ کبھی یہ

آبادی رہی ہوگی۔ مگر اس وقت تو یہاں ہو کا سا عالم تھا۔ راستے میں مرد۔ عورتوں اور بچوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ کسی کو خنجر سے ہلاک کیا گیا تھا تو کسی کا بھیجہ بھاری پتھر سے پاش پاش کیا گیا تھا۔ کسی ماں کا ننھا سا لال مُردہ پڑا تھا۔ اُس کے سینے میں ایک لمبا سوراخ تھا جو آر پار دکھائی دے رہا تھا۔ میرا قیاس کہتا ہے اُسے برچھیوں پر اُچھالا گیا ہوگا۔ برابر ہی ماں کی لاش پڑی تھی۔ اُس کی بے نور آنکھیں اپنے لختِ جگر کیلئے اب بھی کھلی ہوئی تھیں۔ اُس کے جسم پر زخموں کے نشانوں کی بجائے نیلے نشان اُبھرے ہوئے تھے۔ نہ معلوم کتنا پیٹا گیا ہوگا۔ اُسے آگے چل کر دیکھا ایک کونے میں صرف انگلیاں ہی اُنگلیاں جمع تھیں۔ معلوم ہوتا تھا۔ دس بارہ آدمیوں۔ عورتوں کو یکجا کر کے یہ فعلِ شیطانی کیا گیا ہوگا۔ پھر آگے چل کر ایک کنارے صرف بازو ہی تھے۔ اسی طرح ٹانگیں علیحدہ پڑی تھیں۔ دھڑ اور سر جُدا تھے۔ نہ معلوم یہ کس لئے جُدا جُدا انھیں جمع کیا گیا تھا۔ مگر یہ کن لوگوں کے جسموں کے ٹکڑے تھے۔ وہ سپاہی نہ تھے۔ انھوں نے مقابلہ بھی تو نہ کیا ہوگا۔ انھیں ذبح کیا گیا تھا۔ تو کس قصور پر۔ اس کا جواب مجھے مل نہ رہا تھا۔ ہم آگے بڑھے۔ ملکہ اس منظر کو اس طرح دیکھتی جا رہی تھی۔ گویا وہ اس سے مطمئن ہے۔ ایک جھونپڑی کے آگے ایسا ہی منظر تھا۔ ایک عورت ادھ ننگی پڑی تھی۔ اُس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک حاملہ ماں تھی۔ شاید اُسے لاتیں مار مار کر ختم کیا ہوگا۔ آگے چلنے پر ایک مندر نظر آیا اُس کا ڈھانچا کھڑا تھا مگر اس کے اندر دھواں سُلگ رہا تھا۔ وہ اینٹ اور پتھر کا مضبوط مندر تھا۔ شاید اُسے جلانے کے لئے ایندھن کی

کمی پڑ چکی تھی۔ ملکہ تیزی سے اندر گھس گئی۔ میں نے بھی پیچھا کیا۔ وہاں ہمیں کاغذ کے ورق اُڑتے دِکھائی دیے کہ اُن ظالموں نے وہاں کی متبرک کتابیں تک جلا ڈالی تھیں۔ وہ لافانی الفاظ۔ جو آتما کو شانتی پردان کرتے ہوں گے جو دُکھی دلوں پر مرہم کا کام کرتے ہوں گے۔ جن میں پاپ۔ پُن۔ گیان۔ اگیان کا گہرا راز بھرا ہوگا وہ چُن چُن کر جلا دی گئی تھیں۔ اُن کی راکھ ہوا میں اُڑ رہی تھی۔ مگر یہ کیا؟ دو جلادوں نے ایک بزرگ صورت آدمی کو اُس کی لمبی نوکیلی ریش سے پکڑ رکھا تھا۔ ملکہ کو دیکھتے ہی انھوں نے اُسے چھوڑ دیا اور سجدے میں گر گئے۔ بوڑھا حیران تھا کہ یہ کون فرشتہ رحمت نمودار ہوا تھا۔ جو اُسے عذاب سے چھڑانے آیا ہے۔ اُس نے اپنے گلے سے بندھا ہوا ریشمی رومال ملکہ کی طرف بڑھایا۔ مگر ملکہ نے اُسے حقارت سے ایک طرف پھینک دیا۔ اُس نے مجھے اشارہ کیا کہ اُس کا حال دریافت کروں۔ میں نے سوال کیا۔

" اے محترم بزرگ۔ آپ کون ہیں؟"

وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اُس نے رُک رُک کر جواب دیا۔

" میں اس مندر کا پجاری ہوں "۔

" آپ ہمیں جو کچھ بیتا ہے۔ بتانے کی زحمت گوارا کریں گے؟"

" اُس نے ایک لمبا سانس لیا۔ نقاہت کی وجہ سے وہ کھڑا بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اُس نے مندر کی دیوار کا سہارا لیا اور کہنے لگا:۔

" اے آسمانی فرشتو! میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں۔ تاہم آپ نے مجھے یہاں کے حالات بتانے کے لئے حکم دیا ہے۔ سو بتاتا ہوں۔ میں نہیں جانتا سیاست کیا چیز ہے۔ مجھے حکومت کے کاموں سے

کوئی سروکار نہیں۔ میرا سارا جیون اس مندر کے لئے وقف ہو چکا ہے۔ بچپن سے ہی میرے ماں باپ نے مجھے گیان دھیان کی طرف لگا دیا تھا۔ میرا باپ بھی اس مندر کا پجاری رہ چکا ہے مگر شادی کرنے کے بعد اُسے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ جب میں کچھ بڑا ہوا۔ میں نے تمام عمر برہمچاری رہنے کی قسم کھائی۔ اس لئے مجھے پجاری چُن لیا گیا۔ میں نے تپسیا کی طرف دھیان لگایا۔ دُنیا کی عیش و عشرت کو خیرباد کہہ دیا۔ اُس وقت یہاں ایک چھوٹا سا مندر تھا۔ مگر آہستہ آہستہ لوگوں کی عقیدت سے بہت سا چڑھاوا آنے لگا۔ جب کافی دولت جمع ہو گئی تو ایک دن میں نے دیکھا۔ مجھے ایک غیبی روشنی دکھائی دی۔ میں نے لوگوں کو بتایا۔ انھوں نے اور بھی دھن اکٹھا کر کے اس وشال مندر کی استھاپنا کر دی۔ یہ لمبی کہانی ہے۔ میں اسے طول نہ دوں گا میرا جیون آنند سے بیت گیا میں نے ہمیشہ ہی اپنا من شانت پایا۔ آہستہ آہستہ میں بوڑھا ہو چلا۔ مگر کچھ دن پہلے میں پوجا کے لئے اپنے دیوتا کے سامنے گیا۔ وہ دیکھئے وہی ہے میرا معبود۔"

بوڑھا داستان کہتے کہتے رکا۔ میری نگاہیں اندر گئیں۔ وہاں مہاتما بدھ کا ایک بڑا سا بت رکھا تھا جو دھوئیں کی وجہ سے سیاہ ہو رہا تھا مگر چہرے پر کالک نہ لگی تھی۔ بوڑھے نے پھر کہنا شروع کیا۔

"اُس کے ماتھے پر خون لگا ہوا تھا۔ میں کانپ اُٹھا۔ ہے بھگوان! یہ میرے کون سے پاپ کا پھل تھا۔ مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ مگر دوسرے دن دیکھا اُس بھگوان کے گلے میں ہڈیوں کی مالا تھی۔ یہ کیسی نشانیاں تھیں۔ پھر مجھے معلوم ہونے لگا۔ اُتری دیش سے بہت سی فوج آئی ہے وہ جگہ جگہ تباہی کر رہی ہے مگر کیوں؟ ہم نے اُس دیش کا کیا بگاڑا تھا۔ پھر ہر طرف چیخ و پکار ہونے لگی۔

نہ معلوم یہ کتنے دن چلتی رہی۔ میں دیوتا کی پوجا کرتا رہا۔ ایک دن۔ ابھی کل ہی کی بات ہے مجھے ایسے لگا۔ بھگوان کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ میں اُس کے قدموں میں لوٹنے لگا اور آج آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ صبح اس مندر کو آگ لگا دی گئی تھی۔ اس میں اس دیش کی پُرانی پستکوں کا ایک بے بہا خزانہ جمع تھا۔ دُور دُور دیشوں سے یاتری انہیں پڑھنے آتے تھے۔ ان کی بھاشاؤں کی تفسیر کرتے تھے مگر سب جل گئی ہیں۔ سوائے چند ایک کے۔ میں نے جنہیں اُس پتھر کی اُونچی الماری میں بند کر کے رکھ دیا تھا۔ اُف یہ انیائے ہے؟"

وہ پھر رکا اور بعد میں اُس نے پوچھا۔

"مگر یہ دیوی کون ہیں؟"

ملکہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اُس نے نقاب کے اندر سے اشارہ کیا۔ جلاد آگے بڑھے اور وہ اُس بزرگ پر جھپٹنا ہی چاہتے تھے کہ میں نے آگے بڑھ کر انھیں روک دیا۔ ملکہ حیران ہو گئی۔ میں نے اُسی کی زبان میں جو شاید وہ بوڑھا نہ سمجھتا تھا کہا۔ "اے ملکہ۔ تمھیں اپنا وعدہ یاد ہو گا۔ مجھے آپ نے انعام دینے کے لئے کہا تھا۔ بس اس وقت میں تم سے کچھ مانگتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ اس مندر کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے اور دوسرے اس انسان کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔"

ملکہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر اُس نے اپنے جلادوں کو دوسرا اشارہ کیا۔ میں سپاہیوں کو جلاد ہی کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ اُن کے فعل جلادوں سے کم نہ تھے۔ وہ سر جھکا کر چلے گئے۔ میں نے بوڑھے کو ڈھارس دی اور اُس الماری کی طرف چلنے کو کہا جہاں کہ پُرانی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ ملکہ بھی بیدلی سے ہمارے ساتھ چلنے لگی۔ وہ بزرگ سیڑھی پر چڑھ کر جو پتھر ہی کی بنائی ہوئی تھی کچھ کتابیں نیچے لایا۔ میں اُنھیں غور سے دیکھنے لگا۔ یہ میں کہہ ہی چکا ہوں کہ پُرانے تمام

علم مجھے ازبر تھے۔ میں تمام زبانیں جانتا تھا۔ دیکھتے دیکھتے میرے ہاتھ ایک پرانا سا پلندہ لگا۔ اُسے میں نے احتیاط سے کھولا۔ وہ پتوں کے کاغذ کی تہہ تھی۔ اُس کے اوپر پراکرتی لکھائی تھی۔ ایک نقشہ سا بھی بنا ہوا تھا چنانچہ میں نے پھر اُسے بند کر دیا۔ اور ملکہ کی طرف بڑھا دیا۔ اُس نے اُسے سنبھال لیا۔ ہم باہر آگئے۔ میں نے بزرگ سے کہہ دیا کہ اب اُسے کوئی خطرہ نہ تھا۔ وہ آرام سے اپنی پوجا کر سکتا ہے۔

اگلے روز ایک دربار کیا گیا۔ ملکہ اپنے جاہ و جلال سے ایک کرسی پر رونق افروز تھی۔ اُس کے فوجی افسر اور سپاہی قطار باندھے کھڑے تھے۔ پھر وہاں کی لمبی چوڑی رپورٹ پیش کی گئی۔ میں اُس کا خلاصہ ہی بیان کروں گا۔ اگرچہ میں نے وہ حالات اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے تھے۔ صرف اُن کی جھلک ہی دیکھی تھی۔ مگر یہ رپورٹ کسی بھی پتھر دل آدمی کو تڑپا دینے کیلئے کافی ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا۔ کہ ملکہ کی فوجیں جب وہاں داخل ہوئیں تو اُن کا سخت ترین مقابلہ کیا گیا۔ زمین کے چپے چپے پر لڑائی لڑی گئی۔ ایک ایک گھر اندر میدانِ کارزار بنا۔ اس ملک کے باشندوں نے اپنی پوری طاقت سے مزاحمت کی۔ بالآخر ملکہ کی فوجیں کامیاب ہوگئیں۔ پھر قتل عام شروع ہوا۔ تین سو سے زاید مندر۔ پوترا ستھان نذرِ آتش کئے گئے۔ لگ بھگ پینسٹھ ہزار مرد، عورتیں، بچے موت کے گھاٹ اُتارے گئے۔ نہ معلوم انھیں کیا کیا اذیتیں دی گئی ہوں گی۔ پھر اُس رپورٹ سے پتہ چلا۔ کہ وہاں کا ایک بارسوخ معزز مذہبی پیشوا گرفتار ہوا۔ یہ آدمی ملکہ کی فوجوں کو آگے بڑھنے سے روکتا رہا تھا۔ گرفتاری کے بعد کوشش کی گئی کہ وہ ملکہ کی اطاعت قبول کرے اور اپنے ساتھیوں کو بھی ایسا کرنے کیلئے کہے۔ مگر اُس نے انکار کر دیا جب وہ

کسی طرح نہ مانا۔ لالچ بھی قبول نہ کیا تو اُس کے گلے میں پھندا ڈالا گیا۔ اُس کا عظیم مندر اُسی کے سامنے نذرِ آتش کیا گیا۔ ان مذہبی کتابوں کو جن پر اس ملک کو ناز تھا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے پرزہ پرزہ کی گئیں اور پھر انھیں بھی جلا دیا گیا۔ اُس نے کتابوں کو بچانے کی جدوجہد کی۔ مگر گلے کے پھندے کو کھینچ کر اُسے روک دیا گیا۔ بعد ازاں اُسے برف کی سلوں پر گھسیٹا گیا۔ تاکہ تکلیف کی وجہ سے اب بھی مان جائے۔ مگر وہ بڑا ہی سخت جان نکلا۔ اُسکے جسم کے انگ انگ زخمی کئے گئے۔ اُسے جب بھی ہوش آتا تو اُسے پھر منانے کی کوشش کی جاتی۔ جب وہ کسی طرح بھی رضامند نہ ہوا۔ تو ایک بھاری پتھر اٹھا کر اُس کے سر پر مارا گیا۔ اور اسطرح اُس کا بھیجہ باہر نکال کر جانوروں کے آگے پھینک دیا گیا۔ رپورٹ سے مجھے پھر پتہ چلا کہ وہاں کے دو لاکھ مرد، عورتیں، بچے۔ اُس ملک کی ایک بڑی سڑک بنانے پر مامور کر دئے گئے ہیں۔ اُن سے ایسی بھیانک مزدوری لی۔ عورتوں اور بچوں کو بھی نہ بخشا گیا تھا۔

ملکہ نے اس تمام کارنامے کو سراہا۔ اُس نے اپنے فوجیوں کی طرف نقاب کے اندر سے مسکرا کر دیکھا۔ ملکہ کا پرچم اب اس ملک پر لہرا رہا تھا۔ خون کی ہولی ختم ہو چکی تھی۔ افریقہ کے ظالم زولو سردار شاکا کی روح بھی تڑپ اُٹھی ہوگی۔

بعد میں ایک بڑے فوجی افسر نے بتایا کہ وہاں کا سب سے بڑا گرو، ان کا رہنما جنوب کے ملک کی طرف چلا گیا ہے۔ اُس کے بہت سے ساتھی بھی اُسی طرف چلے گئے۔ اب مکمل طور پر وہاں امن قائم کر دیا گیا تھا۔ چند سر پھرے نوجوانوں کو جو اطاعت قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے۔ انھیں ملکہ نے پہاڑوں کی چوٹیوں سے نیچے لڑھکا دینے کا حکم دیا۔ جلدی ہی ایک اعلان کے ذریعے ایک دوسرا گرو ملکہ کے سامنے پیش ہوا۔ اُس نے ملکہ کی قدم بوسی کی اور اسے وہاں کا گرو اور جانشین مقرر کر دیا گیا۔

دسواں باب
خزانے کی تلاش

ملکہ کا دل جب اس خون خرابے سے اکتا گیا تو ایک دن اس نے مجھے خلوت میں طلب کیا۔ اور کہنے لگی۔

"نجومی یاد ہے تم نے ایک تحریر اس مندر کے پجاری سے لے کر مجھے دی تھی؟" مجھے یکدم وہ واقعہ یاد آ گیا اور کہنے لگا۔

"ملکہ معظمہ! آپ نے اس بزرگ کی زندگی بخش کر نہ صرف اس پر احسان کیا ہے بلکہ اس سے آپ کو بھی بہت فائدہ پہنچے گا۔ یہ کاغذ کا پلندہ بہت قیمتی ہے۔"

"مجھے فائدہ پہنچے گا؟ واقعی تم بڑے کام کے آدمی ہو۔ بھلا اس بوسیدہ دستاویز سے مجھے کیا مل سکے گا؟"

میں نے ملکہ سے وہ کاغذ لانے کی درخواست کی جسے اس نے جلد ہی وہ میرے آگے رکھ دیا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا اور کہنے لگا۔

"ملکہ اس دستاویز میں ایک بہت بڑے خزانے کا راز نہاں ہے، یہ دیکھو یہ اس خزانے کا نقشہ ہے۔ یہ لکیریں سی جو آپ دیکھ رہی ہیں اس خزانے تک جانے کا راستہ ہیں۔"

وہ یکدم چہکنے لگی "نجومی! اس زبان کو تم پڑھ سکتے ہو کیا؟"

"ہاں ملکہ۔ میں دنیا کی تمام......؟"

مگر میں رک گیا، تاکہ اسے میری ہستی پر شک نہ گزرے۔ پھر میں بولا۔

"انسان اگر چاہے تو بھلا دنیا کا کیا کام نہیں کر سکتا۔ مگر ملکہ بھلا آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے، آپ تو ایک عظیم دیش کی مالکہ ہیں، واحد مالکہ۔"

"نہیں ضرورت مجھے اس کی اشد ضرورت ہے، مالی اخراجات بہت بڑھ چکے ہیں۔ میں اپنی رعایا پر زیادہ بوجھ بھی نہیں ڈال سکتی کیونکہ وہ پہلے ہی حدود سے تجاوز کر چکے ہیں۔ پھر قدرت نے ہمیں یہ سنہری موقع بھی دیا ہے، ہم اسے کیوں ہاتھ سے جانے دیں۔ ہاں تو نجومی میری تجویز ہے کہ ہم اس کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ تم اور میں دونوں ہی مل کر اس کی تلاش میں جائیں گے۔ بھلا کتنی دور ہو گی وہ جگہ؟"

میں نے اندازہ لگایا اور اُسے بتایا کہ کم سے کم چوبیس گھنٹے صرف ہوں گے۔ وہ خوشی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی، لہٰذا آج رات کو ہی ہم روانہ ہو جائیں گے۔"

"ملکۂ عالیہ میں آپ کی مدد ضرور کروں گا۔ مگر ایک شرط پر آپ اس دولت کو نیک کام میں لگائیں گی۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اسے کار خیر پر ہی صرف کروں گی اور تم دیکھو گے کہ اس ملک کی بہتری پر ہی وہ خزانہ صرف ہوگا۔"

چنانچہ پھر میں اس دستاویز کا مطالعہ کرنے لگا۔ اس پر طرح طرح کی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ تحریر مجھ سے بھلا کہاں چھپتی۔ میں نے پورا راستہ ذہن نشین کر لیا مجھے ملکہ کے جواب نے ڈھارس دے دی تھی۔ اتنا بڑا بیش بہا خزانہ تو لاکھوں کی تقدیریں پلٹ سکتا تھا! ایک غریب ملک کو خوشحال بنا سکتا تھا

چنانچہ میں ملکہ سے اجازت لے کر دن بھر اپنے کمرے میں آرام کرتے چلا گیا کیونکہ رات کو سفر شروع ہونا تھا۔

رات کے وقت ہم چوروں کی طرح اس بستی سے نکلے، کیونکہ ان پہاڑوں پر کوئی سواری نہ جا سکتی تھی۔ اس لئے ہم پیدل ہی چل رہے تھے۔ ہمارے ساتھ دس بارہ خچریں تھیں اور لگ بھگ اتنے ہی آدمی یہ ملکہ کے خاص معتبر رکن تھے۔ راستہ کافی پُرخطر تھا مگر چاند ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ بڑے بڑے پتھروں پر ہم چڑھ رہے تھے۔ چکنا ہونے کی وجہ سے ان پر پھسلن بھی بہت ہو رہی تھی۔ سامانِ خورونوش ہمارے ساتھ کافی تھا۔ ایک بات قابلِ تعریف تھی۔ وہ یہ کہ جتنی وہ ملکہ خوبصورت تھی اتنی ہی نڈر اور حوصلہ مند بھی تھی، کاش اس کے اندر ایک رحم بھرا دل ہوتا تو وہ ایک بے مثال ہستی بن جاتی۔

کافی اونچائی پر پہنچنے کے بعد ہمارے سامنے ایک خوبصورت منظر تھا۔ صنوبر و دیودار کے درخت جن کے اوپر والی ٹہنیاں برف سے سفید ہو رہی تھیں اس طرح کھڑے تھے گویا وہاں کے پہریدار ہوں۔ پگڈنڈی برف سے بھری ہوئی تھی۔ برف کی ایک سفید چادر وہاں بچھی ہوئی تھی میلوں تک جہاں بھی ہماری نظر جاتی برف ہی برف تھی۔ اس پر چلنا اور بھی مشکل ہو رہا تھا۔ پھر ہم ایسے حصے پر چلنے لگے۔ جہاں ہمارے نیچے زمین ہل رہی تھی، گویا ہم جھولا سا جھول رہے تھے۔ یہاں یقیناً کوئی جھیل ہوگی۔ جس کے نیچے پانی جمع ہوگا جو برف سے ڈھک چکا تھا۔ یہاں یہی خطرہ لاحق تھا کہ اگر کہیں برف کی تہہ ٹوٹ گئی تو ہم اس میں دھنس جائیں گے۔ ہمارے جانور پانی کے اندر گر جائیں گے۔ مگر ایسا کوئی نقصان نہ ہوا۔ ہمارا سفر بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہا۔

چلتے چلتے صبح کا اجالا ہونے لگا۔ سورج کی کرنیں ان بلندیوں پر پھیلنے لگیں۔ پھر ہم نے دور سامنے آسمان کی طرف دیکھا۔ ہمیں اس کی طرف سفید اور کالا دھواں سا اٹھتا دکھائی دیا۔ ہم اسی طرف بڑھتے چلے گئے، وہ نقشہ جو میں نے ذہن نشین کر لیا تھا اسی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ چنانچہ ہم اس دھوئیں کے قریب ہونے لگے پھر اس کے نیچے ہمیں نقوش نظر آئے۔ یہ آتش فشاں پہاڑ کا دہانہ تھا جس کا محیط ہزاروں فٹ تھا۔ اب ہم اس کے بالکل پاس پہنچ گئے۔ اس دہانے میں سے بڑے بڑے پتھر نکل کر باہر گر رہے تھے۔ اس کے اندر سے بھیانک آوازیں آ رہی تھیں، جیسے بڑے بڑے شیر غرا رہے ہوں اور اندر کوئی چیز پکتی سی سنائی دے رہی تھی۔ ہمارا اور کوئی راستہ نہ تھا، اسی آتش فشاں پہاڑ کے دہانے کی پرلی طرف سامنے ہی ایک بلند چٹان تھی جس کے اوپر ہمیں جانا تھا۔ اس کی اونچائی لگ بھگ سو فٹ کے قریب ہوگی۔ میں نے ملکہ کو بتایا کہ ہم خزانے کے قریب آ گئے ہیں اس نے بھی نقاب کے اندر سے چٹان کی طرف دیکھا۔ دھوئیں کے لہرانے کی وجہ سے کبھی کبھی اس پار نظر آ جاتی تھیں۔ وہ خوش معلوم دے رہی تھی اس نے اپنے ساتھیوں کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا، چنانچہ ان آدمیوں نے خچروں کے گلے میں بندھی ہوئی رسیاں بھاری پتھروں سے باندھ دیں تاکہ وہ ادھر ادھر بھاگ نہ جائیں، ان کے آگے گھاس ڈال دی جو انہیں کی پیٹھ پر لاد کر ساتھ لائی گئی تھی۔ دھوئیں کو دیکھ کر جانور پریشان ہو رہے تھے اور خوف کے مارے اپنا چارہ بھی اطمینان سے نہ کھا رہے تھے، ملکہ نے اپنے ساتھیوں کو وہیں ٹھہر کے رہنے

کا اشارہ کیا اور ہم آگے چل دیئے۔

ہم آتش فشاں پہاڑ کے دائیں دہانے کی طرف جا رہے تھے ضروری سامان جو ہمیں چوٹی پر چڑھنے کے لئے درکار تھا اپنے ہمراہ لے لیا۔ ایک اتنی بڑی ملکہ ہونے کے باوجود بھی اس نے اس کام سے جی نہ چرایا۔ ایک موٹا سا رسہ اس نے اٹھا لیا اور دیگر اوزار ہم نے سنبھال لیے۔ دہانے تک چڑھنے کا راستہ بہت ہی ٹیڑھا میڑھا اور پُر خطر تھا۔ مگر ملکہ تیزی سے آگے بڑھی جا رہی تھی، گویا وہ بیش بہا خزانہ اسے اپنی طرف مقناطیسی طاقت سے کھینچ رہا تھا۔ یہاں بھی اس کا اندازِ سفر اتنا ہی بھلا لگ رہا تھا جتنا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ یہ خوبصورت ملکہ گوشت پوست کی عورت نہ لگ رہی تھی، قدرت نے بے پناہ طاقت اور لوچ اس کے اندر بھر دیا تھا اب ہم دہانے کے قریب پہنچے، جہاں سردی کے مارے ہمارے دانت بج رہے تھے، یہاں پہنچ کر ہمیں پسینہ چھوٹنے لگا۔ اس غار نما دہانے کے قریب کتنی گرمی تھی، کبھی کوئی بڑا سا پتھر اس کے اندر سے ہماری طرف بھی گرتا۔ مگر ہم بچتے ہوئے جا رہے تھے۔

ایک بھاری پتھر، کئی من بھاری غار کے منہ سے ایک خوفناک گرج کے ساتھ اچھلا۔ وہ اس وقت پتھر نہ تھا۔ آگ کا دہکتا ہوا گولہ تھا، وہ آسمان کی بلندیاں چھوتے اوپر ہی اوپر چلتا گیا۔ پھر دائرے کی شکل میں واپس مڑا اور کشش زمین سے نیچے آنے لگا، ایک عمودی ڈھلان کی طرف ہمارے سے لگ بھگ بیس فٹ پرے جا کر گرا اور گرتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے ذرّے

ہر طرف بکھر گئے۔ ایک ذرہ میری کمر میں بھی لگا، مجھے اندازہ ہو گیا کہ چوٹ بھی کیا چیز ہوتی ہے، گویا کسی نے لاٹھی کی موٹھ میری کمر میں جما دی تھی ملکہ نے میری طرف بے چینی سے دیکھا مگر میں نے ایسے ظاہر کیا گویا کوئی بات نہ ہوئی تھی، ہم آگے بڑھے اور دہانے کے بالمقابل پہنچ گئے۔ تپش نے ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم اپنے بھاری لبادے اتار دیں۔ ملکہ نے گھبراہٹ سے اپنا نقاب بھی اتار ڈالا، اس کے جسم پر باریک زرد رنگ کا لباس تھا، اب میرے آگے ایک آسمانی حور چل رہی تھی، اس وقت بھلا میں اس کی کیا تعریف کرتا۔ جہنم کی آگ کے سامنے کہاں یہ چونچلے سوجھتے ہیں۔ ہم اس دہانے کے ایک ٹیلے پر پہنچ گئے جو وہاں سے پچاس فٹ کے قریب بلند ہوگا۔ یہاں سے ہمیں اس آتش فشاں پہاڑ کے اندر کا نظارہ دکھائی دینے لگا۔ واقعی وہ خوفناک نظارہ تھا۔ وہ ہزاروں فٹ گولائی والا منہ ایک بھیانک دیو کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ اندر جا بجا کھائیاں ابھری ہوئی تھیں اور کہیں کہیں گہری کھائیاں دائیں بائیں دکھائی دے رہی تھیں، نہ معلوم یہ کہاں تک جاتی ہوں گی۔ وہ تمام اندر سے زرد و سرخ ہو رہا تھا اور آگ کی لپٹیں ایک دیو کی لپلپاتی زبان جیسی خوفناک دکھائی دے رہی تھی۔ جس جگہ ہم کھڑے تھے، وہاں سے لگ بھگ تین چار سو فٹ نیچے پگھلا ہوا سرخ لاوا کھچڑی کی طرح پک رہا تھا۔ ایسا جیسے ہیرے رنگ برنگ چمک رہے تھے کبھی وہ چالیس پچاس فٹ اوپر بڑھ آتا، پھر نیچے اتر جاتا، کتنی بھیانک آواز اندر سے آ رہی تھی جیسے گھنگھور بادل ساتوں آسمانوں پر اکھٹے گرج رہے ہوں اور وہ

آوازیں اکٹھی مل گئی ہوں۔ ملکہ نے جلدی سے میرا ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی
مگر اس گھور گرجن میں کچھ بھی سنائی نہ دے رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے بھاگنے لگا
اب ہم دوسری طرف اترنے لگے۔ ایکدوسرے کو سہارا دے رہے تھے۔ بعض
دفعہ میں ملکہ کو نیچے لڑکا دیتا۔ کیونکہ وہاں سیڑھیاں نہ تھیں بلکہ بڑے بڑے پتھر
تھے جو آٹھ آٹھ دس دس فٹ ضخیم تھے۔ اس طرح مصیبتوں کا مقابلہ کرتے
ہوئے آتش فشاں پہاڑ کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ آگے راستہ کافی ہموار تھا
وہ چٹان جس پر کہ ہمیں چڑھنا تھا وہ لگ بھگ آدھا میل یہاں سے
دور تھی اس لئے اس کے قریب پہنچنے میں ہمیں دیر نہ لگی اب ہم اس کے قدموں
میں کھڑے تھے۔ یہاں چٹان کی بناوٹ کا ذکر کر دینا ضروری ہے تاکہ وہ نقشہ
آپ کے ذہن نشین ہو سکے اور آپ ہماری چڑھائی کے بیان کو بخوبی سمجھ سکیں۔
اس کا وہ حصہ جو ہمارے سامنے تھا وہ بالکل سیدھا اور عمودی تھا
اس لئے ادھر سے جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ مگر اس کے بائیں
طرف قدرے دوری پر چٹان کے اوپر جاتی ہوئی ترچھی چڑھائی تھی۔ مگر
ادھر ایک اور مصیبت درپیش تھی۔ اس ڈھلوان کے قدموں کے قریب سے
ہی ایک بھیانک اور نہایت وسیع غار شروع ہوتی تھی اس کی گہرائی کا اندازہ
نہ کیا جا سکتا تھا کیونکہ نیچے اس کی تہہ میں بھیانک اندھیرا تھا، روشنی
کا کوئی گزر ہی نہ تھا۔ وہاں پہنچکر ہم نے مشورہ کیا تو ملکہ نے رائے دی:۔
" اس چٹان کو سر کرتے ہوئے جو کوئی بھی گرے گا موت اس کے لئے
لازمی ہے چاہے ہم عمودی طرف سے گریں یا اس غار والی طرف ہڈی پسلی
کا بچنا محال ہے بالفرض محال اگر عمودی طرف سے گر کر زندگی بچ بھی
جائے مگر ہاتھ، ٹانگ، منہ غرضیکہ کسی نہ کسی انگ کا بے کار ہو جانا

لازمی ہے۔ اور مجبوری میں اپاہج بن کر جینے سے موت کو خوشی سے گلے لگانا
پسند کرتی ہوں"۔
بس مجھے پھر کیا کہنا تھا۔ ع
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

ملکہ نے فیصلہ کر دیا تھا۔ لہٰذا ہم غار کے منہ کی طرف چل دیئے پہلے پہلے
چڑھائی مشکل نہ تھی۔ اگرچہ وہاں راستہ بنایا نہ گیا تھا۔ شاید اس علاقہ
میں کسی کا گزر نہ ہوا ہوگا۔ تاہم بائیں ہی بائیں ہم چڑھائی چڑھ رہے
تھے۔ یہاں سیدھے کھڑے ہو کر چلنا دشوار تھا۔ اس لئے دونوں ہاتھوں
سے آگے نکلے ہوئے پتھروں کی نوکیں پکڑ کر ہم اوپر جا رہے تھے اسی طرح
ہم اس کے تقریباً وسط میں آ چکے تھے۔ یہاں چڑھائی تقریباً عمودی ہو گئی۔
اس لئے ہم نے اوزاروں کا استعمال شروع کر دیا۔ ملکہ نے رسہ اپنے جسم کے
گرد باندھ لیا۔ دوسرا سرا ایک بلند پتھر کی ترچھی ہوئی نوک کے گرد لپیٹ
دیا۔ جب کھینچ کر تسلی کر لی کہ یہ رسہ پھسلے گا نہیں تو لٹک کر اوپر پہنچ گئی
اسی طرح میں نے بھی کیا۔ یہی ترکیب کرتے ہوئے ہم اوپر ہی اوپر جا رہے
تھے۔ اب ہمارا فاصلہ دس بارہ فٹ رہ گیا تھا۔ منزل مقصود قریب
تھی۔ مگر یہاں آ کر چٹان بالکل ہی عمودی ہو گئی۔ لہٰذا رسہ اوپر پھینکا
تاکہ کسی چیز میں اٹک جائے مگر ناکامیابی ہوئی۔ ہم ایک پتھر پر ستانے
کے لئے بیٹھ گئے۔

اگرچہ ہم پانی کی منجدھار میں نہ تھے مگر منجدھار اسی کو کہتے ہیں۔
ہماری حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ اس کشمکش میں ملکہ کے کپڑے بھی کئی جگہ
سے پھٹ گئے تھے اس کا چمکیلا جسم اندر سے جھانکنے لگا۔ میری بھی

ایسی ہی حالت ہو رہی تھی۔ نہ معلوم میں ملکہ کو کیا دکھائی دے رہا ہوں گا مگر ایسی حالت میں ایک دوسرے کا جائزہ لینے کی کس کو پڑی تھی۔ شاید کسی نامراد عاشق نے بھی ایسی بپتیں نہ اٹھائی ہوں گی۔ اس کا چہرہ اس سردی میں بھی سرخ انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ لال لال شعاعیں اردگرد بکھر رہی تھیں، آنکھیں پھیل کر اور بھی خوبصورت ہو گئی تھیں، ہانپنے کی وجہ سے اس کے نتھنے پھول رہے تھے، یکایک اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور کہنے لگی۔

"نجومی۔ تم کتنے خوش قسمت ہو۔ جس حسن کا نظارہ کرنے کے لئے بڑے بڑے تاجدار رولتے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔ آج کس بے باکی سے تم اسے دیکھ رہے ہو۔"

اس کی نگاہوں میں ان فانی انسانوں کا تصور ضرور تھا۔ مگر میرے غیب سے لاعلم تھی۔ وہ تاجدار تو چند روزہ زندگی گزار کر تہہ گور چلے جاتے ہیں۔ مگر میں ...... خیر چھوڑیئے اس قصے کو.... اگر وہ مجھے دھوکہ دے رہی تھی تو میں نے بھی اسے دھوکا ہی دیا تھا، اس پر اپنی اصلیت نہ ظاہر کر کے وہ مجھے اپنی باتوں سے لبھا رہی تھی، تاکہ میں حوصلہ نہ چھوڑ دوں۔ میں نے صرف اتنا ہی کہا۔

"شکریہ ملکہ۔ میں واقعی خوش قسمت ہوں کہ مجھے آپ کا قرب نصیب ہے، آپ کے حسن کا دیدار میں نے جی بھر کر کیا ہے اور اسے میں کبھی نہ بھول پاؤں گا۔"

عورت کی کمزوری یہی ہے کہ وہ اپنی خوبصورتی کی تعریف پر شاد ہو جاتی ہے، وہ اپنا سب کچھ نچھاور کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ مگر یہ

ملکہ ایسی نہ تھی، وہ قیافہ شناس تھی اور اپنی مطلب براری کے طریقے اسے خوب آتے تھے، وہ یکدم چہکی۔

"تو اب چلو ہمیں وہ خزانہ جلدی حاصل کرنا ہے، دن آدھا بیت چکا ہے، نہ معلوم آگے بھی کیا کیا مصیبتیں آئیں۔"

یہ چٹان ایک بڑے سے پہاڑ کا ہی حصہ تھی۔ وہ حصہ اس طرف سے دکھائی نہ دے رہا تھا۔ خیر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اٹھتے ہوئے ایک بڑھے ہوئے پتھر کی نوک کو پکڑ لیا تھا۔ وہ بھی اٹھنے لگی، اچانک ایک زبردست دھماکہ ہوا جیسے ہزاروں بم یکدم پھٹ گئے ہوں، فضا لرز اٹھی، زمین تھرا گئی۔ چٹان سے چھوٹے چھوٹے پتھر لڑھک کر نیچے گرنے لگے۔ خوف کے مارے ملکہ کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی، اس نے مضبوطی سے میرے قدم پکڑ لئے میں نے بھی پتھر کی نوک کو مضبوطی سے پکڑ لیا، اگر ایسا نہ کرتے تو ہم دونوں ہی لڑھک کر نیچے غار میں چلے گئے ہوتے اور ہماری ہڈیوں تک کا پتہ نہ چلتا۔ میں ہکا بکا ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا۔ ملکہ بھی خوف و ہراس سے ہرنی کی طرح اپنی نگاہیں گھمانے لگی، ہمیں معلوم ہوا کہ آتش فشاں پہاڑ پھٹ گیا تھا۔ اس کا بہتا ہوا گرم لاوا ایک دیوار کی شکل میں دھوئیں کے نیچے سے اوپر بڑھ رہا تھا اور پھر ایک بھدی سی آواز کے ساتھ باہر گرا۔ اب آوازیں آنا بند ہو چکی تھیں۔ لیکن ابھی خوف کے مارے ہمارے حواس درست نہ ہوئے تھے کہ ملکہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نجومی! ہمارے ساتھیوں کا کیا بنا ہو گا؟ ارے ہماری خچریں

اب کیا کیا جائے ہم تو تباہ ہو گئے، ہمارا سارا سفر بے کار ثابت ہوا۔"
میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا:
"تو چلو واپس چلیں۔"
وہ غمگین سی بیٹھی رہی، گویا کسی بیوہ کا تازہ سہاگ اُجڑ گیا ہو۔ ویران آنکھوں سے مجھے تکتی رہی، پھر یکدم جیسے اسے کوئی بات سوجھ گئی ہو۔ وہ بولی۔
"نہیں بھئی۔ ہم واپس نہ جائیں گے، یہ خزانہ تو حاصل کر کے ہی رہیں گے۔ جب اتنی ذلتیں اٹھائی ہیں تو یہ بھی مصیبت سہیں گے۔ چلو اٹھو پھینکو رسّہ، ہمیں قسمت آزمائی کرنی ہے۔"
حکم حاکم۔ مرگ مفاجات، اب میں کیسے انکار کر سکتا تھا، لاچار میں نے غصّہ میں آ کر زور سے رسّہ گھما کر چٹان کی چوٹی کے اوپر پھینکا۔ اس دفعہ میں نے اس کا بہت سا حصّہ گولائی کی صورت میں اوپر پھینکا تھا۔ اسے کھینچ کر دیکھا تو وہ کسی چیز میں پھنس چکا تھا۔ اب ملکہ کو کامیابی کی اُمید ہو چلی تھی۔
میں نے پہلے اپنے جسم کو رسّے سے جھُلا کر دیکھا کہ ایسا نہ ہو وہ کھُل جائے اور میں غار میں سیدھا پہنچوں، وہ کسی نہ کسی طرح مضبوطی سے اوپر پھنس چکا تھا۔ اب اوپر چڑھنا کوئی مشکل نہ تھا میں نے بازی گروں کی طرح ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں سے رسّے کو پکڑ پکڑ کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا اور آن واحد میں چٹان کی چوٹی پر تھا، اوپر جا کر دیکھا کہ رسّہ ایک گول سے پتھر کے گرد سانپ کی طرح کنڈلی مارے ہوئے تھا۔ ور اس کا سرا

پتھر کے کونے کے نیچے دب چکا تھا۔ اب ملکہ بھی رسّے سے جھولنے لگی، اس کی مدد کے لئے میں نے اُسے آہستہ آہستہ اوپر کھینچنا شروع کر دیا اور دوسرے لمحے وہ بھی میرے برابر کھڑی تھی۔
اس چٹان پر بے ترتیبی سے بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے میں نے نقشہ کی مدد سے مخصوص جگہ تلاش کرنی شروع کی، وہاں مجھے معلوم ہوا کہ چٹان کے ایک سرے پر گول سا نشان نقشہ پر بنا ہوا تھا اور یہی خزانے کی جگہ بتائی گئی تھی۔ اب ہم اسی طرف تیزی سے جا رہے تھے۔ مگر یہ کیا تھا جلد ہی ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس ویرانے میں بھی پہلے کوئی آیا ہوگا۔ اور نہ سہی تو خزانے کا مالک تو ضرور ہی آیا ہوگا۔ چند ایک ٹوٹے ہوئے پتھر کے ستونوں سے کھڑے تھے، کوئی دس فٹ اونچا ہوگا۔ اور کوئی ٹوٹ کر چار چھ فٹ ہی رہ گیا تھا۔ ان پر برف جمی ہوئی تھی۔ یہ صدیوں پرانے کھمبے نہ معلوم کتنے سمے سے اس ویران وسنسان جگہ پر پہرہ دے رہے تھے۔ میں نے نقشے کی مدد سے اس مخصوص جگہ کا پتہ لگا لیا۔ جہاں کہ وہ بیش بہا خزانہ مدفون تھا۔ یہ جگہ ان ستونوں کے درمیان ہی تھی۔ ہر جگہ برف کی موٹی سی تہہ جمی ہوئی تھی، کدال سے میں نے کھودنا شروع کر دیا، میں نے لگ بھگ چار فٹ جگہ چوڑائی میں کھود ڈالی۔ ملکہ پورے انہماک سے میری طرف دیکھ رہی تھی، اسے میری قابلیت پر پورا اعتماد تھا تین فٹ کے قریب کھود ڈالنے کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک ترچھی سی غار ہمارے سامنے منہ پھاڑے ہوئے تھی، ملکہ ساتھ کے ساتھ وہاں

سے برف پڑے ہٹاتی جا رہی تھی۔ اندر جھانک کر دیکھا وہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ ہم اس غار کے منہ کے اندر اترنے لگے اور وہاں چلکر ایک شمع روشن کی جو ہم ساتھ لائے تھے۔ باہر ہم ہوا کی تیزی کی وجہ سے اسے نہ جلا سکتے تھے۔

ہم آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے جا رہے تھے یہ کافی ٹیڑھی سیڑھیاں تھیں، اب ملکہ آگے چل رہی تھی، اشتیاق اسے آگے کھینچے لئے جا رہا تھا اور میں ایک سیڑھی پیچھے چل رہا تھا۔ ان پر پھسلن بہت زیادہ تھی، برف کا پانی رس رس کر یہاں بہتا رہا ہوگا۔ ان پر بری کالی کائی بھی جمی ہوئی تھی۔ پتھروں کو تراش کر ترتیب سے یہ سیڑھیاں بنائی گئی تھیں، اس لئے اترنے میں زیادہ دقت نہ ہو رہی تھی مگر پھسلن کی وجہ سے ہم رک رک کر قدم رکھ رہے تھے، جوں جوں ہم آگے چلتے گئے ہمیں گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ باوجود سردی کے ہمیں یہاں سردی قطعاً محسوس نہ ہو رہی تھی۔ یہ اس لئے تھا کہ یہ جگہ عرصہ دراز سے بند پڑی ہوئی تھی، ہم کچھ دیر وہاں رک کے سانس درست کیا۔ چند ایک لمبے لمبے سانس کھینچے اور پھر آگے بڑھنے لگے۔ اب سیڑھیاں بائیں کو گھوم گئیں۔ ملکہ نے موڑ پر پہلا قدم رکھا اور آگے راستہ دیکھنے کے لئے شمع کو اونچا کیا اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ مجھ سے یکدم لپٹ گئی، اتنا غنیمت ہوا کہ میں نے تیزی سے شمع اس کے ہاتھ سے چھین لی ورنہ نہ معلوم وہ لڑھک کر نیچے چلی جاتی اور ہم وہیں کے وہیں رہ جاتے۔ میں نے اب ڈرتے ڈرتے ملکہ کو وہیں پر چھوڑا اور روشنی کو درست کرکے ہاتھ میں پکڑا۔

وہ پتے کی طرح لرز رہی تھی، ملکہ نے انگلی سے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔ میں بھی حیران رہ گیا۔ اس اجڑی ہوئی جگہ پر یہ کون ہو سکتا ہے۔ میں بھی خوف سے کانپتا ہوا وہیں پر جما کھڑا تھا۔ کافی دیر تک ہم سامنے کھڑے ہوئے آدمی کو دیکھتے رہے، وہ بھی انگارے کی طرح چمکتی ہوئی آنکھوں سے ہمیں تکتا رہا۔ میں نے جب بہت غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک بت تھا، ایک پہرے دار کی شکل تھی۔ دراصل وہ زندہ جاوید انسانی دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے ملکہ کو سارا معاملہ سمجھا دیا۔ اُسے تسلی ہو گئی تو اور وہ میرے پیچھے ہو کر آگے بڑھنے لگی۔ اب تک ہم لگ بھگ پچیس سیڑھیاں اتر چکے تھے اور بت کے برابر آ گئے تھے۔ کتنا خوبصورتی سے کسی سنگتراش نے اسے تراشا تھا بالکل اصل کا دھوکا ہوتا تھا، اس کی آنکھیں تو واقعی دیکھنے والے کو حیرت میں ڈال رہی تھیں۔ ڈرتے ڈرتے ملکہ نے اُسے چھوا۔ جامد و ساکت بت پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اس کی چمکدار آنکھوں کو چھوا۔ یہ کوئی انمول پتھر تھے روشن اور نہایت ہی قیمتی پتھر ہوں گے جو آنکھوں کی جگہ لگائے ہوئے تھے۔ ملکہ کا لالچ عود کر آیا۔ اس نے شاید اپنا خوف مٹانے کے لئے یا لالچ پورا کرنے کے لئے چاقو سے آنکھیں تراشنی شروع کر دیں اور وہ قیمتی پتھر جلد ہی اس کے قبضہ میں آ گئے۔ ایک ایک اس ہیرے کا مول ہزار سونے کے سکوں کے برابر ہوگا۔ وہ انھیں غور سے دیکھنے لگی۔ پھر اسی بت کو میں نے بھی گھوم پھر کر غور سے دیکھا۔ اس کے جسم میں ایک غیر معمولی سا حصہ بڑھا ہوا تھا۔ میں نے اس پر اپنی انگلیاں جما دیں پھر اسے چھوا اور دبایا وہ یک دم کھل گیا۔ گویا اب بت کے اندر کا حصہ ہمارے سامنے کھلا ہوا تھا۔ میں نے شمع لے کر اندر جھانک کر دیکھا اس میں نہایت ہی قدیم زمانے کے کاغذ کا ایک پرزہ رکھا ہوا تھا میں نے ہاتھ ڈال کر اسے نکال لیا۔

پرانے زمانے کی لکھائی تحریر تھی، اس نے اسے پڑھنا شروع کیا اس کا کچھ کچھ مطلب اس طرح تھا۔

"میں دنیا کے بلند ترین خطے کا بلند ترین شہنشاہ وصیت کرتا ہوں کہ میری دنیاوی زندگی ختم ہو جانے کے بعد یہاں کی ایک چٹان کے اوپر جو شمال کی طرف واقع ہے جس کے نزدیک ایک آتش فشاں پہاڑ ہے وہاں لے جا کر مجھے رکھ دینا، میری تمام دولت ہیرے جواہرات جو میرے خزانے میں جمع ہیں وہ بھی میرے ساتھ وہیں دفن کر دینا، کیونکہ میں اپنی آئندہ زندگی میں انہیں استعمال کرتا ہونگا میں نے اپنی دولت سے اپنے معبود کے جو بت تیار کروائے ہیں وہ بھی وہیں پہنچا دیے جائیں اور میرا تمام خزانہ ان میں بھر دیا جائے اگر میرا بیٹا ایسا نہیں کرے گا تو اس پر دیوتا کا قہر نازل ہو گا۔ اور وہ بے موت اور بری طرح مارا جائے گا۔۔۔۔۔"

وہ کاغذ کچھ اتنا بوسیدہ اور پھٹا ہوا تھا کہ آگے کی عبارت سمجھ ہی نہیں آرہی تھی۔ تاہم میں نے اسے تہہ کیا اور وہیں پڑا رہنے چھوڑ دیا۔ لہٰذا ظاہر تھا کہ اس کے بیٹے نے ایسا ہی کیا تھا۔ اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا ہوگا۔

ملکہ کا خوف تھوڑا سے کم ہونے لگا۔ باقی سیڑھیاں اتر کر ہم ایک وسیع کمرے میں آگئے، مگر اس کی چھت نیچی تھی، ملکہ نے اپنی شمع سے کمرے کا ہر گوشہ دیکھنا شروع کیا۔ اس کے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔ اس کمرے میں سونے کے بڑے بڑے بت پڑے ہوئے تھے لگ بھگ دس یا گیارہ۔ بعد میں گنا گیا تو پورے گیارہ نکلے۔

ہر بت انسانی قد و قامت کا تقریباً ایک چوتھائی تھا، ملکہ نے انہیں چھوا، ہلا کر دیکھا، وہ کافی وزنی تھے ہر ایک لگ بھگ بیس پچیس سیر کے برابر ہو گا، ان بتوں کی شکلیں عجیب طرح کی تھیں، ان کے چہرے قدیم زمانے کے چھپکلی نما جانوروں سے ملتے تھے اور جسم عام آدمیوں جیسے تھے، ملکہ نے انہیں ہلایا، گھمایا پھرا سے ویسی ہی ایک کل سی دکھائی دی جو پہرے پر کھڑے ہوئے بت کے جسم میں تھی اسے مخصوص طریقے سے دبا کر کھولا۔ شمع کو آگے کر کے ملکہ نے اپنا ہاتھ اندر ڈال دیا اور مٹھی بھر کر باہر نکالی یہ سب قیمتی اور لاجواب قسم کے ہیرے تھے، انڈے سے کچھ کم ہی حجم کا ایک ایک ہیرا تھا۔ سات ہیرے ملکہ کے ہاتھ پر جگمگا رہے تھے، وہ خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی، پھر وہ دوسرے بت کے قریب گئی۔ اسے بھی اسی طرح کھولا۔ اور وہاں بھی دوسری قسم کے بے بہا پتھر تھے۔ وہ خوشی سے ناچنے سی لگی۔ اس نے خراج تحسین ادا کرنے والی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اس طرح باری باری سب بتوں کو ٹٹولا، اسے تسلی ہو گئی کہ اب وہ زبردست دولت کی مالکہ بن چکی ہے۔ واہ ری ہوس جس کے پاس سب کچھ ہے اسے اور پانے کی تمنا رہتی ہے اور جس کے پاس کچھ بھی نہیں وہ اسی حال میں شاکر رہتا ہے۔

اس کمرے کو چھوڑ کر ہم ایک برآمدے میں آگئے۔ یہاں ہم نے محسوس کیا کہ ہمارا سانس گھٹ رہا تھا، ساتھ ہی دوسرا کمرہ تھا چھوٹا سا بالکل تاریک گولائی میں بنا ہوا۔ یہاں بھی ایک بت تھا۔

یہ پتھر میں سے ہی کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ اس کی شکل ایک دو زانو ہوئے ہوئے انسان سے ملتی تھی۔ یہاں پر ہوا کا گزر نہ تھا۔ اس لئے ہمارا سر چکرانے لگا۔ ایک طرف ہمیں پھنکار سی سنائی دی، ملکہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس نے میرے ہاتھ سے شمع لے لی اور آگے قدم اٹھانے لگی۔ ابھی دوسرا قدم ہی زمین پر رکھا تھا کہ اس نے ایک دردناک چیخ بلند کی اور میرے سامنے ہی چاروں شانے چت گری۔ شمع زمین پر گری ہوئی تھی۔ مگر شکر ہے کہ وہ بجھی نہ تھی۔ میں نے جلدی جلدی اسے سنبھالا اور گری ہوئی ملکہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اُف! وہاں ایک نہایت لرزا دینے والا منظر تھا۔ اس کی چھاتی کے گرد ایک بڑا سا سانپ لپٹا ہوا تھا۔ وہ اپنا پھن پھیلائے ہوئے جھوم رہا تھا میں نے اپنے ہاتھ مل لئے۔ اب کیا ہو سکتا تھا، میں اپنے متعلق سوچنے لگا۔ اب میرے بچنے کی بھی کوئی امید نہ تھی۔ اگر ملکہ کو بچاؤں تو کس طرح؟

سانپ پر وار کرتا ہوں تو ملکہ کے بھی چوٹ آنے کا خطرہ تھا، اس نے ملکہ کو ڈس کر ایک رسے کی طرح اس کے گرد پیٹا ڈال لیا تھا۔ میری نگاہیں اس افعی کے پھن کے اوپر مرکوز ہو گئیں وہاں مجھے ایک سرخ سی چیز دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے سوچا اب ملکہ تو مر ہی چکی ہے لہٰذا آخری کوشش کر دیکھنی چاہئے۔ میں نے کدال سے سانپ کے پھن کے اوپر وار کیا لیکن یہ خیال رکھتے ہوئے کہ ملکہ کو ضرب نہ آئے۔ میرا نشانہ ٹھیک بیٹھا۔ وار اس سانپ کے ٹھیک چوٹی پر ہوا تھا وہ مُردہ ہو کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ لیکن ایک سرخ سی چمکتی ہوئی چیز اس کے پھن سے اس طرح باہر نکلی جیسے دانے بھونتے وقت ایک دانہ بھٹی سے باہر آ گرے، اب اس کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ میں نے اسے ملکہ کے جسم سے علیحدہ کر کے

ایک طرف پھینک دیا۔ وہ چمکدار سرخ سی گولی اٹھائی اور ملکہ کے پاؤں کے اوپر رکھ دی جہاں اسے اس سانپ نے کاٹا تھا۔ وہ تیزی سے اس جگہ پر اپنے ہی محور کے گرد گھومنے لگی۔ گویا وہ سانپ کا زہر چوس رہی تھی۔ قدرت نے جہاں اس بھیانک کیڑے کو مارنے کی طاقت دی ہے وہاں اس کے شکار کو جلانے کا بھی بندوبست کر دیا ہے۔ لیکن یہ چیز عام سانپوں میں نہیں پائی جاتی —

تھوڑی دیر کے بعد ملکہ نے خود بخود حرکت کی، مجھے یقین ہو گیا کہ اب وہ بچ جائے گی۔

میں نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا، وہ اٹھ بیٹھی، آہستہ آہستہ اس نے آنکھیں کھول دیں وہ قدرے پاگلانہ انداز سے بولنے لگی

"وہ کس کی شکل تھی جس نے مجھے ابھی ابھی بلایا تھا، بیو دیکھو۔ وہ سامنے، ایہ وہ واپس جا رہی ہے، سیاہ لباس میں کیسی بھیانک نظر آ رہی ہے"

میں نے ملکہ کو ایک شربت سا پلایا۔ یہ ہم اپنے ساتھ لے آئے تھے، اب اسے دھیرے دھیرے ہوش آنے لگا۔ آخر کار وہ اٹھ کھڑی ہوئی جب اسے مکمل ہوش آ گیا تو نہایت مدھم آواز میں کہنے لگی۔

"اُف خدایا! کیسی خطرناک عورت تھی وہ۔ اس کے آتے ہی کتنا اندھیرا چھا گیا تھا۔ وہ مجھے کیسی خوفناک نگاہوں سے دیکھ رہی تھی وہ میری طرف بڑھنے لگی گویا وہ میرا گلا ہی نہ دبا ڈالے گی، اس کا کرد چہرہ۔ اُف مجھے اب تک اس سے خوف آ رہا ہے"

میں نے شربت کا ایک گلاس اور پلا دیا۔ اب اس کی طاقت واپس

آنے لگی۔ وہ رُک رُک کر کہنے لگی

"اس عورت کے بے ترتیب دانت، بڑی بڑی بھیانک کھوپڑی۔ سر کے بال کھڑے ہوئے، نجومی وہ مجھے کہنے لگی۔ ہم دونوں ایک ہی شکل کے ہیں، ہمارا اور دونوں کا ساتھ ٹھیک رہے گا، اس نے آگے بڑھ کر مجھے دبوچ لیا، وہ مجھے کھینچے جا رہی تھی، میں نے چیخنا چاہا، مگر میری آواز حلق سے باہر نہ نکل رہی تھی۔

نجومی! پھر کیا ہوا جانتے ہو، نہیں مگر میں جانتی ہوں تمہیں بھلا کہاں معلوم ہوگا۔ پھر ایک طرف روشنی نمودار ہوئی، کیسی تیز روشنی تھی وہ، میں نے ایسا جلال آج تک نہیں دیکھا، اس روشنی میں سے ایک چہرہ نمودار ہوا۔ پھر میں نے دیکھا تمہارا وہی خوبصورت شہزادہ سامنے کھڑا تھا اور اس بد روح سے مخاطب ہوا۔

"اے قضا چھوڑ دے اسے"

اس عورت نے شہزادے کی طرف بغیر آنکھ اٹھائے کہا، شاید وہ اس سے آنکھ نہ ملا سکتی تھی "یہ بدنیتی سے خزانہ حاصل کرنا چاہتی ہے میں اسے اس کی سزا دوں گی۔ شہزادے نے کہا نہیں! یہ سزا اس کے لئے کافی ہے بلکہ یہ خزانہ رعایا کی بھلائی کے لئے استعمال کرے گی۔ میں نے شکریے کے انداز سے شہزادے کی طرف دیکھا گویا میں اس کی بات کی تصدیق کر رہی تھی۔ وہ آگے بڑھنے لگا اس کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا، نہ کوئی ہتھیار نہ اوزار، وہ نزدیک آگیا اور اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا میرے گرد گرفت ڈھیلی پڑنے لگی، حتیٰ کہ شہزادہ بالکل ہی قریب آگیا، اب وہ بد روح فضا میں تحلیل ہو چکی تھی اور میں آزاد اس کے

سامنے کھڑی تھی۔ شہزادہ نے مجھے ایک خاص اشارہ کیا، شاید وہ کہنا چاہتا تھا کہ اس خزانے کو نیک کام میں صرف کروں، پھر میں نے دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ میں نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر میں ایسا نہ کر سکی۔ میرے اندر اتنی طاقت باقی نہ رہ گئی تھی، اور وہ شہزادہ چلا جا رہا تھا، روشنی کا ہالہ آہستہ آہستہ غائب ہوتا چلا جا رہا تھا اور پھر نہایت ہی مدھم روشنی باقی رہ گئی تھی اور وہ تمہارے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اس شمع کی تھی، اُف کیسا خواب تھا یہ، مگر کتنا خوبصورت بھی، میں نے شہزادے کو اپنے قریب پایا تھا۔"

جب ملکہ مکمل ہوش میں آگئی تو میں نے اس کو اصل واقعہ بتایا۔ اس نے میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ میں نے اس کی جان بچائی تھی۔ اب ہم ڈرتے ڈرتے اس بت کی طرف گئے جو ایک جھکے ہوئے انسان کی شکل کے مشابہ تھا۔ یہ شاید کسی وقت رشی یا بادشاہ رہا ہوگا جس کی یہ وصیت تھی۔ یہ سارا خزانہ اسی کا تھا۔ وہ صدیوں سے اپنے معبود کے حضور میں جھکا رہا۔ اس کے بعد ہم اسے وہیں چھوڑ کر خزانے کے کمرے میں آگئے اور سوچنے لگے کہ کس طرح یہ مال و زر یہاں سے لے جائیں۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ ایک ایک بت باری باری اٹھا کر اوپر سطح پر لے جائیں۔ ہم کافی دیر اسی کام میں مشغول رہے جب ہم انہیں اوپر لے آئے تو سوال یہ اٹھا کہ انہیں اپنے ساتھ کیسے لے جایا جائے۔ کیونکہ ابھی چٹان سے نیچے اترنا باقی تھا۔ پھر اس آتش فشاں پہاڑ کے تازہ گرم لاوے کو بھی پار کرنا تھا اور اس کے بعد اتنا لمبا سفر۔ ملکہ کچھ تھکاوٹ سے اور کچھ

سانپ کے کاٹنے سے بہت نڈھال ہو رہی تھی۔ مگر ایسی وہ ہمت ہارنے والی عورت نہ تھی۔ سب سے پہلے تو اس نے تمام ہیرے جو ان سونے کے بتوں کے اندر رکھے نکال لیے۔ ان کو ایک کپڑے میں باندھ کر اپنے لبادے کے اندر چھپا لیا۔ میں نے اسے صلاح دی کہ بتوں کو وہیں چھوڑ دیا جائے کیونکہ ان کا زیادہ مول نہ تھا صرف سونے کے بھاؤ ہی بیچے جا سکتے تھے۔ مگر انھیں لے جانے میں بہت مشکل نظر آ رہی تھی مگر وہ نہ مانی۔ اس نے رائے دی کہ یہ تو بہت آسان کام ہے کم از کم چوٹی کے نیچے تو آسانی سے پہنچ جائیں گے۔ آگے حالات اگر سازگار ہوئے تو انہیں اپنے ساتھ بھی لے لیا جائے گا۔ چنانچہ اس کی صلاح کے مطابق ہم نے انہیں چٹان سے نیچے پھینکنا شروع کر دیا۔ اس طرف انہیں پھینکا گیا جدھر بلندی عمودی تھی چونکہ یہ علاقہ بالکل ویران تھا۔ یہاں کسی کا گزر تک نہ تھا اس لئے انہیں چرائے جانے کا بھی خطرہ نہ تھا۔ جلد ہی ہم نے انہیں نیچے دھکیلنا شروع کر دیا۔ چند لمحوں میں وہ گیارہ کے گیارہ بت چٹان کے قدموں کے قریب گر چکے تھے۔

اس کے بعد ہم نے اترنے کے بارے میں سوچا۔ غار کی طرف سے راستہ زیادہ دشوار گزار تھا۔ اس لئے ہم نے عمودی ڈھلوان کی طرف سے نیچے آنا شروع کر دیا۔ ہمارے پاس جو رسّہ تھا لگ بھگ پچاس فٹ لمبا ہوگا۔ اسے ایک بھاری پتھر کے گرد لپیٹ کر اس کے دونوں سرے نیچے لٹکا دیئے اور اس کے ذریعے پہلے میں اترنے لگا۔ لگ بھگ بیس فٹ نیچے آکر میرے قدم ایک آگے کو بڑھے ہوئے بڑے سے پتھر پر جم گئے۔

اس کے بعد ملکہ بھی اس کے سہارے میرے پاس نیچے اتر آئی۔ اب ہم نے رسّہ کا ایک سرا ڈھیلا چھوڑ دیا اور دوسرے سرے کو پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا۔ اس طرح وہ پتھر کے گرد اپنی لپیٹ چھوڑتا ہوا ہمارے ہاتھ میں آ گیا۔ اسی طرح ہم نے اسے ایک نوکیلے بڑھے ہوئے پتھر کے گرد پھر لپیٹا اور اس انداز سے ہم دونوں نیچے اتر آئے۔ یہاں پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر وہ سونے کے بت جو ہم نے اوپر سے گرائے تھے پڑے ہوئے تھے۔ یہاں پہنچ کر ہم نے قدرے سکھ کا سانس لیا۔

اب ہمیں اپنے آدمیوں کی فکر لاحق ہوئی لہٰذا جلد ہی ہم آتش فشاں پہاڑ کی طرف چلنے لگے۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو دیکھا لاوا تقریباً سب طرف بہہ رہا تھا خصوصاً جس طرف ڈھلوان تھی اس طرف اس کا بہاؤ تیز تھا۔ ابھی تک وہ گرم تھا اور اس کی گرمی ہمیں یہاں تک محسوس ہو رہی تھی۔ ہم لاوے سے بچتے ہوئے چکر کاٹ کر ٹیلے کی طرف چلنے لگے جو کافی بلندی پر تھا اور لاوا اس طرف نہ گرا تھا۔ جلد ہی ہم اس بلند مقام پر کھڑے تھے۔ یہیں اس خوفناک غار کا دہانہ نظر آنے لگا۔ اب آوازیں بند ہو چکی تھیں کیونکہ طوفان گزر چکا تھا۔ ہم نے سرسری طور سے اس کے اندر جھانک کر دیکھا۔ اس کی گہرائی نہایت ہی مہیب اور ڈراؤنی تھی۔ اب ہم جلد ہی جلدی ٹیلے کے دوسری طرف اترنے لگے۔ ملکہ نے دور سے ہی دیکھ کر خوشی کا ایک نعرہ لگایا کیونکہ اسے خچریں دکھائی دے گئی تھیں۔ خوف کے مارے انھوں نے اپنے رسّے تڑا لئے تھے مگر وہ زیادہ دور

نہ گئی تھیں۔ یہ تو میں نے پہلے شاید بتایا ہو گا کہ خچریں بلا ارادہ ہی اس طرف باندھی گئی تھیں جدھر کہ ڈھلوان نہ تھی۔ لاوا اس طرف نہ گیا تھا۔ ہمیں صرف آٹھ خچریں ہی مل سکیں۔ ہم نے جلدی ہی انہیں قابو کر لیا۔ اس کے بعد ہم نے اپنے آدمیوں کی تلاش شروع کر دی مگر جلدی ہی ان کی گمشدگی کا راز معلوم ہو گیا۔ دو ایک کی لاشیں بہتے ہوئے لاوے کے کنارے پڑی ہوئی دکھائی دے گئیں ان کے جسموں کے مختلف اعضاء کہیں کہیں نظر آ رہے تھے۔ باقی کے متعلق یقین ہو گیا کہ وہ بھی اس بہتے ہوئے لاوے میں غرق ہو گئے تھے، لہٰذا ان کا انتظار کرنا فضول تھا۔

ہم نے خچروں کو ٹیلے کی طرف دھکیلا۔ یہ کام بہت مشکل تھا کیونکہ خوف کے مارے وہ آگے بڑھنے سے انکار کر رہی تھیں۔ تاہم انہیں ٹیلا ان کے قریب لے آئے ان پر سونے کے بت لاد دیئے اور انہیں ہانکتے ہوئے واپس چل دیئے۔ ہمیں انہیں ایک دفعہ خالی کرنا پڑا کیونکہ یہاں کافی عمودی چڑھائی تھی اور خچریں بوجھ کے ساتھ اسے عبور نہ کر سکتی تھیں۔ اب شام ڈھلنے لگی تھی اور ہمیں آنے والی رات میں ہی شہر پہنچنا تھا۔ لہٰذا ہم بغیر آرام کئے ہی وہاں سے چل دیئے، راستہ میں کوئی قابل ذکر واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا۔ لہٰذا ہم آدھی رات کے بعد ملکہ کی جائے رہائش پر پہنچ گئے۔ اسے شب بخیر کہہ کر میں اپنی آرامگاہ کی طرف چل دیا۔

—— ... —— ...

تیسرا حصہ

تیسرا حصہ

گیارواں باب — شہزادے کی آمد

فتح و نصرت کے شادیانے بجاتی ملکہ اپنے ملک کو واپس جا رہی تھی۔ ایک ملک کو اس نے پامال کر دیا تھا۔ اُس کے قدیم تہذیب و تمدّن کو ختم کر دیا تھا۔ اُس کے قدیم خزانے کو اُس نے لوٹ لیا تھا۔ اور اس میں میرا بھی ہاتھ تھا۔ اُسکی فوج کا بھاری حصہ اس کے ساتھ تھا اور کافی فوج پیچھے بھی چھوڑ آئی تھی۔ اُس ملک کا انتظام سنبھالنے کیلئے۔ وہاں کا ایک دوسرا مذہبی پیشوا سابقہ پیشوا کا جانشین مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس پیشوا نے ملکہ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ مگر وہ صرف برائے نام ہی تھا۔ دراصل تو بھیڑوں کو ملکہ بھیڑیوں کے سپرد کر کے آ رہی تھی۔ لوگوں کے دل خوف و ہراس سے بجھے ہوئے تھے۔ اُن کی روایات میں تبدیلی کرنے کی تلقین کر دی گئی تھی۔ یہ اچھا تھا یا بُرا تھا مگر فاتح ملکہ نے اپنا اثر و رسوخ اُن پر جما لیا تھا۔ حکمران کے آگے کس کی پیش چلتی ہے اور پھر ایسے جابر اور ظالم حکمران کے آگے۔ ہم اس زخمی اور تڑپتے ہوئے ملک کو خیرباد کہہ کر واپس آ رہے تھے جیسکی

رُوح تک کچل دی گئی تھی۔ ہمارے سامنے وہی وادیاں، وہی گھاٹیاں تھیں۔ جب ہم اس ملک کی طرف جا رہے تھے تو مجھے تصور بھی نہ تھا کہ اِن عرفان کی بلند پہاڑیوں میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ اب سب ختم ہو چکا تھا۔ جس کے متعلق میں نے پیشگوئی کی تھی۔ اور اُس کا انجام بھی آنکھوں سے دیکھ آیا تھا۔ اُترائی پر بھی وہی منظر میرے سامنے تھا۔ مگر شاید یہ بھی ایک قدرتی عمل ہے کہ خیالات کی وہ پرواز۔ رُوح کی وہ اڑان جو بلندیوں کی طرف جاتے ہوئے محسوس ہو رہی تھی۔ اب وہ ایسی نہ لگ رہی تھی۔ شاید یہ اُس قتل و غارت کا اثر ہو یا پھر ممکن ہے بلندیوں کے بالمقابل پستیاں وہ اثر نہ دکھا سکتی تھیں۔ بہرحال چند روز کی مسافت کے بعد ہم ملکہ کے دارالسلطنت میں آ گئے۔ جس جگہ کہ ہم نے ایک منحوس پیشگوئی کی تھی۔

ایک دفعہ پھر میں اپنے قید خانہ میں بند ہو گیا تھا۔ وہی زمین دوز کوٹھی۔ وہی میرا اکیلا پن۔ یہ مجھے کاٹنے کو آتا تھا۔ انسان اکیلے میں بھی گھبراتا ہے۔ اُسے ایک ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یا پھر اُس کے لئے کوئی کام چاہیئے۔ کچھ کئے جانے کی تمنا بنی رہنی چاہیئے۔ لیکن میرا نہ تو کوئی ساتھی تھا اور نہ ہی میرے سپرد کوئی کام تھا۔ ملکہ کی موجودگی یا اُس کا ساتھ اگرچہ مجھے رُوحانی تسکین نہ دیتا تھا۔ مگر اُس کے قرب سے ایک گونہ مسرت ضرور ہوتی تھی۔ خواہ اس کے فعل ابلیس کے ہی کیوں نہ تھے۔ اُس کے لاجواب حُسن کا نظارہ اور اُس کی موجودگی میں کچھ نہ کچھ کئے جانے کی تمنا راحتِ قلب ثابت ہوتی تھی۔ مجھے محسوس ہونے لگا زندگی ایک چلبل ہے اور موت ایک سکون۔ ایک ابدی خاموشی۔

دن گذرتے جا رہے تھے مگر بیرونی دنیا سے بے خبر میں اس تہ خانے دن کاٹے جا رہا تھا۔ چند دن اسی طرح بیت گئے۔ پھر اچانک ایسا دن آیا کہ مجھے ملکہ نے بُلا بھیجا۔ یہ میرے لئے مژدۂ جاں فزا تھا۔ چنانچہ مخصوص بند گاڑی

میں اس کی خلوت گاہ میں حاضر ہوگیا۔

پردہ اٹھا کر جب میں اُس کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ مجھے بے نقاب نظر آئی۔ مگر یہ کیا ؟ اُس کے اوپر گویا جنون سا طاری تھا۔ وہ بے وجہ ہی ہنسے جا رہی تھی۔ اُس کے منہ سے پھول سے جھڑ رہے تھے۔ وہ کمرے میں اس طرح گھوم رہی تھی گویا ناچ رہی ہو۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میرے خیر مقدم کے لئے آگے بڑھی۔ پیشتر اس کے کہ میں اُسے قاعدے سے سلام کرتا اس نے میرے دونوں ہاتھ تھام لئے اور چھپانے لگی۔

" نجومی ! آج میں بے حد خوش ہوں۔ آج میری زندگی کا سنہرا دن ہے۔ اُف کتنا انتظار کیا میں نے یہ دن دیکھنے کے لئے ...... او، مگر تم مجھے گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو .... ہاں ٹھیک ہی تو ہے میری بیتابیٔ شوق تو تمہیں نظر آ گئی ہی ..... جانتے ہو دوست میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے ؟ شاید تم سوچ رہے ہوگے کہ جو تم نے مجھے بیش بہا خزانہ دلوایا ہے۔ قاروں کے خزانے ڈھونڈھنے میں مدد کی ہے۔ میں اس کا شکریہ ادا تمہارے آگے کروں گی۔ اس کے بدلے میں تمہیں انعام سے مالا مال کردونگی۔ وہ تو ہوگا ہی۔ میں اُس احسان کا بدلہ تو چکاؤں گی ہی مگر چھوڑو خزانے کے قصّے کو۔ نہیں میری خوشی کی وجہ وہ نہیں۔ اُسے تو میں نے محفوظ کرلیا ہے۔ اُسے استعمال میں لانا بھی شروع کردیا ہے۔"

اُس نے میرے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ وہ قدرے سنجیدہ ہوگئی اور پھر یکدم پلٹی۔ اُس نے میز پر رکھی ہوئی ایک دستاویز اُٹھائی۔ اُسے اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے مجھے سمجھاتی ہوئی کہنے لگی۔

" اسے دیکھ رہے ہو نجومی۔ یہ کیا ہے ؟"

میں نے حیرانگی سے نفی میں سر ہلادیا۔ نہ معلوم اس کاغذ کے پلندے میں کیا

درج تھا۔ میں قیاس آرائی کر رہا تھا کہ وہ پھر چہکی۔

" او۔ نجومی ! دنیا کے سب سے بڑے عالم میرے دوست۔ کیا اتنا بھی نہیں جان سکے ؟ تو سنو میں بتاتی ہوں۔ آج ہی صبح ایک سفیر آیا۔ اس نے میرے حضور حاضر ہونے کے لئے اجازت مانگی۔ مگر میں نے ملنے سے انکار کردیا۔ کیونکہ تم شاید نہیں جانتے کہ خزانے کے تصرّف میں مجھے بہت سے کام رہتے ہیں۔ پھر اس سفیر نے میرے پاس خبر بھجوائی کہ وہ جنوب سے آیا ہے یعنی میرا مطلب ہے بھارت سے آیا ہے میں نے اُسے اسی خلوت خانے میں بُلوا لیا۔ اس کی پوشاک تمہارے عظیم شہزادے ایسی تھی۔ میں بے حد خوش ہوئی کہ شاید وہ اُس کی خبر سنائیگا۔ پھر اُس نے یہ دستاویز میرے آگے پیش کردی۔ میں نے اُسے ہی پڑھنے کو کہا۔ جوں جوں وہ پڑھتا گیا میرا شوقِ تجسس پرواز کرتا گیا۔ جب اُس نے یہ خبر سُنائی کہ شہزادہ اس سرزمین کی حدود میں داخل ہوا چاہتا ہے اور مجھ سے ملنے کا خواہشمند ہے تو میں خوشی سے پاگل ہوگئی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے یہ دستاویز چھین کر چُوم لی۔ وہ میرے حکم کا منتظر کھڑا رہا۔ میں نے اپنے معتبر آدمی فوراً ہی روانہ کردیئے اور اُنہیں ہدایات دیں کہ شہزادے کو نہایت عزت اور تزک و شان سے ہمارے دارالسلطنت میں لایا جائے۔ وہ آج شام تک یہاں پہونچ جائیگا۔ اور یہیں اُس کا سواگت کرنا ہے۔"

وہ یکدم سنجیدہ ہوگئی جیسے اُسے کوئی خیال آرہا تھا اپنا ہی خون اُسے کاٹے جا رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں لاکھ شکریہ ادا کیا کہ اب مجھے شہزادے کی قربت حاصل ہو جائیگی۔ میں نے صرف اِتنا ہی کہا۔

" ملکہ اس شہزادے کی موجودگی سے نہ صرف آپ ہی فیضیاب ہو پائیںگی بلکہ وہ سب ہی کے لئے فرشتۂ رحمت ثابت ہوگا۔"

اس نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"مگر نجومی! میں نے اُسے کتنا دھوکا دیا۔ جب اُس پر یہ راز کھلیگا کہ اُس اجنبی ملک میں ملاقات کرنے والی کوئی اور خاتون نہ تھی بلکہ میں خود ہی تھی تو وہ میرے متعلق کیا سوچے گا۔ یہی نہ کہ میں دھوکے باز ہوں۔ مجھے اُس کے جلال سے ڈر لگتا ہے اُس وقت تو میرے چہرے پر نقاب تھا مجھے اُس سے آنکھیں ملانے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر اب کس طرح اُس کے سامنے ہو پاؤں گی۔ کیسے اُس سے آنکھیں چار ہو سکیں گی۔؟"

وہ لمحہ بھر کے لئے رُکی اور بڑبڑانے لگی۔

"کتنا بلند ہے وہ انسان۔ جس نے بیہوشی کے عالم میں مجھے قضا سے نجات دلائی۔ کیا میں اُس کی بلندی کو چھو بھی سکوں گی؟"

جب وہ چپ ہوگئی۔ میں سوچنے لگا اس عورت کے کتنے رُوپ ہیں۔ حُسن اور ظلم یہاں یکساں مقدار میں اُسکے وجود میں شامل ہیں۔ کیا شیطان بھی کسی سے ڈرتا ہے ہاں مقدس روحوں سے اُسے بھی خوف آتا ہے جیسے روشنی کے سامنے اندھیرا خود بخود بھاگ جاتا ہے۔ ملکہ شہزادے سے خوف کھا رہی تھی۔ کیونکہ اُس کا باطن سیاہ تھا۔ اُسکی کرتوتیں مجسم ابلیس کی تھیں۔ وہ قاتلہ تھی۔ خونی تھی۔ حُسن اور تشدد کا مرکب۔

وہ جیسے یکدم خواب سے چونک اٹھی۔ اُس نے نہائت ملائمت سے کہا "نجومی! تم ہر وقت میرے قریب رہنا۔ مجھے تم سے قوت ملتی ہے۔ تم میری مشکل کشائی کرتے رہو گے۔ میں نے محل کا ایک کمرہ تمہارے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اب تم یہیں پر آ جاؤ۔ ایک بات اور یاد آئی۔ میں نے چند پابندیاں بھی تم پر عائد کرادی تھیں۔ شاید تم ان کا مقصد نہ سمجھ سکو۔ میں بتاتی ہوں۔ تم ایک چوٹی کے عالم ہو۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ ہر چھوٹا بڑا تمہاری خلوت میں دخل انداز ہوتا رہے۔ میری طرف ہی دیکھو۔ میں بھی اکیلی ہی رہتی ہوں۔ کوئی بھی بلا اجازت میرے تخلیہ میں نہیں آ سکتا۔ یہ بڑے آدمیوں کے لئے ضروری ہوتا ہے۔"

"مگر ملکہ میں بڑا نہیں ہوں۔ مجھے تو عام لوگوں سے ملنے میں خوشی ملتی ہے۔ وہ شہزادہ ہر ایک سے ملتا ہے۔"

"خیر اس بات پر ہم پھر کبھی غور کریں گے مگر میں آئندہ تمہاری خوشی کا احترام کروں گی۔ چونکہ شہزادے کے اُوپر کوئی پابندی عائد نہیں اس لئے تم بھی جہاں چاہو چلے جایا کرنا۔ مگر اس وقت تو ہمیں اُس کے سواگت کا انتظام کرنا ہے۔"

ہم مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ وہ شہزادے کی عادات، اُس کے رہن سہن اور اشغال وغیرہ کے متعلق پوچھتی رہی۔ میں اُسے بتاتا رہا۔ میں نے اُسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

"ملکہ۔ شہزادہ راست گو ہے اور راستی پسند بھی۔ ایک دفعہ تو تم نے اُسے دھوکا دے ہی دیا۔ اور یہ تمہاری غلطی شاید معاف ہو سکے گی لیکن آئندہ کیلئے خبردار رہنا۔ اُسے دروغ گوئی اور غلط کاموں سے نفرت ہے۔ وہ سچائی اور رحمت کا فرشتہ ہے۔ گو کہ وہ منہ سے کچھ نہ بھی کہے مگر وہ فریب کی بُو پا لیتا ہے۔ اس کی نگاہیں دور بین ہیں۔ اگر تم اس کو جیتنا چاہتی ہو تو ایک ہی راستہ ہے۔ وہ ہے سچائی کا راستہ۔ اس لئے تمہیں اپنا چلن بھی بدلنا ہوگا۔"

نہ معلوم ملکہ نے میری باتوں پر دھیان بھی دیا یا نہیں۔ اُن کا اس نے کیا اثر لیا۔ میں نے اُسے خبردار کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ اُن دونوں کو آپس میں سمجھنے میں سہولت ہو سکے۔ دو عظیم ملکوں میں دوستی کا رشتہ جو صدیوں سے چلا آیا ہے اور مضبوط ہو جائے مگر اس کا اثر تو آنے والے حالات ہی بتا سکتے ہیں۔ چونکہ اُس وقت ملکہ نے بہت سے کام سرانجام دینے تھے۔ لہٰذا میں نے اجازت مانگی۔ اُس نے مجھے خود چل کر میرا کمرہ دکھا دیا۔ اور شہزادے کا کمرہ بھی دکھایا جہاں اُس نے ٹھہرنے کا اہتمام کیا تھا۔ میں وہیں پر رک گیا اور ملکہ چلی گئی۔

یہاں آکر میں نے سوچنا شروع کیا کہ آیا شہزادے سے ملکہ کی کرتوتیں بیان کروں یا نہ کروں۔ مختلف و متضاد خیالات دل میں آ رہے تھے۔ شاید اُن کا

بتا دینا شہزادے کیلئے فائدہ مند ہو۔ وہ اپنے آپ کو محفوظ کر سکے گا۔ پھر سوچا۔ اس سے تو اُس کے دل میں نفرت کا جذبہ پھیل جائیگا۔ وہ یہاں قیام کرنا بھی پسند نہ کرے گا۔ جس دوستی کو بڑھانے کیلئے وہ یہاں آرہا تھا۔ وہ ختم ہو جائیگی۔ پھر میں نے سوچا ملکہ بھلا اپنا رویہ کیونکر بدل سکتی ہے۔ ظلم و تشدد جس کی گھٹی میں بھرا پڑا ہے وہ کیسے یکدم نکل جائے گا؟ ٹھیک ہے شہزادے پر سب کچھ ظاہر کر دینا ہی بہتر ہو گا۔ مگر کیسے؟ کس وقت؟ کیا ملکہ ایسا کرنے کا موقع بھی دیگی؟ وہ بڑی عیارہ ہے۔ وہ اپنا قدم ناپ تول کر رکھتی ہے۔ اُس کے جاسوس ہر وقت، ہر جگہ تعینات رہتے ہیں۔ وقت گذرتا جا رہا تھا۔ دوپہر ڈھلنے لگی تھی۔ شہزادے کی آمد کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ مجھے بھی چلنے کے لئے تیار ہونا تھا۔ مگر میں نے کرنا ہی کیا تھا۔ میری ضروریات محدود سی تھیں۔ مجھے کسی وقت ہی کوئی تیار پا سکتا تھا۔

دفعتاً کمرے کا پردہ سرکا۔ ملکہ اندر داخل ہوئی۔ آتے ہی اُس نے نقاب اُلٹ دیا۔ ہزار ہزار بجلیاں کوندگئیں۔ فتنے اپنا سحر کر رہے تھے۔ آج اُس نے اپنے آپ کو نئے ڈھنگ سے سنوارا تھا۔ قیامت بنی ہوئی وہ سامنے کھڑی تھی۔ اُف۔ عورت کے حُسن میں بھی کیا جادو ہے۔ کمرے میں خوشبوئیں بکھر گئیں۔ کمرہ بقعۂ نور ہو گیا۔ وہ میرے قریب آنے لگی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ گل عارض پر ایک شکن سا پڑ گیا تھا۔ لب لعلیں قدرے وا ہوئے۔ اندر سے موتیوں کی دو جھالریں نظر آنے لگیں۔ خزانے کے چرائے ہوئے وہ قیمتی پتھر بھی اُس کے موتیوں ایسے دانتوں کی طرح نہ چمک رہے ہوں گے۔ اژدہوں کا سنہری تاج اُس کے جوڑے خوبصورت ماتھے پر قدرے آگے کو جھکا ہوا تھا۔ یہ سامانِ نمود و برق آج کیوں تھا؟ پھر سریلی اور مدھر شہنائیاں بج اُٹھیں۔ جادو بھرے ساز گنگنانے لگے۔ وہ آہستہ سے ہنسی۔ گویا دو سنہرے چھوٹے سے برتن آپس میں ٹکرا گئے ہوں

وہ مجھ سے بولی۔

"نجومی! سچ بتاؤ۔ کیا میں تمہارے شہزادے کے قابل نہیں ہوں؟"

میں نے اپنا سر جھکا لیا۔ مقصد صاف عیاں تھا۔

"ملکۂ عالیہ۔ منزل دور نہیں۔ راز خود بخود عیاں ہوا چاہتا ہے۔ میں ایک بوڑھا انسان بھلا اس سوال کا کیا جواب دے سکتا ہوں۔؟"

"نجومی! اگر حسن کا سحر شہزادے پر نہ ہوا تو کیا تم میری مدد نہ کرو گے؟"

"معاف کیجئے ملکہ! ان باتوں کا ابھی بھلا یہ وقت ہے۔ پھر میں نے آپ کی کونسی خدمت کرنے سے گریز کیا ہے؟"

"بس میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ تم نے ٹھیک کہا۔ ہم ابھی شہزادے کے استقبال کے لئے چل رہے ہیں۔ میں نے سب انتظامات کرا دیئے ہیں۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔"

میں نے اپنا عصا اُٹھایا اور ملکہ کے ساتھ باہر آگیا۔

محل کے باہر پہنچ کر میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ آج وہاں فوجیں نہ کھڑی تھیں بلکہ عام لوگوں کا ایک بے پایاں سمندر تھا۔ اتنی بھیڑ کہ خدا کی پناہ جہاں تک نظر کام کرتی تھی مرد۔ عورتیں۔ بچے۔ بوڑھے۔ جوان انسان ہی انسان نظر آ رہے تھے۔ میں نے خیال کیا۔ ملکہ نے میری باتوں کا اثر تو لیا۔ شاید اُس میں تغیر آنے لگا ہے۔ لوگ سڑک کے قریب آنے کے لئے بے چین تھے۔ مگر جو لوگ بہت پیچھے کھڑے تھے وہ ہر چند مجبور تھے۔ یہ وہی کشادہ میدان تھا جس کا میں نے پہلے ذکر کیا تھا۔ بھلا کتنے لوگ سڑک کے نزدیک آکر نظارہ کر سکتے تھے۔ اس لئے اُن کا کچھ حصہ ہی اس درشیہ سے فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ ملکہ اپنی گاڑی میں سوار ہو گئی اور میں اُس کے پیچھے دوسری گاڑی میں چل دیا۔ نہایت شان سے ہماری سواریاں شہزادے

کے سواگت کے لئے جا رہی تھیں۔ لوگوں کے چہرے اگرچہ احساسات سے عاری سے تھے۔ تاہم ایک شوقِ تجسس ان سے عیاں تھا۔ شاید وہ سوچ رہے ہونگے کہ شہزادہ ان کی تقدیریں پلٹ دیگا۔ اُس کا آنا اس لئے مبارک خیال کر رہے تھے۔ شاید انہیں بھی آزادی کا سانس نصیب ہو سکے۔ ملکہ کی سختی ان پر ڈھیلی ہو جائے اور وہ اپنے مظالم سے باز آجائے۔ فوجی سپاہی صرف انتظام کرنے کے لئے تعینات تھے۔ جوں جوں ہماری سواری آگے بڑھ رہی تھی لوگ سجدہ میں جھکتے جا رہے تھے۔ سڑکیں خوبصورت پھولوں سے سجائی گئی تھیں۔ اس وقت میں نے غور کیا کہ نہ صرف فوجی حکام ہی ملکہ کو سجدہ کر رہے تھے بلکہ رعایا بھی اُس کی عادی ہو چکی تھی۔

ہمیں شہر کے صدر دروازے تک جانا تھا۔ کئی سڑکوں سے گذرتی ہوئی ہماری سواری جا رہی تھی۔ ہمارے پیچھے بے شمار گاڑیاں تھیں۔ گھوڑے تھے۔ ایک لمبا جلوس تھا جو سواگت کیلئے جا رہا تھا۔ اب ہمارے سامنے دروازہ نظر آرہا تھا۔ ایک بلند اور خوبصورت۔ آرائشیں اس پر قربان تھیں۔ ملکہ کی گاڑی کی اوٹ میں سے میں نے سامنے دیکھا وہ مجھے دکھائی دے گیا۔ ایک پیکرِ حُسن وجمال۔ مردانہ عظمت کا ایک شاہکار۔ انسانیت کا مجسم جلال۔ گاڑیاں اب قریب پہونچ گیئں۔ شہزادہ ایک بلند تخت پر کھڑا تھا۔ ملکہ آہستہ آہستہ گاڑی سے اُتری۔ اُس نے اپنے آپ کو درست کیا۔ اس کے چہرے پر نقاب تھا۔ وہ رُکتی ہوئی۔ قدرے لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھی اور شہزادے کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ شہزادے کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ ایک جلال مسکرا اٹھا۔ فضا میں حُسن بکھر گیا۔ اس نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ملکہ دو زانو ہو گئی۔ اس نے بڑھایا ہوا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ اُسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا۔ شہزادہ بھی قدرے جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

ایک چمچماتی ہوئی گاڑی آگے آئی۔ ملکہ نے شہزادہ کو اُس پر سوار ہونے کا اشارہ کیا اور مجھے بھی۔ ہم سوار ہو گئے۔ ملکہ بھی اُسی گاڑی میں آگئی۔ چلنے سے پہلے شہزادے نے آہستہ سے ملکہ کا شکریہ ادا کیا۔ ملکہ نے خیر مقدم کے طور پر چند موزوں الفاظ کہے۔

پھر ایک لمبا جلوس محل کی طرف چلنے لگا۔ اس میں اراکینِ سلطنت۔ دیگر ممالک کے سفیر اور نمائندے۔ بڑے بڑے فوجی افسر ملکہ کی خوبصورت جلیس عورتیں سبھی شامل تھے۔ کشاں کشاں یہ جلوس آگے بڑھنے لگا۔ سجدے میں لوگ گرنے لگے۔ شہزادہ چونکہ کھُلی گاڑی میں تھا۔ وہ اس منظر کو کچھ دیکھتا رہا پھر اس کے چہرے پر تغیر آنے لگا۔ اس نے ملکہ سے کہا۔

"گاڑی رُکوائیے ملکۂ عالیہ۔ میں آگے نہیں جاؤں گا۔"

وہ یکدم ٹھٹھک گئی۔ اُس کی سمجھ میں یہ معاملہ نہ آیا کہ شہزادے نے ایسا کیوں کہا۔ اس نے آہستہ سے وجہ پوچھی۔ شہزادہ بولا۔

"یہ طریق سجدہ مجھے پسند نہیں۔ میں ایسی حماقت کا عادی نہیں۔ انسان کا انسان کے قدموں میں گرنا لازم نہیں۔ اگر اُسے قدم بوسی کرنا لازم ہے تو وہ اپنے معبود کے لئے اسے اُٹھا رکھے۔ ایک عام انسان کیلئے نہیں۔"

میں دل میں بہت خوش ہوا۔ جو کام میں نہ کر سکا تھا شہزادے نے کر دکھایا۔

ملکہ نے صفائی پیش کی:۔

"مگر شہزادے! تم اور میں عام انسان نہیں ہیں۔ ہم ان سے بالاتر ہیں۔ وہ مجھے ایک متبرک دیوی کی طرح پُوجتے ہیں، وہ مجھے ایک معبود کیطرح پیار کرتے ہیں۔ پھر تم میرے ......"

"کیا اس طرح زمین پر لیٹ کر۔ اپنے آپ کو اتنا گرا کر یہ تو نہایت ہی پُرانی اور بوسیدہ روایت ہے۔ آج انسان جاگ اٹھا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو پہچان لیا ہے پھر

انسان کا انسان کے آگے اس طرح لیٹ جانا۔ اپنی ضمیر کو کچل دینا کیا معنی۔ نہیں میں ایسی حالت میں ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتا۔ آپ انہیں روکئے۔"

ملکہ تذبذب میں پڑ گئی۔ شہزادہ پھر کہنے لگا۔

"دیکھو ملکہ، وہ ماں کس طرح لیٹی ہوئی ہے۔ یہ ویسی ہی ماں ہے جس نے بدھ کو جنم دیا تھا۔ کنفوشیس کی ماں بھی ایسی ہی ہوگی۔ اس کی قدم بوسی تو ہمیں کرنی چاہیئے تاکہ وہ اٹھا ہمارے سامنے سجدہ کرے۔ ملکہ کہہ دو ان سب زمین پر لیٹنے والوں سے کہ تم سب عظیم ہو۔ تمہارا درجہ ہمارے برابر ہے۔ ہم تو جنتا کے خادم ہیں۔ ملکہ میں ایسی حالت میں ایک قدم بھی آگے نہیں جا سکتا۔"

میرے حلق سے ایک سسکی سی نکلی: مرحبا! اے غیرت مند شہزادے آفریں، صد آفریں۔"

جلوس رک گیا۔ ملکہ نے چند اراکین سلطنت طلب کئے انہیں چند ہدایات دی گئیں۔ سجدہ کرنے سے منع کرنے کے لئے وہ آگے بڑھتے گئے۔ ایک اعلان جاری ہوتا گیا۔ لیٹ کر، زمین پر جھک کر کوئی انسان جلوس کے سامنے سجدہ نہ کرے گا۔ وہ اپنی اپنی جگہ پر سر اونچا کر کے کھڑے رہینگے۔

اب وہ منظر نہ تھا جو دل پر چرکے لگاتا۔ لوگ رومال ہلا ہلا کر، ہاتھ بلند کر کے، کچھ ہاتھ جوڑ کر جلوس کا سواگت کر رہے تھے۔ خوشی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر تبسم ناچ رہا تھا۔ اس نئے آدیش نے ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی۔ وہ شہزادہ کو سر اونچا اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ ایڑیوں کے اوپر کھڑے ہو کر، پنجوں کے بل آگے جھک جھک کر۔ وہ اس کے ظاہر و حسن کی تو تعریف کر ہی رہے تھے مگر انہوں نے اس کا باطن بھی دیکھ لیا تھا۔ انہیں ایک تڑپ سے۔ روحانی خلش سے چھٹکارا مل گیا تھا مگر کیا یہ پائیدار تھا۔ یا پھر ایک عارضی کرشمہ ہی تھا۔ شاید وہ لوگ اس کے بارے میں سوچ رہے

ہوں گے۔ بہر حال میں خوش تھا۔ میں نے دیکھا۔ کچھ لوگ سڑک پر آ گئے تھے۔ بھیڑ کی وجہ سے۔ پیچھے سے دھکے انہیں پریشان کر رہے تھے۔ فوجی سپاہی انہیں روک رہے تھے سپاہی ان پر ڈنڈے چلانے لگے۔ اچانک ایک عورت جس کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ بھیڑ کی لپیٹ میں آ گئی۔ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی اور سڑک پر آ گری۔ گرتے ہی بچہ دور جا پڑا۔ وہ سڑک کے بیچوں بیچ گرا تھا۔ سپاہی نے ایک ڈنڈا اس عورت کے رسید کیا۔ بھیڑ کی وجہ سے وہ پہلے ہی پریشان تھی۔ ڈنڈے کی چوٹ سے اس کے سر سے خون بہنے لگا۔

بجلی کی سرعت کے ساتھ شہزادہ فوراً کھلی گاڑی سے نیچے کود گیا۔ اس نے لپک کر بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ کیونکہ عین قریب ہی تھا کہ آگے جانے والے گھوڑے کا پاؤں اس بچے پر پڑ جاتا۔ مگر جانور بھی انسان کی قدر سمجھتا ہے۔ باوجود باگیں کھینچنے کے گھوڑا آگے بڑھنے سے انکار کر رہا تھا۔ مبادا اس کا قدم بچے پر پڑ جائے۔ اس پر سوار چابک چلا رہا تھا مگر جانور کا اٹھا ہوا قدم ہوا میں ہی رکا ہوا تھا۔ جب تک کہ شہزادے نے بچہ نہ اٹھا لیا۔ سپاہی دوسرا ڈنڈا اس عورت کے مارنے ہی لگا تھا کہ شہزادے نے یکدم پیچھے سے پکڑ لیا۔ سپاہی نے گھوم کر دیکھا۔ وہ لرز اٹھا اور وہیں سجدے میں گر گیا۔ شہزادے نے اس کا دھیان نہ کیا۔ وہ گری ہوئی عورت کی طرف راغب ہو گیا۔ اسے سہارا دیکر اٹھانے لگا۔ عورت اگرچہ ہوش میں تھی مگر خون بہہ جانے سے اس پر نقاہت طاری ہو رہی تھی۔ شہزادے نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ بھونچکا سی رہ گئی۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اسے بچانے والا کون ہے۔ شہزادے نے بچے کو چوما۔ پھر اس کی ماں کی طرف بڑھا دیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہی تھی اس رحمت کے فرشتے کو۔ میں اس عورت کے خیالات کی ترجمانی کرنے سے قاصر ہوں۔ ہاں البتہ یہ بات جو آنکھ جھپکنے میں ہوئی یہ ہر کسی کے خواب و خیال سے باہر تھی کہ اتنی بلند پایہ شخصیت جو ملکہ کی

ہمسر تھی۔ وہ ایک معمولی عورت کی مدد کو آئے۔ بھلا ایک معمولی عورت کی حیثیت کیا تھی ملکہ کی حکومت میں۔ مگر یہ شہزادہ تو دوسروں کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں بھی ڈال سکتا تھا۔ ایک مہمان میزبان ملک کی حقیر سے حقیر جان کی بھی قدر کرتا تھا۔ وہ لوگ تو ملکہ کے جبروتشدد کو ہی جانتے تھے۔ لوگوں کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

اس بات سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان انسان کے سامنے جھکتا ہے اُسے جھکانے کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک اُس کے اندر خوف پیدا کر کے اور دوسرا اُس کے اندر اپنی عظمت کا احساس دلا کر۔ ملکہ نے پہلا طریقہ اپنایا تھا۔ مگر شہزادہ۔ ..... خیر اب لوگ مجبور ہو رہے تھے کہ وہ اُسے سجدہ کریں سچے دل سے اس کے قدموں میں جھک جائیں۔ مگر ملکہ کا اعلان ہو چکا تھا اور شہزادے کی خواہش تھی کہ ایسا نہ کیا جائے۔

ملکہ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس نے شہزادے کو جتاتا تھا کہ اُس کا ملک ملکہ کی کتنی عزت کرتا ہے۔ اس کے سامنے بچھا جاتا ہے۔ اس کا جھوٹا اور جابر رسوخ ان پر کتنا ہے۔ مگر شہزادے نے یہ اثر یکدم زائل کر دیا۔ عزت ظلم سے نہیں ہوتی بلکہ خود محبت اور پیار اس کا ردِ عمل ہے۔

شہزادہ پھر گاڑی میں سوار ہو گیا۔ جس طرح لوگوں کے سر اس کی تعظیم کے لئے جھک رہے تھے ویسے ہی شہزادہ اپنا سر جھکا رہا تھا۔ اگر لوگ سلام کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو وہ بھی انہیں ویسے ہی سلام کرتا۔ ملکہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ میں اس کے چہرے کو قریب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے اندر مد و جزر اٹھ رہے تھے مگر مجبور تھی۔ وہ کسی پر سحر آزمانے آئی ہے مگر شہزادے نے سب کو مسحور کر لیا تھا۔

محل کے سامنے پہنچ کر گاڑیاں رک گئیں۔ وہاں تو بھیڑ کا ایک وسیع سمندر تھا۔ شہزادہ گاڑی سے اترا۔ محل کے چبوترے پر ایک بلند شامیانہ نصب تھا۔ وہاں سے شہزادے

نے مختصر سی تقریر کی۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک دفعہ پہلے بھی اس ملک کی سیاحت کر چکا ہے۔ اس ملک کی عظمت نے اُسے ایک دفعہ پہلے بھی اپنی طرف کھینچا تھا۔ اور اُسی کشش نے آج بھی ایک دفعہ اسے اپنی طرف پکارا ہے۔ اُس نے جنتا کا۔ اُن کے پیار و خلوص کا شکریہ ادا کیا۔ ملکہ کی مہمان نوازی کو سراہا۔ اس کے بعد وہ ملکہ کے ساتھ محل کیطرف چل دیا۔ اور میں اُن کے ساتھ تھا۔

رات کے وقت ایک نہایت شاندار دعوت کا انتظام کیا گیا۔ ہزاروں لوگ اس میں شرکت کرنے آئے۔ بڑے بڑے اراکین سلطنت تمام ملکوں کے سفیر اور نمائندے۔ خوبصورت کپڑوں میں ملبوس عورتیں۔ شہزادے اور ملکہ دونوں کی موجودگی میں مجھے یہ اجتماع بہت ہی بھایا۔ مختلف قسم کے کھانے تیار کئے گئے تھے۔ طرح طرح کی شراب پیش کی جا رہی تھی۔ ملکہ اور شہزادہ ایک بہت بڑے میز کے ایک سرے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھی۔ ملکہ نے اپنے خاص لوگوں سے اُس کا تعارف کروایا۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا۔ پھر ایک دوسرے کیلئے جامِ صحت پیا گیا۔

وہاں سے فارغ ہو کر ہم لوگ ناچ گھر میں گئے۔ خوبصورت تتلیوں نے [illegible] مخصوص آرٹ کے نمونے پیش کئے۔ سٹیج کا سیٹ دلفریب تھا۔ حسین رقاصائیں سازوں کے زیر و بم پر تھرکتی رہیں۔ حاضرین داد دیتے رہے۔ چونکہ آدھی رات سے بھی زیادہ بیت چکی تھی۔ لہٰذا شہزادے کو اُس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اور میں اپنے ملحقہ کمرے میں چلا گیا۔

شہزادہ چونکہ تھکا ہوا تھا۔ لہٰذا جلدی ہی سو گیا۔ میرے لئے نیند کا آنا نہ آنا برابر ہی تھا۔ بظاہر آنکھیں موندے میں لیٹ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کونسا وقت نکالوں جو کہ شہزادے سے تخلیہ میں ملاقات ہو۔ اس وقت میں اس کے آرام میں خلل

ہونا مناسب نہ سمجھتا تھا۔ محل میں اب ہر طرف خاموشی تھی۔ چونکہ میرے لئے یہ نئی جگہ تھی اور ایسی شان و شوکت کا میں عادی نہ تھا۔ اتنے نرم و نازک گدّوں پر سونا نہ سیکھا تھا۔ اس لئے یہی چیزیں میرے لئے وبالِ جان بن چکی تھیں۔ مگر جسم کو تو آرام کی ضرورت پڑتی ہی ہے۔ میں کروٹ بدل کر لیٹ رہا اور سونے کی تیاری کرنے لگا۔ اچانک مجھے آہٹ ہوئی۔ کسی کے دھیمے سے چلنے کی آواز آئی۔ میں نے بنا ہلے جلے اور ایک آنکھ وا کر کے دیکھا۔ ملکہ دبے پاؤں میرے کمرے میں سے گذر رہی تھی۔ حیرانگی اور خوف کے ملے جلے تاثرات میرے اندر پیدا ہو گئے۔ میں اس کے ارادے سے ناواقف تھا۔ تاہم احتیاط ضروری تھی۔ ملکہ اس وقت اپنے مہمان کے کمرے کی طرف کیوں جا رہی تھی؟ شہزادے کے کمرے کا راستہ میرے کمرے سے ہی ہو کر جاتا تھا۔ اس لئے یہ بھی ایک قدرتی مدد تھی۔ ورنہ میں حالات سے غافل رہتا اور نہ معلوم آگے چل کر کیا حشر ہوتا۔ اس طرح اُس کے اچانک آجانے سے اور وہ بھی چوروں کی طرح چلنے سے شک کا پیدا ہو جانا یقینی امر تھا۔ میں اب ہوشیار ہو چکا تھا۔ شہزادے کے کمرے میں دھیمی دھیمی روشنی جل رہی تھی مگر وہ بے فکرا انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہا تھا۔ ملکہ اُس کے کمرے کے سامنے جا کر رُکی۔ اُس نے نہایت آہستہ سے اُس کمرے کا پردہ ایک طرف سرکایا۔ پھر وہیں پر ٹکٹکی باندھے رُکی رہی۔ اسی دوران میں میں بھی اپنی جگہ سے اُٹھا اور ننگے پاؤں نہایت آہستہ آہستہ بغیر ذرا بھی آہٹ کئے ایک پردے کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ ملکہ کیا گُل کھلاتی ہے۔ اُس کا کردار تو بھیانک تھا ہی اس لئے محتاط رہنا نہایت لازم تھا۔ وہ ذرا آگے بڑھی اب وہ آہستہ آہستہ شہزادے کے پلنگ کے قریب جا رہی تھی۔ وہ اُس کے سرہانے کی طرف پہنچ کر رُک گئی۔ میں لرز اُٹھا۔ میرا رُواں رُواں کانپنے لگا۔ میرے

دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ کیا ملکہ اپنے مہمان کو ..... نہیں نہیں۔ وہ ایسا نہیں کریگی۔ وہ ایسا ہرگز نہ کر سکتی تھی۔ میں بھی ایک پردے سے ہٹ کر دوسرے پردے کے عقب میں پہنچ گیا۔ جو شہزادے کے سر کے پیچھے لٹک رہا تھا۔ ہر طرف خاموشی۔ ہُو کا عالم۔ مجھے گھٹی گھٹی فضا معلوم ہونے لگی۔ میں نے اپنا سانس تک روک لیا۔ پھر ملکہ نے ماحول کا جائزہ لینے کے لئے گردن پیچھے گھمائی۔ میں نے اپنی آنکھیں تک موند لیں۔ جیسے کبوتر بلّی کے آجانے سے موند لیتا ہے جب اُس نے اپنا اطمینان کر لیا کہ کوئی اُس کی حرکت کو نہیں دیکھ رہا تو اُس نے ایک ہاتھ اپنے برقعے کے اندر ڈالا۔ میں تڑپ اُٹھا۔ اُف میرا قیاس غلط نہ تھا۔ تاہم میں اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ مجھے اُس کے اگلے قدم اُٹھانے کا انتظار تھا۔ اُس کی اگلی حرکت پر میری نگاہیں مرکوز ہو گئیں۔ وہ اپنے لبادے میں سے کیا نکالتی ہے۔ کوئی خنجر یا چھرا یا کچھ اور ..... نہایت عمدگی سے اُس نے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی۔ نہ معلوم اُس میں کیا تھا۔ اُس نے آہستہ سے اس کا ڈھکن کھولا۔ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ بے رحمی سے شہزادے کو قتل نہ کرے گی۔ مگر شاید اس کو ختم کرنے کا دوسرا طریقہ ہو۔ میں محلوں کے راز سے زیادہ واقف نہ تھا۔ نہ معلوم اُس شیشی میں کیا تھا۔ شاید کسی قسم کا زہر۔ اس خیال نے مجھے اور بھی پریشان کر دیا۔ اس سے تو کسی پر شک بھی نہ گذرے گا۔ وہ اعلان کر سکتی ہے کہ شہزادہ حرکت قلب بند ہو جانے سے چل بسا۔ اُف کیسی خطرناک تھی یہ عورت جو اُس کی محبت کا دم میرے سامنے بھرتی تھی۔ وہ اُس کے عشق میں کیا حرکتیں کر کے مجھے دکھاتی تھی۔ مگر در پردہ اُس کا کیا ارادہ تھا۔ کس شان و شوکت سے اُس نے شہزادہ کا استقبال کیا تھا؟ مگر اس وقت ....

شیشی سے اُس نے ایک سفوف سا نکالا۔ ایک کپڑے کے اوپر۔ شاید تھ

کیا ہوا وہ رومال تھا۔ اس پر ڈالا۔ اور شہزادے کے چہرے کی طرف بڑھی۔ ابھی اُس کا ہاتھ اُسے چھونے نہ پایا تھا کہ میں نے پیک کر وہ ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ اور یکدم میرے ساتھ ہی پردے کے پیچھے آگئی۔ شہزادے نے کروٹ بدلی اور پھر گہری نیند سوتا رہا۔ ملکہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں لرز رہا تھا۔ اور یہی حال میرا تھا۔ اس نے مجھے ہلکا سا اشارہ کیا اور ہم دونوں نہایت خاموشی سے اُس کمرے سے باہر آگئے۔ میں نے اُس سے پوچھنا چاہا مگر اُس نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اب بجائے میرے وہ میرا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔ میرے کمرے کو پار کر کے وہ غلام گردش میں وہ مجھے گھسیٹتی ہوئی لے آئی۔ وہاں اس نے اپنا سانس درست کیا۔ مگر وہ وہاں بھی نہ رُکی۔ وہاں آگر اُس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور مجھے اپنے ساتھ آنے کا اِشارہ کیا۔ ہم اُس کی خوابگاہ میں پہنچ گئے اندر داخل ہو کر اُس نے اپنی نقاب اُلٹ دی اور نہایت نفرت آمیز لہجہ میں چیخی۔

"پاگل بڈھے۔ تو نے میرا سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔"

میں نے بھی تلخ آمیز الفاظ میں جواب دیا۔

"یہی نہ کہ اپنے مہمان سے ایک خطرناک کھیل کھیلنے سے باز رکھا۔ مگر یہ شاہی آداب کے خلاف ہے۔ کیا مہمانوں سے ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے؟"

وہ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگی اور بولی۔

"ارے یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تمہارا خیال ہے میں اُسے کوئی نقصان پہنچانے وہاں گئی تھی۔ کم ظرف انسان! یہ میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا کہ اپنے محسن کو ذرا بھی گزند پہنچاؤں۔ یہ تم نے کیسے تصور کر لیا؟"

"میں اپنی حرکت کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔ مگر میں نے شاید غلط سمجھا ہو۔ کیا دنیا کی حسین ترین ملکہ اپنے مقصد سے مجھے آگاہ کرنے کی تکلیف گوارا کریگی؟"

"تو سن نادان! میں تجھے اپنا اصل مدعا بتاتی ہوں۔ اب مجھے یقین ہو رہا ہے کہ تم نے کبھی کسی عورت کا قُرب حاصل نہیں کیا۔ مجھے تمہاری حالت پر ترس آتا ہے۔ ورنہ آج تم میری راہ میں حائل نہ ہوتے۔ تم بھی حق بجانب ہو اور میں بھی اپنے دل سے مجبور ہوں۔ ہم دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ تمہیں شہزادے کی قربت نصیب ہے اور میں — میں اُسے جس نظر سے دیکھتی ہوں وہ اس کا جواب نہیں دیتا یہ تجربہ رات میں نے دعوت میں کر کے دیکھا۔ میں نے اُس کے ساتھ رازدارانہ باتیں کیں مگر اُن کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اسی لئے میں نے یہ قدم اُٹھایا تھا۔ یہ سفوف ایسا نہیں کہ جس سے کسی کی زندگی کو خطرہ ہو جائے مگر یہ ایک اکسیر ہے اسمیں ایک غیبی طاقت ہے کہ اسے جس کے جسم پر بھی مَل دیا جائے وہ میرا مطیع ہو جاتا ہے پھر میرا کامیاب ہو جانا یقینی ہے۔ میں اُسے جیسے چاہوں چلا سکتی ہوں۔ پھر وہ مجھے ہرگز ٹھکرا نہیں سکتا۔"

میں نے ایک لاپرواہی کے انداز میں جواب دیا۔

"ملکہ اگرچہ میں نے وعدہ کیا ہے کہ شہزادے کی اور تمہاری دوستی کو مضبوط بناؤں گا۔ میں اُسے تمہاری طرف راغب کروں گا اور اس وقت بھی انجانے میں میں نے آپ کے اِرادے میں رکاوٹ ڈال دی۔ مگر گستاخی معاف! اگر میں عرض کروں کہ اب آپ پر بخوبی واضح ہو چکا ہے۔ شہزادہ اپنے کردار کا کتنا پختہ ہے میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کر دیا تھا کہ اُسے فریب اور دھوکے سے نفرت ہے اب بھی یہی کہتا ہوں۔ وہ ایک چٹان ہے جس سے آپ ٹکرانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ وہ آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ تو بڑھا سکتا ہے مگر وہ ان پستیوں کی طرف ہرگز نہ بڑھے گا جدھر آپ اُسے لیجانا چاہتی ہیں۔ اب بھی موقع ہے آپ سنبھل جائیں۔ اور مجھے بھی اس گراوٹ کی طرف جانے کیلئے مجبور نہ کریں۔"

"بیوقوف بڈھے! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ مگر دیکھو۔ میں نے یہ پہلی کوشش کر دیکھی کہ شاید سیدھی انگلی گھی نکل آئے۔ وہ آسانی سے میرے دام میں آجائے مگر خیر! اب میں اوچھے ہتھیار نہ چلیوں گی اور پھر بھی تمہیں دکھا دوں گی کہ وہ میرے سے کیسے بچ سکتا ہے۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہی اور پھر بولنے لگی۔

"تم عورت کی قوت کو کیا جانو؟ وہ کمزور سا اور ناتواں ہوتے ہوئے بھی بے پناہ طاقت رکھتی ہے اور میں یہ ثابت کر کے دکھا دوں گی۔ نجومی! عورت ایک ایسا شہسوار ہے جو مرد کی لگامیں اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے اور موقعہ اور مناسبت دیکھ کر انہیں کھینچ لیتی ہے۔ وہ مرد کی کمزوری سے واقف ہوتی ہے اور اس کی ضرب اسی کمزور حصے پر پڑتی ہے۔ اس کے پاس اس کے قفل کی چابی ہے جس سے جب چاہے وہ کھول سکتی ہے اور اس کے دل کے اندر داخل ہو سکتی ہے۔ وہ ایسی قلوپطرہ ہے جو جولیس سیزر جیسے شاہوں کو اور انطونی جیسے خودداروں کو قدموں میں جھکا سکتی ہے۔ عورتوں کے اشارے سے ملکوں کی، حکومتوں کی قسمتیں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں۔ اس کی خاطر مرد آگ میں کود جاتا ہے۔ نیکی اور بدی کی تمیز بھول جاتا ہے۔ تو نے عورت کی عظمت نہیں دیکھی۔ نہیں اب سے میں ملکہ نہ رہوں گی۔ تم دیکھو گے جہاں ایک ملکہ ناکامیاب ہوئی ہے وہاں عورت کس طرح کامیاب ہوتی ہے۔ شاید تم نے اپنی زندگی میں یہ عجوبہ نہیں دیکھا۔ اس کرشمے سے تمہاری آنکھیں بے بہرہ ہیں۔ اب تم ایک عورت کا سحر دیکھو گے۔ نجومی تم بھی جادوگر ہو۔ تم نے بھی مجھے چند شعبدے دکھائے ہیں۔ اب میں تم کو جادو کر کے دکھاؤں گی۔ تم نے غرور کے ساتھ کہا تھا کہ شہزادہ بلند ہے۔ تم نے مجھے نصیحتیں کی تھیں۔ اس کی عظمت کے گیت الاپے تھے۔ نجومی میں تمہیں دکھا دوں گی کہ وہی تمہارا عظیم شہزادہ تمہارے سامنے بیٹھی ہوئی عورت

قدم چومے گا۔ تمہارے شہزادے کی بلندی کردار اور میرے حسن میں ٹکر ہوگی۔ ایک جنگ ہوگی اور میں تمہیں دعوت دیتی ہوں اس کا مشاہدہ کرنے کی۔ میں بھی آج تمہیں خبردار کرتی ہوں کہہ دینا اپنے شہزادے سے کہ وہ اپنا دامن مجھ سے بچا سکے تو بچا لے۔"

وہ دم لینے کے لئے رکی۔ اُف میرا رواں رواں کانپ اٹھا۔ ان الفاظ سے میری ہڈیاں تک تخ بستہ ہوگئیں۔ میں نے بڑے بڑے خطرناک سفر کئے تھے۔ بھیانک سے بھیانک منزلیں طے کی تھیں مگر اس حسینہ کے یہ الفاظ ان سب سے کہیں زیادہ خوفناک تھے۔ وہ آتش فشاں پہاڑ کے لاوے سے بھی زیادہ گرم محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے ایک قہقہہ بلند کیا۔ سینکڑوں روپہلی گھنٹیاں بج اٹھیں۔

"مغرور نجومی! نہیں نہیں۔ میں نے تمہیں غلط الفاظ سے خطاب کیا۔ مجھے انجان نجومی کہنا چاہیئے تھا۔ سن! عورت سب کچھ برداشت کر لیتی ہے مگر وہ یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتی کہ مرد اسے بے کار اور بے حقیقت سی چیز سمجھ کر ایک طرف پھینک دے۔ یہ عورت ذات کی زبردست توہین ہے۔ قدرت نے اس لاپرواہی کا مقابلہ کرنے کی اسے صلاحیت دی ہے۔ تمہارے شہزادے کی اخلاقی ذہنیت، اس کا عالی وقار میرے آگے سرنگوں ہوگا۔ اور تم بھی اس نظارے کو دیکھو گے۔ اس کی بلندیاں اب حسن کی ارتقاء سے ٹکرائیں گی۔ اور تم اس کے شاہد ہو گے۔ تمہارے سامنے اس کے سنہری اصول ماند پڑ جائیں گے۔ وہ حسن کے جام کو امرت سمجھ کر پی جائیگا۔ اور اس وقت تم کف افسوس ملو گے۔ مت سمجھو کہ اس کیلئے اب میں تمہاری محتاج ہونگی۔ مت سمجھو کہ مجھے تمہاری مدد درکار ہوگی۔ مجھے اپنے اوپر پورا بھروسہ ہے۔ مکمل اعتقاد ہے۔ آجتک میں نے کتنے ہی مغرور اور سر پھرے دیوانوں کو اپنے سامنے جھکایا ہے۔ میرے سحر کے آگے کوئی دم خم والا مرد نہیں ٹھہر سکا۔ کوئی ایسا فاتح پیدا نہیں ہوا جسے میری ایک ہی جھلک نے اسے میرا مطیع نہ کر دیا ہو۔ اب میں تمہارے شہزادے کے سامنے اپنا سحر

جگاؤں گی۔ میرے جمال میں جو بھی کمی رہ گئی ہے اسے پُورا کروں گی۔ پھر اپنا نقاب اُس کے سامنے اُلٹ دوں گی۔ میرا یہی حربہ اُسے میرے قبضہ میں کر دے گا۔"

وہ بولتے بولتے تھک گئی۔ کم گو عورت آج کتنے جوش میں تھی۔ اُف اُس کا غرورِ حُسن۔ مَیں حیران تھا کہ یہ عورت کس مٹی کی بنی ہوئی ہے۔ یا پھر میں ہی پاگل ہوں۔ مجھے عورت کو ابھی تک نزدیک سے دیکھنے کا موقع نہ ملا تھا۔ یہی ایک پہلی عورت تھی جس کو مَیں نے قریب سے دیکھا تھا۔ مگر یہ تو ایک آگ تھی، ایک بہتا ہوا لاوا — آہستہ سے وہ اپنے پلنگ پر نیم دراز ہو گئی اور کسمساتے ہوئے بولی۔

"نجومی! اب جاؤ۔ رات ختم ہونے کے قریب ہے۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

اُس نے لاپرواہی سے اپنا ہاتھ دروازے کی طرف اٹھا دیا۔ میں خاموش، ویران سی آنکھوں سے دیکھتا ہوا چل دیا۔ گھبراہٹ میں مَیں نے اُسے ڈھنگ سے سلام بھی نہ کیا۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا اور صبح صادق ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

بارھواں باب

کیچڑ میں کنول

میں ایک موقعہ کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح شہزادے کو ملکہ کے ارادوں کے متعلق آگاہ کروں۔ اُس کی سلامتی کا مجھے ہر وقت خیال رہتا تھا۔ ملکہ نے اپنا باطن اپنا ضمیر اور اُس کے اندر چھپی ہوئی بدرُوح میرے آگے بے نقاب کر دی تھی۔ اُس کا غرورِ حُسن اور اُس کا مکروہ دل۔ یہ دونوں مل کر کسی بھی انسان کو تباہی کے غار میں دھکیل سکتے تھے۔ اگرچہ شہزادے کی ذات پر مجھے بھروسہ تھا۔ تاہم مرد کی کمزوریوں سے میں پوری طرح واقف نہ تھا۔ اور ملکہ نے مجھ پر ظاہر کر دیا تھا کہ وہ مرد کی دُکھتی ہوئی رگ کو پکڑنا جانتی ہے۔ ایسا نہ ہو شہزادہ ایک اور دھوکا کھا جائے۔ اس حسین کی عورت تو زاہد کو بھی بھرما سکتی ہے۔ میری نیند حرام ہو چکی تھی۔ آہستہ آہستہ صبح نمودار ہو رہی تھی۔ سورج دیوتا مشرق سے اپنے سنہرے رتھ پر سوار بلندیوں کو چھونے کے لئے چل پڑا تھا۔ کرنیں شہزادے کے کمرے کے اندر جھانک جھانک کر اُسے سلام صبح کر رہی تھیں۔ میں اپنے پلنگ سے اُٹھا اور اُس کے کمرے کی طرف چلنے لگا۔ مجھے ہر قدم پر لغزش سی محسوس ہو رہی تھی۔ کہیں ملکہ مجھے دیکھ تو نہ رہی تھی۔ اُس کا کوئی خفیہ جاسوس

تو ہماری نگرانی نہیں کر رہا تھا۔ دبے پاؤں میں شہزادے کے پاس پہنچا۔ اس نے انگڑائی لیکر آنکھیں کھول دیں۔ اور مجھے نہایت ادب سے سلام صبح کہا۔ میرے اندر پیار کا جذبہ اُمڈ آیا۔ ایک شفقت جو ایک باپ کو اپنے ہر دلعزیز بچے سے ہوتی ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر اُسے گلے سے لگالیا۔ اور اُس کو درازیٔ عمر کی دُعائیں دینے لگا۔

شہزادے نے خوش آمدید کہا اور صبح ہی صبح آنے کا سبب دریافت کیا۔

"مخلص و مہربان بزرگ! آپ نے آنے کی تکلیف کیونکر گوارا کی۔ میں خود آپکی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ مگر یہ آپ کے چہرے سے فکر و رنج کے آثار کیوں نظر آرہے ہیں۔ آخر آپ کے چہرے پر شکن کس لئے ہے؟ میں یہ تو کسی کی شکل پر دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ میں نے اپنا جیون دنیا سے خوف اور وحشت مٹانے کے لئے صرف کر دیا ہے۔ پھر آپ کیوں اس حالت میں ہیں؟"

شہزادے کے الفاظ نے میرے اوپر جادو کا اثر کر دیا۔ میں ماحول سے لاپرواہ ہو کر بولا۔ مگر میری آواز اتنی دھیمی تھی کہ سوائے ہمارے دونوں کے کوئی بھی یہ آواز نہ سُن سکتا تھا۔

"شہزادے! میری آج یہ تمنا ہے کہ میں تم سے کھل کر کچھ باتیں کروں۔ مگر یہاں نہیں۔ اس کے لئے میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ ہم اس ملک کی سیاحت کے لئے چل دیں۔ یہاں کی پرانی تہذیب اور عمارتوں کا ملاحظہ کریں۔ مگر اس میں ملکہ ہرگز شریک نہ ہو۔ ہم اُس کی موجودگی میں آزادی سے یہ منظر نہ دیکھ سکیں گے۔ نہ دلی باتیں ہی کر پائیں گے۔"

"میں آپ کی اس تجویز کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔ آج ہی میں ملکہ سے اجازت لے لوں گا۔ اور آپ میرے ہمراہ چلیں گے ـــ صرف اتنی سی بات؟ یقیناً آپ اس چھوٹی سی بات کے لئے پریشان نہیں ہیں۔ میں اس راز کو

جو آپ سینے میں چھپائے ہوئے ہیں۔ جاننے کے لئے بےچین ہوں۔"

"مگر شہزادے یہ موقعہ و محل اس راز کو عیاں کرنے کے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس ملک کو اپنے ملک جیسا مت سمجھو۔ تمہارا ملک جنتا کا ملک ہے وہاں ہم اور تم اور سبھی لوگ اپنا راز دل جہاں چاہیں بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم یہاں ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ مجھے فی الحال مجبور نہ کریں۔ ہاں البتہ میری تجویز پر عمل پیرا ہونے کا بندوبست ضرور کریں۔"

شہزادہ مُسکرایا۔ مگر اُس کی مسکراہٹ میں سنجیدگی کی آمیزش تھی۔ پھر چند رسمی باتوں کے بعد میں اُسے چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ یہ میں نے بروقت کیا۔ کیونکہ چند لمحوں کے اندر یعنی میرے اپنے کمرے میں لوٹ آنے کے بعد ملکہ نقاب اوڑھے خراماں خراماں چلی آرہی تھی۔ اُس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ شاید نیند کے خمار سے یا پھر اپنی جلن کو بجھانے کے لئے اُس نے رات بھر پی ہوگی۔ اپنی لمبی تقریر مجھ پر جھاڑنے کے بعد اُس نے اپنا غم غلط کیا ہوگا۔ وہ گرتے پڑتے قدموں سے میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ مجھے بیٹھا دیکھ کر ذرا سی مسکرائی اور ایک ہاتھ کو ہلکی سی حرکت دی۔ گویا اُس نے مجھے سلام کہا تھا۔ وہ لاپرواہی سے شہزادے کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور ملکہ کی نظروں سے چھپتا ہوا ایک پردے کی اوٹ میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

شہزادہ ایک آرام کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ملکہ کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہو گیا۔ ملکہ نقاب کے پیچھے سے مسکرائی اور ہاتھ کے اشارے سے شہزادے کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ بھی ایک پاس رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر وہاں خاموشی رہی۔ ملکہ بات کرنے کیلئے موزوں الفاظ ڈھونڈھ رہی تھی۔ پھر وہ اپنے الفاظ میں مسکراہٹ کی شیرینی گھولتی ہوئی کہنے لگی۔

"عجب اتفاق ہے آپ سے بات کرنے کا موقع کتنی دیر سے ملا۔ ہماری پہلی ملاقات اب ہو رہی ہے۔ بھلا اتنے جمِ غفیر میں آپ سے راز کی باتیں کیا کرتی۔ گو اِس وقت آپ میری باتیں سننے کے لئے تیار نظر نہیں آ رہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اس کا موزوں انتظام کیا جائیگا۔ اِس وقت صرف میں آپ کی ذاتی خیر و عافیت دریافت کرنے چلی آئی۔ کہئے رات تو آرام سے گذری۔"

شہزادے نے اُسی انداز میں جواب دیا۔

"میں اپنی میزبان کا تہ دل سے شکر گذار ہوں۔ شاید ملکہ عالیہ بھول رہی ہیں۔ یہ ہماری دوسری ملاقات ہے۔ بلکہ اسے تیسری ملاقات کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔"

ملکہ نے اپنی پشت کرسی کے ساتھ لگالی اور ہتھی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا۔

شہزادہ اسی انداز میں کہنے لگا۔

"ہماری پہلی ملاقات تو اس دیش میں ہوئی تھی جہاں آپ نے دیگر ممالک کے نمائندوں کے ساتھ مل کر معاہدے پر اپنے دستخط کئے تھے۔ کیا میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

وہ جیسے نادم سی ہو گئی مگر برجستہ بولی۔

"شہزادے! تمہاری سوجھ بوجھ اور ایک عورت کے راز کو پہچاننے کی تہِ دل قدر کرتی ہوں۔ شکر ہے کہ تمہارے اندر عورت کو پہچاننے کی صلاحیت ہے۔ اس سے میرا مسئلہ اور بھی آسانی سے حل ہو سکے گا۔ اب میری کامیابی یقینی ہے۔ خیر چھوڑیئے اِن باتوں کو۔ مگر یہ واقعی حیران کن عجوبہ ہے کہ آپ نے مجھے پہچان لیا اور اسے اب تک راز ہی رکھا۔ اُس وقت تم مجھے خاتون کہہ کر ہی مخاطب کرتے رہے تھے۔"

"یہ تو ایک معمولی بات ہے ملکۂ عالیہ۔ اُس وقت آپ کا راز فاش کر کے مجھے ایک ملکہ کی بے حرمتی کرنا گوارا نہ ہوا۔ مجھے عورت کی عزت کا پاس ہے۔ اتنے

بڑے ملک کی خاتون کا لحاظ تھا میرے آگے۔ میں کیونکر یہ گوارا کرتا کہ آپ پر باقی ممالک کے لوگ انگشت نمائی کرتے۔ مگر ملکہ! میں آپ سے یہی درخواست کروں گا کہ سچائی میں راحت ہے۔ اِس کا راستہ بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ امید ہے آپ میری راست گوئی کو گستاخی نہ گردانیں گی۔ شیشے میں وہی نظر آئے گا جو اس کے سامنے آئیگا۔

ملکہ کچھ دیر خاموش رہی۔ وہ پینترہ بدلتی ہوئی بولی۔

"میں آپ کی بلند نظری کی قدر کرتی ہوں۔ مگر کیا یہ سب کچھ آپ کے دوست سے تو آپ کو معلوم نہیں ہوا جسے آپ نے میرے ساتھ روانہ کیا تھا؟"

"نہیں ملکہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر اُس نے ہی مجھے بتایا ہوتا تو میں ایسا کہنے سے بھی انکار نہ کرتا۔ مگر مجھے میری آنکھیں دھوکا نہیں دے سکتیں۔ خیر چھوڑیئے اِس مہمل سے قصے کو۔ میری ایک درخواست ہے۔ اُمید ہے آپ انکار نہ کریں گی۔ مجھے اِس ملک کی خوبیوں کا بہت احترام ہے۔ ایک دفعہ پہلے بھی جبکہ اِس کی عنانِ حکومت آپ کے ہاتھوں میں نہ پہنچی تھی۔ میں نے اس ملک کی زیارت کی تھی۔ میں نے اس کی صلاحیتوں کو دل سے سراہا تھا۔ اس کے قدیم شہنشاہوں کی چھوڑی ہوئی یادگاروں نے مجھے مرعوب کیا تھا۔ کیا آپ مجھے اجازت دینگی کہ میں ایک دفعہ پھر اُس یاد کو دہرا لوں۔ ایک دفعہ پھر میں آپ کے اس عظیم الشان ملک کا تھوڑا سا حصہ دیکھ لوں۔ یہاں میرا قیام بہت تھوڑا ہے کیوں کہ مجھے جلد ہی اپنے ملک کو لوٹنا ہے۔"

ملکہ اپنے ہی جال میں پھنس چکی تھی۔ لہٰذا اُس وقت وہ اپنا پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اِس لئے فوراً بولی۔

"خوبرو شہزادے! میرے ملک کی تعریف کرکے گویا آپ نے میری

تعریف کی ہے۔ بھلا میں کیسے انکار کر سکتی ہوں۔ آپ جہاں چاہیں بصد شوق جا سکتے ہیں: اس کا انتظام میں ابھی کروائے دیتی ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتی ہوں۔"

"نہیں۔ میں ملکہ کی مصروفیات میں خلل انداز ہونا نہیں چاہتا۔ مجھے خود اس امر کا احساس ہے کہ حکومت چلانے میں کتنا دماغ اور وقت صرف ہوتا ہے۔ بہرحال آپ کی اس پیشکش کا شکریہ۔"

ملکہ کرسی سے اٹھی اور یہ کہتی ہوئی چلی دی۔

"میرا ملک آپ کے لئے ایک کھلی کتاب ہے۔ آپ جہاں چاہیں بخوشی جائیں میں آپ کے سفر کا انتظام کئے دیتی ہے۔"

اس نے ایک نہایت ہی عمدہ اور تیز رفتار گاڑی کا انتظام کرا دیا۔ وہ جانتی تھی کہ شہزادہ مجھے بھی ساتھ لیکر جائے گا۔ لہٰذا اس نے کوئی عذر پیش نہیں کیا اور بخوشی مجھے اس کے ہمراہ جانے کی اجازت دیدی۔ اس نے ہمارے ساتھ دو رہبر کر دیئے۔ اس میں غالباً اس نے یہ مصلحت سوچی ہوگی کہ ایک تو وہ ہمیں صرف خاص خاص مقامات پر ہی لے جائینگے اور دوسرے شاید اس کا خیال ہو کہ اُن کی موجودگی میں ہم تنہائی میں بات چیت کرنے کا موقع نہ پا سکیں گے اور جو گفتگو ہم کریں گے وہ ملکہ تک پہنچائی جائے گی۔ ہماری گاڑی برق رفتاری سے چل رہی تھی۔ ہمیں وہ پہلے ایک بھون میں لے گئے جو کسی طرح بھی محل سے کم نہ تھا۔ وہاں کانسی دھات جو تانبے اور قلعی کا مرکب ہوتا ہے اس کی خوبصورت چیزیں دیکھنے کو ملیں۔ چینی کے سُندر نمونے۔ تصویریں۔ پُرانی کتابیں وہاں موجود تھیں۔ ہزار ہا قسم کی چیزوں سے وہ سارا بھون مزیّن تھا بیسیوں کمروں میں جا بجا ترتیب سے طرح طرح کے بُت سجائے ہوئے تھے۔

پُرانے وقتوں کے خوبصورت برتن جنکی مینا کاری دِل لُبھا رہی تھی ہمیں دیکھنے کو ملے کئی برآمدوں میں سے گذرتے ہوئے ہم ایک لمبے ہال میں پہنچ گئے۔ اُس کے اندر سینکڑوں ستون کھڑے تھے۔ وہاں کا درشید دیکھتے ہی بنتا تھا یہاں یونانی قسم کے بت۔ پریوں کی عمدہ شکلیں۔ سونے چاندی کے بڑے بڑے برتن جو کبھی اس ملک کے شہنشاہ استعمال کرتے ہوں گے نہایت قرینے سے سجائے ہوئے تھے۔ آرتی کرنے والے چمکدار پیتل کے دیپ اور سگندھیاں رکھنے والے گول برتن رکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف سونے کے منقش جام رکھے ہوئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں جو کبھی مندروں میں بجائی گئی ہوں گی۔ اور پھر گھڑے کے برابر کے برتن تھے۔ اُن میں بھی خوشبوئیں جلا کر مندروں کے ماحول کو خوشبودار بنایا جاتا ہوگا۔ ایک طرف مختلف قسم کے ساز رکھے ہوئے تھے جن کی آوازوں نے کبھی ماضی کی روحوں کو جھنجھوڑا ہوگا۔ اُن کے اندر عرفان کو چھو لینے کے لئے جوار بھاٹا پیدا کیا ہوگا۔ پھر ایک کانسی کا اِتنا چمکدار شیشہ تھا گویا یہ دھات نہ ہو کر کانچ کا معلوم دیتا تھا۔ اور اس میں اپنا عکس ویسے ہی دِکھائی دیتا تھا جیسے عام شیشے میں آج دکھائی دیتا ہے۔ اُس کے اوپر سنسکرت کے چند شلوک درج تھے۔ یہ سمجھتیا۔ یہ تہذیب وہاں اور کہیں سے نہ پہنچی تھی۔ خود بھارت نے اُسے یہ عظمت دی تھی۔ پھر چینی کے سندر اور نایاب برتنوں کے نمونے وہاں موجود تھے۔ جس نے اس ملک کو عالم میں مشہور کر دیا ہے مختلف رنگوں کی آمیزش سے اُن پر گلکاری کی گئی تھی۔ اور اصل کا دھوکا ہوتا تھا۔ اس کے بعد لکڑی کے تراشیدہ بت اور بہت سی چیزیں دیکھنے کو ملیں۔ خوبصورت اور گہرے رنگوں سے بنائی گئی تصویریں، عجیب عجیب بھیانک جانور جن کے نتھنوں سے آگ نکلتی ہوئی معلوم دے رہی تھی۔ خوبصورت عورتوں

کی تصویریں جو مختلف زمانے میں طرح طرح کے لباس پہنے ہوئے تھیں۔ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر قدیم زمانے کا دھرم۔ اُن کا مذہبی جنون، اُن کا لافانی تمدن اُن کی بلند تہذیب ہماری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ انسان نے اپنا باطن اپنا تخیل اپنے ہاتھوں کے کرشمے سے عیاں کر دیا تھا۔ اُس نے اپنے اندر چھپی ہوئی رُوح کو مختلف چیزیں اور تصویریں بنا کر اُجاگر کر ڈالا تھا۔ اس نے اپنی شاعری رُومانی تصور، پرواز شوق تصویروں اور بتوں میں ڈھال دیا تھا۔ اس نمائش و زیبائش کو دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ انسان کا عقیدہ صرف شکم پُری ہی نہ تھا۔ یہ سب کچھ اُس قدیم انسان نے رُوح کی غذا کے لئے بنایا تھا۔ اور بھارت اُس ملک کے لئے مشعلِ راہ بنا تھا۔ ایک طرف خوبصورت تتلیوں، چھوٹے اور بڑے پرندوں، طرح طرح کے پھولوں، اُڑنے والے کیڑوں اور رینگنے والے جانوروں کی تصویریں تھی۔ مصوّر کی ذکی قلم نے انہیں زندۂ جاوید کر دیا تھا۔ ہمیں ہمارے ایک رہبر نے بتایا کہ پرانے زمانے کے ایک مصوّر کے دل میں خیال جاگزیں ہوا کہ وہ ایک گول کاغذ کے بلندے کے اوپر جو میلوں لمبا ہو۔ رنگوں سے بھرے ہوئے شکلوں سے تصویریں بنائی جائیں۔ مصوّر کے اس تصور نے ہمیں مسرور کر دیا۔

انسان کے ماضی کا یہ عجوبہ دیکھ کر ہم باہر آگئے۔ اب شہزادے کو میں نے اشارہ کیا اور اُس نے رہبروں کو وہیں پر رُکنے کا حکم دیا۔ اُس نے کہا کہ "اب میں اُسی پُرانی جگہ کو دیکھنے جا رہا ہوں جو کبھی میں نے پہلے بھی دیکھی تھی۔ اگرچہ وہ خوشی سے رضامند نہ ہوئے تھے۔ شاید اُنہیں ملکہ کے غیض کا خوف تھا لیکن جب ہم نے انہیں یقین دلایا کہ ملکہ کو کسی بات کا بھی علم نہ ہو گا بلکہ ہم اپنی خوشی سے تمہیں یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں تو وہ رضامند ہو گئے۔ اب ہم دونوں اجنبیوں

کی طرح آگے بڑھے۔ شہزادہ خود گاڑی چلا رہا تھا اور میں اُس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ دیر کے بعد ہم اس قدیم شہر سے بہت دور نکل گئے۔ وہاں ہمیں ایک دیوار دیکھنے کو ملی۔ یہ میلوں تک سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی جا رہی تھی۔ ہم اُس کے نزدیک گئے تو دیکھا۔ کتنی چوڑی اور کتنی مضبوط تھی یہ دیوار۔ اس پر شاید دو گھوڑے برابر برابر دوڑ سکتے تھے۔ شہزادہ نے مجھے بتایا کہ اس ملک کے ایک بادشاہ نے اسے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے بنوایا تھا۔ یہ دیوار سینکڑوں میل تک لمبی تھی۔ میں اسی تصوّر سے حیرت میں پڑ گیا کتنا روپیہ، کتنی محنت اس پر صرف ہوئی ہوگی۔ کافی دُور تک ہم اس دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ قدرتی مناظر کتنے دلفریب تھے۔ محلوں اور مکانوں کی فضا سے باہر نکل کر یہاں کتنا آرام ملتا تھا۔ ملکہ کی غیر حاضری میں ہمیں آزادانہ طور پر یہ سب کچھ دیکھنے کا موقع ملا تھا اور ہم خوش تھے۔

اب ہم ایک قصبے میں سے گذر رہے تھے۔ وہاں ہمیں ایک بڑا مدرسہ نظر آیا۔ شہزادے نے ادھر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہاں پہنچ کر ہمیں معلوم ہوا کہ یہ ایک درسگاہ تھی جہاں بڑوں اور بوڑھوں کو نئے ڈھنگ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ پُرانے اور بوسیدہ قسم کا لبادہ اُن کے اوپر سے اُتار کر ایک نیا خول چڑھایا جاتا تھا۔ اُن کے صدیوں پُرانے خیالات کو بدلا جاتا تھا۔ ہم بھی بھیڑ میں شامل ہو گئے جو اس مدرسے کے اندر جمع تھے۔ لوگ خاموش اور ترتیب سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم بھی خالی کرسیاں دیکھ کر بیٹھ گئے۔ ایک معلم یا رہنما تقریر کر رہا تھا۔ اور ہم نے اس کے چند الفاظ سنے۔ وہ کہہ رہا تھا:

"ہمیں ماضی کو مکمل طور سے خیرباد کہنا ہوگا۔ ہمارا ملک دنیا میں سب سے بڑا اور طاقتور بنکر رہے گا۔ ہماری آبادی آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔

اب ہمیں فاتح بننا ہے۔ اس کے لئے پہلے اپنے دقیانوسی خیالات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہوگا۔ بتوں کی پوجا بند کرنی ہوگی۔ خدا کے جھوٹے تصور کو دل سے نکالنا ہوگا۔ ہماری ملکہ کی فوج زبردست ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک نے ہمارے لئے اسلحہ جنگ مہیا کیا۔ ہمیں اس کا استعمال کر کے دنیا پر چھا جانا ہے۔ آپ کو میں آج بتا رہا ہوں کہ وہی ہمارا پڑوسی ملک بھی ہم سے خائف ہو رہا ہے۔ وہ ہماری حیرت انگیز ترقی سے ڈرنے لگا ہے۔ ایک دن ہم اس کی طاقت پر سبقت لے جائینگے۔ ہمارا مستقبل روشن اور خوشنما ہے۔ ہمارے پڑوسی ملکوں نے جو ہمارے علاقے وقتاً فوقتاً چھین لئے تھے۔ ہمیں واپس لینے ہیں اور اس کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ بزورِ شمشیر ہتھیاروں کے استعمال سے جنگ کے نعروں سے۔ جنگ صرف جنگ۔ ہم تمام دنیا سے لڑ جائیں گے۔ ہم اپنے جاسوس دوسرے ملکوں میں بھیجکر وہاں کے نظام کو تہہ و بالا کر دینگے۔ خفیہ طور پر ہم وہاں بغاوتیں پھیلا دینگے۔ اور ایسا ہم بہت سے ملکوں میں کر بھی رہے ہیں۔ اس لئے آیئے میرے ساتھیو! ملکہ کا اعلان ہے۔ اس کا حکم ہے کہ اس ملک کا بچہ بچہ جنگ کے لئے آمادہ ہو جائے ہمیں تمہارے خون کی ضرورت ہے۔ صرف خون سے ہم اپنے ملک کے پودے کو سینچیں گے ......"

وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ مگر ہم چپکے سے اٹھ کر چلے آئے۔ میں ان خیالات سے جو لوگوں کے اوپر ٹھونسے جا رہے تھے سن کر حیران ہو گیا۔ ملکہ کو صرف جنگ ہی پیاری تھی۔ کشت و خون کے علاوہ اور کوئی شے عزیز نہ تھی۔ رواداری، محبت، پیار ان سب سے اُسے نفرت تھی۔ یہ سب ملکہ ہی کے خیالات تو تھے جو وہاں دہرائے جا رہے تھے۔ نہ معلوم شہزادے نے کیا اثر لیا ہوگا۔ وہ نازک طبع شخص اس سے واقعی متاثر ہوا ہوگا۔ اُسے یہ سن کر یقیناً

دکھ ہوا ہوگا مگر اس نے کوئی ذکر نہ کیا۔ اُس کا چہرہ اُداس ہو گیا تھا۔ کیونکہ چہرہ خیالات کی ترجمانی کر دیتا ہے۔

اس نے خواہش ظاہر کی کہ ایک وشال مندر کو دیکھا جائے جہاں اُس نے ایک دفعہ پہلے آتما کی جوت جلتی دیکھی تھی۔ وہ اُس مندر کے راستے سے بخوبی واقف تھا۔ لہٰذا ہم جلدی ہی وہاں پہنچ گئے۔ مگر کیا؟ شہزادہ حیران و پریشان کھڑا ہوا تھا۔ اُس مندر کے دروازے جو ہر وقت ہر کسی کے لئے کھلے رہتے تھے آج بند تھے۔ اُس کے سامنے ایک چٹائی پر ایک بزرگ بیٹھا اونگ رہا تھا۔ شہزادہ نے اندر جانیکی اجازت مانگی مگر اُس نے یاس و حسرت سے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ کہنے لگا۔

"اجنبی! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں اندر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ مکان غیروں کے لئے ممنوع ہے۔ اس کے اندر تمہارے دیکھنے کے لئے کچھ نہیں اور جو کچھ ہے وہ تمہیں دکھایا نہیں جا سکتا۔"

"مگر محترم! یہ سب کیوں؟ مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں چند سال پہلے یہاں آیا تھا ایک ہندوستانی سیاح کی طرح تو اُس وقت شاید تم ہی تھے جو آگے بڑھ بڑھ کر مجھے اس مندر میں رکھے ہوئے دیوتا کے درشن کروا رہے تھے۔ اُس کا نورانی جلال مجھے ابتک نہیں بھولا اور اُسی کے دوبارہ درشنوں کے لئے پھر حاضر ہوا ہوں اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ ہی اس وقت اس بھون کے بڑے پجاری تھے۔"

بوڑھے نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہماری طرف دیکھا اور پھر شہزادہ سے مخاطب ہوا۔

"اجنبی! ذرا آہستہ بولو دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔ تم نے کہا نہ کہ

میں یہاں کا پجاری تھا۔ یہ سچ ہے۔ مگر ماضی لوٹ کر نہیں آتا۔ اس وقت تو میں یہاں کا ادنیٰ دربان ہوں۔"

شہزادے نے اُسے بتایا کہ وہ کون تھا۔ اس کے پاس ملکہ کا پروانۂ راہداری تھا۔ بوڑھا اپنی جگہ سے ہلا اور شہزادے کے قدموں پر جھکنے لگا مگر اس نے جلدی ہی بوڑھے کو سنبھال لیا۔ بوڑھے کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ وہ شہزادے کو آہستہ آہستہ ایک طرف لے چلا۔ میں بھی ساتھ ہی گیا۔ ایک ویران سی جگہ پر وہ روتے روتے کہہ رہا تھا۔

"نووارد! میں تمہیں ایک پڑوسی ملک کا رہبر ہونے کے ناطے دعا و سلام کرتا ہوں۔ انسان کی تقدیریں تو پلٹتے میں نے کئی عیں مگر بھگوان کی تقدیر پلٹتے میں نے اسی راج میں دیکھی ہے۔ روایات نے مجھے بتایا کہ اس ملک میں بھی بڑے بڑے جابر بادشاہ ہوئے ہیں۔ تاریخ کے مطالعے نے یہ روشن کیا کہ ایک فاتح نے پرانے خدا کی جگہ اپنا خدا رکھ دیا۔ مگر خدا ضرور رہا۔ اس کی صرف شکلیں بدلتی رہیں؛ اُس کے نام بدلتے رہے۔ مگر افسوس آج اس خدا کو ہی اُٹھا کر پھینک دیا گیا۔ اُس کی ہستی سے انکار کر دیا گیا۔ اُسے جھوٹا، باطل اور انسان کا واہمہ بتایا جانے لگا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انسان کا واہمہ ہی خدا کی ہستی ہو لیکن سکونِ قلب کے لئے یہ کوئی بُرا تصور تو نہیں۔ پھر کسی دوسرے کے عقیدے میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر اُف۔ یہاں نہ رونے کی اجازت ہے نہ فریاد کرنے کی۔"

شہزادے نے اُسے ڈھارس دی۔ مگر گیلی مٹی تھپکنے سے پانی چھوڑ دیتی ہے۔ وہ روتے روتے پھر کہنے لگا۔

"امن اور اہنسا کے دیوتا کے اوپر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اُسے عجائب خانے

میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ جب میں نے اصرار کیا کہ میرے جسم میں بھی بھُس بھر کے وہیں سجا دیا جائے تو میرا بُرا حال کیا گیا۔ یہ دیکھ۔ میرے جسم کو دیکھو اجنبی! کیونکہ سالوں کے بعد صرف آج تم ہی ملے ہو۔ جس کے اندر مجھے ہمدردی کا مادہ نظر آیا۔ اسلئے میں آج تجھے دکھا رہا ہوں۔"

میں نے اُس کے جسم کو غور سے دیکھا۔ وہاں نہ صرف مار کے نشان ہی تھے بلکہ کس طرح اسے کُریدا گیا تھا بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ اُسے جا بجا کند ہتھیاروں سے گودا گیا تھا مگر یہ سخت ہڈی آج تک زندہ تھی۔ اسے تو کبھی کا ختم ہو جانا چاہیئے تھا۔ اُس نے حسرت سے اُسی بھون کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس بھون میں اب سوائے جنگی اسلحہ کے اور کچھ نہیں ہے۔ جہاں امن کے دیوتا کی مورتی رکھی ہوئی تھی وہاں تباہ کن ہتھیار رہیں۔ جو استعمال کرنے سے دنیا کو اپنے طریقے سے امن اور شانتی دے سکتے ہیں۔ دیوتا بھی تو شانتی ہی پردان کرتا تھا فرق صرف اتنا ہے کہ ہم اُس سے پریرنا لیکر واپس آجاتے تھے۔ مگر اب جس نے وہ جگہ لے لی ہے وہ دیتا کچھ نہیں۔ آنے والے کو اپنے ہی اندر مدغم کر لیتا ہے۔"

بڈھا نہ جانے کیا کیا کہتا تھا۔ ہم نے اسکے پھپھولوں کو چھو دیا تھا۔ وہ تڑپ رہا تھا۔ ہم اُسے اُسی حالت میں چھوڑ کر چل دیئے۔ کیونکہ شام ڈھلنے لگی۔ ہمیں اس ملک کی ذہنیت کا قیاس ہو گیا تھا۔ وہ نہ صرف اپنے لوگوں پر ہی ظلم روا رکھتی تھی بلکہ غیر ملکوں کے متعلق بھی اُس نے کیا کیا جارحانہ منصوبے بنائے تھے۔ اب ہمیں تھوڑی دیر آرام بھی کرنا تھا۔ لہٰذا ایک پرانے کھنڈر کے قریب پہنچ کر رُک گئے۔ یہ ایک اعلیٰ جگہ تھی جہاں ہم کھل کر باتیں کر سکتے تھے۔ وہاں ہم نے گاڑی کو روک دیا۔ اور ایک ستون کا سہارا لیکر بیٹھ گئے۔ آزاد پنچھیوں کی طرح۔

میں نے ملکہ کی تمام کرتوتیں کم و بیش شہزادے کو سُنا دیں۔ میں نے اُسے آگاہ کیا کہ وہ جادوگرنی نہایت حسین ہے۔ اور شہزادے پر اپنا سحر آزمانا چاہیگی۔ پھر میں نے اسے بتایا کہ وہ اپنی رعایا پر کیسے کیسے ظلم روا رکھتی ہے۔ پھر اُس دُنیا کے بدترین خطے کا ذکر کیا جہاں اُس نے خون کی ہولی کھیلی تھی۔ اور خزانے کے ڈھونڈھنے کا قصہ سُنایا۔ اور بعد میں ملکہ کے وہ الفاظ دہرائے جن سے عورت کے تکبر اور مرد کو مطیع کرنے کی تصویر اُس نے کھینچی تھی۔ میرے بیان نے بہت سا وقت لے لیا۔ اندھیرا بڑھنے لگا تھا۔ شہزادے نے میری پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

”بزرگ دوست! آپ نے میری رہنمائی کی ہے میں اس کے لئے بہت شکرگزار ہوں۔ اگر آپ یہاں نہ آتے تو شاید میں یہ سب کچھ نہ جان سکتا۔ بہرحال میں آپ کو یقین دِلاتا ہوں کہ آپ میری طرف سے مطمئن رہیں۔ ملکہ کا سحر مجھ پر اثر نہ کر سکے گا۔ پھر آپ کی رہنمائی میرے شاملِ حال رہے گی تو مجھے کس بات کا ڈر ہے۔“

ہم وہاں سے چل دیئے۔ راستے میں ہم نے دونوں رہبروں کو بھی ساتھ لے لیا اور کھانے کے وقت ہم ملکہ کے محل میں پہنچ گئے۔ وہاں آج پھر ایک دعوت کا انتظام تھا۔ لیکن کوئی قابلِ ذکر واقعہ نہیں ہوا۔ شہزادہ دن بھر کی سیاحت کے باعث تھکا ہوا تھا۔ اس لئے اپنی آرام گاہ میں پہنچ کر سو گیا۔ میں اُس کی نگرانی کرتا رہا۔

تیرھواں باب

ملکہ کا سحر

مجھے رات بھر نیند نہ آئی۔ شاید مجھ پر انسانی جامے میں جذبات زیادہ غالب آ گئے تھے۔ مجھے رہ رہ کر ملکہ کے کردار پر حیرانی ہو رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا وہ اپنے ملک کو کدھر لئے جا رہی ہے۔ دنیا امن کی خواہاں ہے۔ دنیا ایک خطرناک جنگ کو دیکھ چکی ہے۔ وہ ہر طرح سے امن اور سمجھوتہ کرنے میں کوشاں ہے۔ کیا ملکہ کو جنگ کے مہلک نتائج کا احساس نہیں؟ جنگ انسانوں کو تو کیا وہ انسانیت تک کو کھیل کر رکھ دیتی ہے۔ قومیں مٹ جاتی ہیں۔ آبادیاں نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔ تمدن فنا ہو جاتے ہیں۔ جنگ میں ماں بیٹے سے جُدا ہو جاتی ہے۔ بہن بھائی سے بچھڑ جاتا ہے۔ بیوی اپنے شوہر کے غم میں جان دے دیتی ہے۔ اگرچہ میں نے اُسے دور سے ہی دیکھا تھا۔ بے شمار جنگوں کا مشاہدہ کیا تھا۔ مگر اُس وقت میں احساس سے عاری تھا۔ میں نے دنیا کو اس روپ میں نہ دیکھا تھا جیسے اب دیکھ رہا تھا۔ کچھ ایسے ہی غلط ملط سے خیالات میرے دماغ میں اُبھر رہے تھے۔ ایک جوار بھاٹا سا اُٹھ رہا تھا۔

مجھے ملکہ کے کمرے میں سے تحریلی ہنسی سُنائی دی جو ایک مرد کی بھاری آواز کے ساتھ مخلوط تھی۔ اشتیاق نے مجھے اُبھارا۔ میں اپنی بےچینی دُور کرنے کے لئے ٹہلتا ہوا غلام گردش میں آیا۔ یہاں آوازیں تیز سنائی دینے لگیں۔ میں ویسے ہی ٹہلنے لگا۔ ملکہ کا کمرہ سامنے ہی تھا۔ اُس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہاں آس پاس کوئی نہیں تھا۔ بغیر آواز پیدا کئے میں کافی دیر وہاں ٹہلتا رہا۔ تاکہ ملکہ کے عیش و آرام میں مخل نہ ہو جاؤں۔ اچانک اُس نے سُریلی آواز سے مجھے پکارا۔

"نجومی! اندر آجاؤ۔"

میں یک دم کانپ گیا۔ کیسی سوجھ بوجھ تھی اُس کی۔ وہ شاید سونگھ کر پتہ لگا لیتی تھی۔ میں نے لرزتے ہاتھوں سے کمرے کا پردہ اُٹھایا اور باقاعدہ سلام کر کے اندر داخل ہو گیا۔ میری حیرت اور بھی بڑھ گئی۔ ایک اجنبی کے سامنے وہ بے نقاب بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ نہ صرف بے نقاب تھی بلکہ اُس نے اپنا بھاری لبادہ بھی اُتار رکھا تھا۔ صرف باریک کپڑے کا لباس زیبِ تن تھا۔ یہ اجنبی کون تھا۔ میں نہ جان سکا۔ وہ ایک عظیم و ضخیم آدمی تھا جو بے اختیار ہنسے جا رہا تھا۔ ہنسنے سے اس کا تھل تھل جسم تھرک رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ جس کرسی پر وہ بیٹھا ہے اُس کے بوجھ سے اور اُس کی حرکت سے ٹوٹ ہی جائیگی۔ اُس نے میری طرف نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ مجھے اس کی آنکھوں سے اور اس کی بناوٹ سے خوف سا آنے لگا۔ اُس نے شاید زیادہ ہی پی رکھی تھی۔ صراحی و جام برابر رکھے ہوئے تھے۔ ایک جام ملکہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ آدمی کرسی کی پشت کا سہارا لئے بیٹھا تھا۔ جوں ہی میں اندر داخل ہوا ملکہ نے اس مرد سے مخاطب ہو کر کہا۔

"گھبرایئے نہیں۔ یہ بے ضرر انسان ہے۔"

"وہ میں جانتا ہوں۔ یہ بڈھا بھلا کیا نقصان دیگا۔ مگر آپ نے ابھی اسے کیا کہہ کر پکارا تھا؟ نجومی! ہا ہا ہا۔"

وہ بے تحاشا ہنسنے لگا۔ اِتنا زور سے کہ وہ لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اُس نے لفظ نجومی پر زور دیا تھا۔ گویا میرا مذاق اُڑایا جا رہا تھا۔ میرا رنگ زرد پڑ گیا۔ میں یہ کیا حماقت کر بیٹھا۔ میں نے ملکہ سے چلے آنے کی اجازت مانگی مگر اُس نے اِشارے سے روک لیا۔ وہ بھالو نما مرد ملکہ سے بولا۔

"ملکۂ عالیہ! آپ نے ایک اچھا جانور پال رکھا ہے۔ آپ کے دربار میں نجومی بھی ہوتے ہیں۔ اس کا مجھے آج ہی علم ہوا۔ یہ کس مرض کی دوا ہیں۔ آپ اپنے ملک کو انہیں کے اشاروں پر چلا رہی ہوں گی۔ اُف! اتنی ترقی یافتہ ملکہ اور اُس کے ایسے دقیانوسی خیالات؟ میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

ملکہ چڑ سی گئی۔ اُسے میری ہجو منظور نہ تھی۔ اور دراصل اُس آدمی کا بھی کیا قصور تھا۔ وہ میرے متعلق جانتا ہی نہ تھا۔ وہ تو کیا۔ میری میزبان بھی میری اصلیت جاننے سے محروم تھی۔ ملکہ نے ترشی بھرے الفاظ میں اُسے بتایا کہ میں کیسے وہاں پہنچا۔ اور شہزادے کا اور میرا کیا تعلق تھا۔ وہ آدمی یکدم سنجیدہ ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔

"میں اُس عظیم شہزادے کو جانتا ہوں۔ وہ ہرگز وہمی نہیں ہے۔ اُس کا اعتقاد ایسی واہیات باتوں پر نہیں ہے۔ میں اُس کی صلح کُن پالیسی اور دنیاوی امن قائم رکھنے کی صلاحیتوں کا قائل ہوں۔ اُس شہزادے کا یہ نجومی دوست یہ کچھ جچا نہیں۔ خیر چھوڑیئے۔ مجھے دوسروں کے معاملے میں گھرا جانے کی کیا ضرورت؟ آیئے نجومی صاحب۔ آپ بھی اس محفل میں شرکت کیجئے۔ یہ لیجئے۔"

اُس نے ایک جام میری طرف بڑھایا۔ بیشتر اس کے کہ میں انکار کرتا۔ ملکہ نے میرے متعلق تفصیل بیان کرنی شروع کردی۔ پھر میں نے اُسے نہایت ادب سے جواب دیا۔

" جنابِ عالی۔ میں ان چیزوں سے پرہیز کرتا ہوں۔ مگر آپ نے میرے علم کا مذاق اڑا کر ٹھیک نہیں کیا۔ ہر علم اپنی جگہ عظیم ہوتا ہے۔"

ابھی میں اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ ملکہ نہ معلوم کس کام سے باہر چلدی۔ اب ہم دونو ہی اکیلے اُس کمرے میں بیٹھے تھے۔ اُس نے پھر چوٹ کی :-

" اپنے علم سے ہمیں بھی نیاز بخشنے کی زحمت گوارا کریں گے؟"

اگرچہ میں اس کے لئے تیار نہ تھا۔ مگر اُس نے میرے علم کو للکارا تھا۔ میں اپنے متعلق تھوڑا اثر اُس پر ڈالنا چاہتا تھا۔ میں نے اُسے اشارتاً کہا۔

" ملکہ آپ سے خوش نظر نہیں آتیں۔"

وہ ایکدم اُچھلا۔ گویا مجھے کچا ہی چبا جائے گا۔ وہ آہستہ سے بولا۔

" یہی آپ کے علم کی پہچان ہے جسے عظیم کہہ رہے تھے؟ میرے اور ملکہ کے تعلقات تم کیا جانو؟ وہ میرے اوپر نہایت مہربان ہے۔ اور تم شائد نہیں جانتے کہ اس کا بڑا ثبوت یہی ہے کہ وہ میرے ساتھ اتنی بے باک ہے۔ بلکہ میں خود حیران ہوں کہ اُس نے تمہیں یہاں خلوت میں کیسے بلایا۔ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ اُس کا میرے ساتھ کیا لگاؤ ہے۔ اس لئے اب میں تمہیں جانے کو بھی نہ کہوں گا۔ ہم رات بھر شغل کریں گے۔ یہ جام اور صراحی ہمارا ساتھ دیں گے وہ ساقی بنیگی اور میں ....."

" خیر مجھے آپ سے بحث نہیں۔"

میں ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ملکہ یکدم داخل ہوگئی۔ اپنی جھینپ مٹانے

کے لئے یا پھر ملکہ کو خوش کرنے کے لئے وہ بولا۔

" آپ کے یہ دوست واقعی پرمذاق ہیں۔ اگرچہ اس محفل میں یہ ہمارا ساتھ نہ دیں گے۔ مگر ہم ان کی حاضری سے حظ ضرور اٹھائیں گے۔"

ملکہ نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ میں نے نگاہیں جھکا لیں۔ پھر وہ کہنے لگی۔

" میں نے اب تک یکطرفہ ہی تعارف کروایا ہے۔ نجومی! آپ بھی میرے دوست کے متعلق جاننا چاہیں گے۔ لو میں خود ہی بتا دیتی ہوں۔ یہ ہمارے اُس پڑوسی ملک کے سفیر ہیں جنہوں نے دنیا میں تہلکہ مچا رکھا ہے۔ جب اُس ملک کی اور میری طاقت مل جائے گی تو ہم دنیا کو مطیع کر لیں گے۔ اور اس کے لئے ہمیں آپ کے شہزادے کی بھی اشد ضرورت ہے۔"

میں نے رواداری کے طور پر کہا۔

" وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں۔ ملکہ کا ان کے روبرو بے نقاب ہونا اسی بات کی علامت ہے۔"

وہ قدرے جھینپتی ہوئی مسکرائی۔ اور پھر اُس ہمارے تیسرے ساتھی کی طرف مخاطب ہوئی۔

" تو ہم ذکر کر رہے تھے کہ میں نے اب تک جنگ کے لئے کیا کیا تیاری کرلی ہے۔ میں نے اپنے ملک کے بیشتر نوجوانوں کو فوجی تربیت دیدی ہے۔ میرا ملک اب اس کارِ خیر کے لئے تقریباً تیار ہو چکا ہے۔ مگر اس کے لئے ابھی ہتھیاروں کی میرے پاس کمی ہے۔ اور وہ آپ کو مہیا کرنے ہوں گے۔ ہاں تو باقی ماندہ جنگی ہتھیار کب تک مل سکیں گے؟"

" ملکہ! ہتھیاروں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ جب بھی چاہئیں اور جتنے بھی درکار ہوں۔ مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ مگر ساتھ کے ساتھ میرا خیال ہے کہ ہم اپنے

عوام کے لئے خوراک، تعلیم اور ذریعہ معاش کے دیگر مسئلوں کی طرف بھی متوجہ ہوں۔ آپ کو مجھ سے زیادہ علم ہے کہ آپ کا ملک بہت پچھڑا ہوا ہے۔ آپ کے لوگ بہت پسماندہ ہیں، انھیں اوپر اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ابھی ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان چیزوں کی طرف فوری دھیان دیں۔ اور اس کے لئے بھی ہم آپ کی بہت مدد کر سکتے ہیں۔"

"نہیں! اس کی چنداں ضرورت نہیں۔ مجھے اپنے خواب کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ تمام دنیا کو اپنے رنگ میں رنگنا ہے۔ اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔ جنگ صرف جنگ۔"

"نہیں ملکہ۔ ہمارے اصولوں کا یہ ہرگز مقصد نہ تھا۔ وہ تو ایک ذریعہ تھا۔ اصلی منزل وہی ہے جو میں ابھی ابھی عرض کر چکا ہوں۔ آپ منزل کو چھوڑ کر راستوں میں بھٹک رہی ہیں۔"

یہ ملکہ کی صریحاً توہین تھی۔ وہ چیخنے لگی۔

"میں خوب سمجھتی ہوں۔ آپ اس بڑے مغربی ملک سے خائف ہیں۔ اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور شہزادہ بھی اسی بات کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ مگر میں نے شہزادہ کو یہاں بلایا ہے تو اسی غرض سے تاکہ وہ ان کوششوں سے باز آئے۔ میں اُسے بدل ڈالوں گی۔ یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ مگر میں یہ توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر آپ میرا ساتھ نہ دیں گے تو میں اکیلی ہی جنگ کروں گی۔"

"اوہ اتنا غرور؟ ملکہ عالیہ۔ ذرا غور تو کرو آپ کیا کہہ رہی ہیں ہمارے ہی ٹکڑوں پر پل کر آج ہمیں ہی آنکھیں دکھا رہی ہیں۔"

ملکہ کا پارہ یکدم چڑھ گیا۔ اگرچہ وہ جانتی تھی کہ جو طاقت آج اُسے

نصیب تھی وُہ سب میں اسی آدمی کے ملک کا ہاتھ تھا۔ مگر آج وہ اُسے ایک چھپی ہوئی دھمکی دے رہا تھا۔ قہر آلود نظروں سے وہ پھر گویا ہوئی۔

"میں سمجھ گئی کہ تم مجھے اپنے اوپر منحصر سمجھتے ہو۔ مگر شائد تم میری اپنی طاقت سے واقف نہیں۔ میرے پاس انسانوں کا بے پایاں سمندر ہے۔ میں اُن سے کام لیکر دنیا کو فتح کر سکتی ہوں۔ میں اُن تمام لوگوں کو آگ میں جھونک دوں گی۔ میرے ملک کا ایک ایک بچہ میرے خوابوں کی تکمیل کے لئے کٹ مریگا۔"

وہ آدمی مسکرایا۔ ملکہ کی حماقت پر اُس نے قہقہہ لگایا۔ اور بولا۔

"ملکہ تمہارے آدمیوں کی طاقت مجھ سے چھپی نہیں۔ مجھے تمہاری آبادی کا علم ہے۔ مگر کیا وہ بھیڑ بکریاں ہیں جو اس طرح ذبح کرائی جائیں گی؟ جنگیں صرف آدمیوں کے بل پر نہیں لڑی جا سکتیں۔ اُن کے لئے ہتھیار چاہئیں۔ خوبصورت حکمت عملی چاہیئے۔ خوراک کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چاہیئے۔"

"تمہیں اپنے ہتھیاروں پر ناز ہے نہ؟ اسی لئے تم مجھے اپنی کٹھ پتلی سمجھتے ہو۔ اسی لئے میرے اوپر اپنے جذبات اور خیالات ٹھونسنا چاہتے ہو؟ میں خوب جانتی ہوں۔ تم اپنے سنہرے اصول کو بھولتے جا رہے ہو۔ جس نے تمہارے ملک میں تغیر پیدا کیا تھا۔ مگر یاد رکھو میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں ہیں تمہاری مدد کے بغیر بھی اپنے راستے پر چلوں گی۔ میرے فیصلے ٹھوس اور اٹل ہوتے ہیں۔"

ملکہ کی جلی کٹی باتوں نے اُسے بھی جوش دلا دیا۔ وہ بھی بہکی اور واہیات سی باتیں بکنے لگا۔

"ملکہ۔ یہ مت بھول کہ آج تیری ہستی کس کی بدولت ہے۔ اگر میرا ملک تمہاری مدد نہ کرتا تو یہ حکومت جس پر تمہیں ناز ہے۔ جھوٹا ابھیمان ہے۔

ہرگز تمہارے ہاتھ میں نہ ہوتی۔ اُف مگر اب حالات حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ تم نے میرے ملک کی توہین کی ہے۔ میں ایک پل بھی یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔"

وہ غصے کے عالم میں اٹھ کر جانے لگا۔ اچانک اُس کی نگاہ میرے اوپر پڑی۔ وہ جھینپ سا گیا۔ ایک بوڑھے نے ابھی ابھی اُسے خبردار کیا تھا۔ نہ معلوم وہ میرا قائل ہوا یا نہیں۔ مگر وہ خفیف سا ہو کر جا رہا تھا۔ ملکہ نے ایک دفعہ بھی اُسے نہیں روکا۔ یہ رنگین محفل آخر اس تقاضے کی بنا کر سرد پڑ گئی۔ میں خاموش یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ ملکہ گویا بڑبڑا رہی تھی۔ اُسے میری حاضری کا علم تھا۔ شائد وہ مجھے سنا رہی تھی۔

"ہوں! یہ اب بھی مجھے بچہ ہی سمجھتا ہے۔ اسی لئے میرے اوپر اپنا رعب جما رہا تھا۔ اس نے بروقت میری مدد کی تھی۔ لیکن اس سے کیا میں اس کے ہاتھوں بک تو نہیں گئی۔ اب میں مطلق العنان ہوں۔ میں کسی کی مداخلت اپنے ملک میں برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ میری حکومت ہے۔ رعایا میری ہے۔ اُن کی جان و ایمان میرا ہے۔۔۔۔"

تھوڑی دیر رُک کر وہ پھر کہنے لگی۔

"میں خوب سمجھتی ہوں۔ اسے میری ترقی پھوٹی آنکھ نہیں بھاتی۔ اسے خود میری بڑھتی ہوئی طاقت سے خوف آنے لگا ہے۔ اسی لئے مجھے بھرمانا چاہتا ہے۔ رفاع عام کی طرف مجھے رجوع کرنے لگا ہے۔ جنتا کی بھلائی کے نقشے کھینچنے لگا ہے کیا یہ خود بھول گیا کہ اس کے ملک نے اپنا نظام بدلنے کے بعد کیا گیا تھا۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ میرا دماغ پریشان ہو چکا ہے۔ اب میں آرام کروں گی۔ لہٰذا تخلیہ کی ضرورت ہے۔"

ملکہ کا اشارہ پا کر میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔ مجھے تعجب ہو رہا تھا۔

یہ کیسی عورت ہے۔ کتنی احسان فراموش؟ خود غرض۔ کونسی گراوٹ جو اس عورت میں نہ تھی۔ اسے اپنے دوست کا لحاظ نہ تھا۔ اسے اپنے دُشمن کا خوف نہ تھا۔ اس نے کیسا راستہ اپنایا تھا۔ رعایا کو اس نے ستا رکھا تھا۔ وہ اُن کے جذبات سے کھیلتی تھی۔ ایسی بھیانک عورت تو دنیا میں پیدا ہی نہ ہونی چاہئے تھی۔ سب سے زیادہ مجھے دنیا بنانے والے پر شکوہ تھا۔ کیوں اُس نے ایک عظیم ملک کی قسمت کو اُس سے وابستہ کر دیا تھا۔ اور پھر کیوں ایسی خوفناک ڈائن کو اتنی طاقت دے دی تھی۔ وہ امن عالم کے لئے خطرہ بن رہی تھی۔ اس کا انجام کیا ہوگا۔ میں اس تصور سے کانپ اُٹھا۔

اگلے روز شہزادے کے اعزاز میں ملکہ نے ایک دربار عام کیا۔ میں یہ پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ وہ بڑی موقع شناس تھی۔ اپنا روپ بدلنا خوب جانتی تھی۔ شائد اُسے خیال ہوا ہوگا کہ شہزادے کو پوری طرح اپنے زیر اثر لایا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ اُس کا یہ دوست بھی اُس سے متنفر ہو جائے وہ اُسے ہر لحاظ سے قابو میں کرنا چاہتی تھی۔ لہٰذا اُسے اُس کے خیالات کا بھی لحاظ رکھنا تھا۔ آج دربار کا منظر ہی نرالا تھا۔ وہ باتیں نہ تھیں جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ سب اراکین سلطنت۔ فوجی افسر اپنی اپنی جگہ تعینات تھے۔ دربار میں ویسا ہی گہرا سناٹا تھا۔ تمام کرسیاں پُر تھیں۔ سنگھاسن کے برابر ایک اور سنگھاسن تھا۔ جو شہزادے کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ میری کرسی ویسے ہی قدرے نیچی جگہ پر تھی۔ حسینائیں بدستور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ مگر آج سُرخ قالین نہ بچھا ہوا تھا۔ بلکہ اُس کی جگہ زرد قالین تھا۔ اُس کے اوپر تمام راستے میں پھول ہی پھول بچھائے گئے تھے۔ پھولوں کو سنہری تاروں سے قالین میں جما دیا گیا تھا تاکہ وہ اپنی جگہ

سے نہیں۔ چلتے وقت پاؤں سے دب جاتے سے اُن کے اندر سے ایک مدہوش سی خوشبو اٹھتی تھی۔

ملکہ، شہزادہ اور میں تینوں ہی بڑے دروازے سے داخل ہوئے۔ تمام حاضرین دربار تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آج کوئی بھی سجدے کے لئے زمین پر نہ لیٹا۔ ہم رفتہ رفتہ اونچے رکھے ہوئے سنگھاسنوں اور کرسیوں کی طرف بڑھنے لگے۔

شہزادہ مسکرا رہا تھا۔ وہ ملکہ کی عیاری کو جانتا تھا کیونکہ میں نے اُسے پہلے دربار کا حال بتا رکھا تھا۔ ہم اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ درباری بھی خاموشی سے بیٹھنے لگے۔ کچھ دیر وہاں خاموشی رہی۔ ملکہ شہزادے سے آہستہ آہستہ گفتگو رہی تھی۔ پھر ایک حسینہ اپنی جگہ سے نیچے اتری۔ اس نے ایک کاغذ کا پلندہ کھولا۔ شہزادے کی طرف دیکھ کر سر کو خم دیا اور پڑھنے لگی۔

"بھارت کے جلیل القدر اور عالی دماغ شہزادے کو، جو آج ہمارے درمیان جلوہ افروز ہے۔ ہمارا ملک خوش آمدید کہتا ہے۔ اس کی صلاحیتیں عالم دوستی اور تدبر کو دنیا رشک کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور سراہتی ہے۔ میں اس ملک کی ملکہ اس شہزادے کی مداح ہوں۔ اُس نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس ملک تک آنے کی تکلیف گوارا کی۔ اس کیلئے میں شکر گذار ہوں۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ اُس کے ملک بھارت کی آبادی اور میرے اس ملک کی آبادی مل کر آدھی دنیا کے قریب ہو جاتی ہے۔ اس بات سے ہمیں تقویت پہنچتی ہے۔ اور یقین ہے کہ شہزادہ بھی اس امر سے خوش ہوگا۔ ہمارے دونو ملک پرانی تہذیب و تمدن کے سربراہ رہے ہیں۔ اس پر ہم دونو کو ہی فخر کرنا بے جا نہ ہوگا۔ مگر میں اس ملک سے دقیانوسی عناصر کو نکال پھینکنے میں کوشاں

ہوں اور مجھے امید ہے کہ شہزادہ بھی اپنے ملک میں اس پر عمل پیرا ہوگا۔ میری یہ تمنا ہے کہ ہماری صدیوں سے چلی آئی دوستی مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے لہٰذا ہم اپنا دوستی کا ہاتھ شہزادے کی طرف بڑھاتے ہیں۔"

ملکہ اپنے تخت سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ شہزادہ بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ملکہ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ شہزادے نے نہایت احترام سے اُسے تھام لیا۔ اس کے بعد شہزادہ گویا ہوا۔

"عظیم ملک کے باشندو! میں اپنے آپ کو آپ کے درمیان پا کر خوشی محسوس کرتا ہوں۔ یہ ملک ہمارے لئے نیا نہیں ہے۔ اس سے پیشتر ایک ہندوستان کے سپوت نے اس ملک کو اپنایا۔ اگرچہ وہ چل کر یہاں نہ آیا تھا۔ مگر اُس کے پیروکاروں نے روحانی روشنی بھارت سے لیکر یہاں تک پھیلائی۔ انھوں نے اس لافانی نور کو اپنے تک ہی محدود نہ رکھا۔ ہندوستان کے ایک شہنشاہ نے وہ روحانی روشنی کو پھیلانے کے لئے اپنے پیروکار بہت سے ملکوں میں بھیجے اور چند ایک اُسی روشنی کو لیکر یہاں بھی آئے۔ اس کرشمے کو آپ بھولے نہ ہوں گے۔ آپ نے اُسے اپنایا۔ اس ملک کی آتما نے اپنی اندرونی آواز کو سُنا۔ ملک چلتے رہے۔ حکومتیں بدلتی رہیں۔ حکمراں آئے اور چلے گئے۔ لیکن بنیادی باتیں نیک اصول ہمارے ملکوں کے لئے مشعل راہ بنتے رہے۔ ظلم و تشدد پر مبنی حکومتیں دیر تک نہیں چلتیں۔ پیار اور محبت سے رعایا کا دل جیتا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے حکمراں کو دل سے پیار کرتی ہے۔ مگر تشدد سے نفرت غالب آتی ہے۔ ظلم سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ مگر پیار سے خلوص۔ میں یہ عام فہم اور سادھارن باتیں کر رہا ہوں۔ اس میں کوئی فلسفہ مخفی نہیں۔ سچائی کی روشنی کبھی مدھم نہیں پڑتی۔ اُس پر وقتی طور پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے۔ مگر اُس شمع کو بجھایا نہیں جا سکتا

ملکہ کی زبان نے جو ابھی ابھی بیان کیا۔ میں اُس کی قدر کرتا ہوں۔ ہم دونوں اپنے اپنے ملک کو نیک اصولوں سے۔ اچھی حکمت عملی سے اُن کی خدمت کر کے بلند بنا سکتے ہیں رعایا خوشحال ہو جائے گی۔ یہی میری دُعا ہے۔"

اس کے بعد رسمی تقریریں ہوتی رہیں۔ دیگر ممالک کے سفیر جو وہاں موجود تھے نہایت متاثر ہوئے۔ پتہ نہیں ملکہ نے شہزادے کے الفاظ کا کیا اثر لیا۔ شاید اُس کی حالت اندھے انسان کی تھی۔ جسے روشنی میں بھی نظر نہیں آ سکتا۔ مردہ جسم میں شاید جان پڑ سکتی ہے۔ مگر مُردہ رُوحیں جِلائی نہیں جا سکتیں۔ اس کے بعد یہ دربار شہزادے کی حمد و ثنا کے گیت گاتا برخاست ہو گیا۔

رات کے کھانے کے بعد ملکہ نے ایک محفل رقص و سرود کا انتظام کیا۔ اُس میں مجھے اور شہزادہ کو خصوصاً دعوت دی۔ ہمارے علاوہ دوسرے ملکوں کے بڑے بڑے نمائندے اور سفیر شامل ہوئے۔ اس میں اُس ملک کے مشیر و اراکین شامل نہ کئے گئے تھے۔ رات آدھی کے قریب گذر چکی تھی۔ تمام عالم سو رہا تھا۔ مگر یہاں ایک عجیب و غریب محفل آراستہ تھی۔ اگرچہ شہزادہ نہ چاہتا تھا کہ اس قسم کا اہتمام کیا جائے۔ لیکن میزبان کی دل شکنی بھی اُسے منظور نہ تھی۔ اس لئے وہ بخوشی شمولیت کے لئے آ گیا۔ یہ ایک اور ہی کمرہ تھا۔ خاص قرینے سے سجایا ہوا۔ میں نے اسے آج پہلی بار دیکھا تھا۔ مشرقی طرز کے مطابق نشست فرشی کا انتظام کیا گیا تھا۔ درمیان میں فرش بچھا ہوا تھا۔ قمقمے جل رہے تھے۔ روشنی مدھم رکھی گئی تھی۔ ملکہ اور شہزادہ پچھلی دیوار کے قریب کمرے کے وسط میں بیٹھے تھے۔ میں شہزادے کے بالکل قریب تھا۔ ملکہ نے اپنے ملک کی چیدہ چیدہ رقاصائیں بلائی تھیں۔

پائل کی گونج اُٹھنے لگی۔ سازندوں نے ساز چھیڑ دیئے۔ حسین چہرے

بے نقاب ہونے لگے۔ بازو ہوا میں لہرانے لگے۔ قدم تھاپ پر تال دے رہے تھے۔ نازک کمر بل کھانے لگی۔ رقاصہ نے سماں باندھ دیا۔ حاضرین عش عش کر اُٹھے جام کا دور جاری تھا۔ شیشہ سے شیشہ ٹکرا رہا تھا۔ اس قیامت میں ایک اور بھی قیامت شامل تھی۔ شعلہ بدن ملکہ نقاب اوڑھے جلوہ افروز تھی۔ اس رنگین محفل میں بھی وہ کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ وہاں نہ پینے والوں میں سے میں اور شہزادہ ہی تھے۔ مگر اس وقت تک ملکہ نے جام کو نہ چھوا تھا۔ شاید اُسے مہمان کا لحاظ تھا۔ یا وہ کچھ سازش تیار کر رہی تھی۔ ایک رقاصہ کے بعد دوسری آئی۔ اُس نے رنگ محفل کو دو بالا کرنا شروع کر دیا۔ مہمان پی پی کر نشے میں چُور ہو رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں خمار آلود ہو گئیں۔ ملکہ نے ساقیوں کو اشارہ کیا۔ وہ ایک خاص مے کا جام بھر بھر کر سب کے آگے بڑھانے لگیں۔ حاضرین نے انھیں بھی خالی کر دیا۔ پھر اور جام چڑھے کہ اُن کی زبانوں میں لکنت آ گئی۔ وہ باری باری بے ہوش ہو کر زمین پر لیٹنے لگے۔ اب کوئی بھی ایسا مہمان نہ تھا جسے ہوش باقی رہا ہو۔ نشے میں چُور دنیا و مافیہا سے بے خبر وہ کسی اور ہی عرش پر پہنچ چکے تھے۔ اب رقاصاؤں کو اشارہ ہوا۔ وہ جھک کر ملکہ کو سلام کرتی ہوئی واپس جانے لگیں۔ سازندوں نے ساز سمیٹ لئے۔ محفل اُجڑنے لگی۔ وہاں ایک خاموشی طاری ہو گئی۔ ملکہ اپنی جگہ سے اُٹھی۔ وہ باری باری ہر مہمان کے قریب گئی۔ اُس نے اطمینان کیا کہ کوئی مہمان ہوش میں تو نہ تھا۔ پھر وہ شہزادے کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے ایک ہلکے گلابی رنگ کا جام بھرا۔ اور شہزادے کی طرف بڑھاتی ہوئی مترنم لہجے میں بولی۔

"خوبصورت شہزادے! ہیرو۔ یہ میرا جام صحت ہے۔"

شہزادے نے نہایت ادب سے اُسے اپنے ہاتھ سے ہٹا دیا۔ اور

بولا :-

"ملکہ عالیہ۔ میں آپ کی صحت کے لئے دعاگو ہوں۔ مگر میں مجبور ہوں۔ شراب سے مجھے عار ہے۔"

"شہزادے تم میرا دل نہ توڑو۔ دیکھو انکار ٹھیک نہیں۔"

"اگر آپ کی خواہش ہے کہ میں پی کر ہی آپ کی صحت کے لئے دعاگو بنوں تو ایک گلاس پانی منگوا دیجئے۔ یا پھر کسی پھل کا رس کافی ہو گا۔"

نقاب میں سے ہنسی کا فوارہ چھوٹا۔ نقرئی جھانجریں جھنجھنا اٹھیں۔ ملکہ نے دلربا انداز میں کہا :-

"بڑے بھولے ہو شہزادے۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ بھی پھلوں کا ہی رس ہے۔"

"ملکہ! رس رس میں فرق ہوتا ہے۔ اس مٹی سے جانور بھی پیدا ہوتے ہیں اور انسان بھی۔ جانور کھا پی کر پیٹ پال لیتے ہیں اور یہی اُن کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔ مگر انسان کو پیٹ پالنے کے علاوہ اور بھی بھوک رہتی ہے۔ روحانی غذا کی بھوک۔ علم کی بھوک۔ قدرت کے بھید جاننے کی بھوک۔ جس رس کا میں نے ذکر کیا ہے وہ ضرر رساں نہیں۔ مگر تمہارا رس کیا ہے؟ تمہارے جام کے اندر کیا ہے؟ اس کا ثبوت یہ سامنے لیٹے ہوئے لوگ ہیں۔ جن کی آوازیں اس رس کو پی کر کچھ عرصہ کے لئے بند ہو گئی ہیں۔ کیا آپ یہی چاہتی ہیں کہ میں بھی ان کی طرح خاموش ہو جاؤں۔"

ملکہ نے ایک لمبی سانس کھینچی اور بولی۔

"ہاں شہزادے، میری یہی تمنا ہے کہ ہم بھی کچھ دیر کے لئے اپنے آپ کو بھول جائیں۔ مجھے یہ یاد نہ رہے کہ میں ملکہ ہوں اور تمہیں یہ یاد نہ رہے کہ تم ایک ملک کے حکمران ہو۔"

"ملکہ! جب انسان اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ تو وہ اپنے اندر بیٹھے ہوئے

خدا کو بھی بھول جاتا ہے۔"

"شہزادے، تمہاری باتیں تو اکتائے دیتی ہیں۔ بھلا ہر وقت عرفان کی باتیں بھی کیا لازم ہیں؟ دنیاوی عیش بھی ضروری ہے۔ ان سے منحرف کیا غلطی نہیں؟ انسان اشرف المخلوقات کس لئے ہے۔ اسی لئے کہ اسے اور جانداروں پر فوقیت حاصل ہے۔ تبھی تو وہ دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ جانوروں پر قابض ہے۔"

"ملکہ! تصویر کا ایک ہی رُخ آپ دیکھ رہی ہیں۔ اُس کے دوسرے رُخ پر بھی کبھی نظر ڈالی ہے؟"

"تم تو جانتے ہو کہ حکومت کا انتظام کتنا اکتا دینے والا ہوتا ہے۔ خصوصاً وہ نظام جو اس ملک میں رائج ہے۔ چنانچہ اپنی اکڑی ہوئی نسوں کو چٹخانے کیلئے میں تھوڑا بہت پی لیتی ہوں۔ خوشامدی لوگ تو تھکا ہی ڈالتے ہیں۔ مجھے اُن کی ہر حرکت پر کڑی نظر رکھنی پڑتی ہے۔ ان کی ہر سازش سے خبردار رہنا پڑتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم اپنے جسم کو کس طرح آرام پہنچاتے ہو۔ مگر مجھے تو اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نظر بھی نہیں آتا۔ آج تم میرے پاس ہو۔ تو تمہارے ساتھ مل کر پینے کو جی چاہتا ہے۔"

"میرے نزدیک آرام حرام ہے۔ میں حکمران نہیں ہوں اور نہ ہی میرے لوگ میرے محکوم ہیں۔ میں اُن کی خدمت کرتا ہوں۔ یہی میری زندگی کی سب سے بڑی مسرت ہے۔ اسی سے مجھے سکون ملتا ہے۔"

"تم عجیب انسان ہو۔ بھلا حکومتیں بھی ایسے چلتی ہیں؟ تم پیار محبت کا الاپ کیڑے مکوڑوں کے سامنے الاپتے ہو۔ اور یہاں ایک ملکہ کا دل توڑ رہے ہو۔"

"ملکہ۔ معاف کرنا۔ جنہیں آپ کیڑے مکوڑے کہہ رہی ہیں۔ اُن میں وہ ذرے وہ وہ روشن ستارے ہیں — جو موقعہ ملنے پر مجھ سے زیادہ قابل ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"خیر چھوڑو ان مہمل سی باتوں کو۔ یہ اکتا دینے والی باتیں نہ کرو۔ شہزادے میرے پیش کیے ہوئے جام کو مت ٹھکراؤ۔ ورنہ میرا نازک شیشۂ دل ٹوٹ جائیگا۔ اور وہ ذرّے کہیں تمہیں زخمی نہ کر دیں۔"

ملکہ نے یہ الفاظ نہایت دلفریب انداز میں کہے تھے۔ مگر میں کانپ اُٹھا۔ میں اُس کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ اب مجھے اس محفل کو گرمانے کا راز معلوم ہو گیا تھا۔ میں شہزادے کو کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر موقعہ نہ تھا۔ ملکہ کی موجودگی میں میں لاچار تھا۔ اس لئے خاموش بیٹھا آنے والے منظر کا یاس و حسرت سے منتظر تھا۔

ملکہ کی حالت چوٹ کھائی ناگن کی طرح ہو رہی تھی۔ وہ الفاظ کو کھینچتے ہوئے بولی:۔

"شہزادے، تم نے ملکہ کے جام کو تو ٹھکرا دیا۔ مگر تم ایک عورت کے جام کو ہرگز ٹھکرا نہ سکو گے۔ تم نے مجھے مجبور کر دیا۔ اب تک میری تمام التجائیں، کوششیں بیکار گئیں۔ مگر اب میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں کہ میرا وار گہرا پڑے گا۔ اور تم تڑپ اٹھو گے۔ شائد تم میرے حُسن سے واقف نہیں۔ اس کے سامنے زاہدوں نے دم توڑ دیئے۔ صوفی عرفان کی باتیں کرنا بھول گئے۔ بڑے بڑے فاتح اسے سجدے کرنے کے لئے جھک گئے۔"

مجھ پر سکتا طاری ہو گیا۔ گویا مجھے فالج مار گیا تھا۔ شہزادہ خاموش بیٹھا رہا۔ ملکہ اپنی جگہ سے اُٹھی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی ایک دیوان کے پاس جا کر رُکی۔ اُس نے ایک مخصوص سی آواز پیدا کی۔ شہزادے کا رُخ اُس کی طرف اٹھ گیا۔ میں بھی اُسی طرف دیکھنے لگا۔ ملکہ نے کمال نزاکت سے اپنا نقاب اُٹھا دیا۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ اُس عورت کے پاس کیا جادو تھا۔ اس سے پہلے بھی میں اُسے کئی بار دیکھ چکا تھا۔ میں اُس کا پہلے ہی مداح ہو چکا تھا۔ اُس کے رُخ روشن

کی تابانی کے متعلق میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ مگر نہ معلوم وہ آج کس طرح بن سنور کر آئی تھی۔ اُس نے اپنے حُسن میں کیا اضافہ کر لیا تھا کہ میرے اُوپر غشی کی سی حالت طاری ہو گئی۔ مجھے شہزادے کی طرف سے خوف آنے لگا۔ جب میرے جیسے بوڑھے آدمی کا یہ حال تھا۔ تو شہزادہ کس طرح اس نظارے کی تاب لائیگا؟ مجھے یہی غم کھائے جا رہا تھا۔ نہ وہاں کوئی ساز تھا اور نہ سازندہ۔ مگر اس حُسن میں اُن تمام کی لاوٹ نظر آ رہی تھی۔ گویا یہ صرف دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ اس کی ایک آواز تھی۔ ایک صدا۔ جو کہتی تھی "آ۔ ادھر آ۔ کہ تم اب مجھ سے دُور نہیں رہ سکتے" اُف کیسی کشش تھی آج اُس میں۔ ایک دفعہ تو اُن بیہوش لیٹے ہوئے آدمیوں نے کروٹیں بدل ڈالیں۔ انہیں بھی کسی آواز نے پکارا ہوگا۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے بھی بجلیاں کوندگئی ہوں گی۔

ملکہ غرور سے اتراتی ہوئی بولی:۔

"دیکھو اے مغرور شہزادے۔ ادھر دیکھ۔ اگر یقین نہیں آتا۔ اگرچہ ملکہ کامیاب نہ ہو سکی۔ مگر عورت تم پر یقیناً فتح پائے گی۔"

شہزادہ کچھ دیر اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ مگر اُس نے لب تک نہ ہلائے۔ نہ معلوم وہ کیا سوچ رہا تھا کہ وہ ہزار تمکنت و نخوت کے ساتھ چلتی ہوئی ایک نیم مردہ بے ہوش آدمی کے پاس پہنچی اور اُسے ٹھوکر لگاتی ہوئی بولی۔

"یہ وہ شخص ہے، جس کے حکمران نے اس حُسن کا جام پینے کے لئے اپنی طاقت کا بیش بہا حصہ میرے سپرد کر دیا۔"

پھر وہ دوسرے آدمی کے قریب پہنچی اور اس کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی:۔

"یہ اُس ملک کا باشندہ ہے۔ جس کا ایک مدبر میرے حُسن کا نظارہ کر کے اپنے ملک لوٹا اور اُس نے وہاں انقلاب بپا کر دیا۔"

پھر تیسرے کے پاس گئی اور اُسے ٹھوکر لگاتی ہوئی بولی :-

"یہ اس ملک کا نمائندہ ہے. جس نے کبھی آدھی دنیا پر حکومت کی تھی"

پھر چوتھے کو پاؤں سے چھو کر گویا ہوئی۔

"اس آدمی نے میرے حُسن سے گرویدہ ہو کر اپنے ملک کا نظام بدل ڈالا۔"

اسی طرح وہ باری باری سب کو چھوتی ہوئی. کسی کو ٹھوکریں مارتی ہوئی اُن تمام آدمیوں کے قریب سے گذرتی گئی۔ جن کی تحریریں آج اس نے چور چور کر ڈالی تھیں۔ جن کا تکبر آج اس کے سامنے مٹی میں لوٹ رہا تھا۔ کمرے کا ایک چکر کاٹتی ہوئی وہ یکدم مڑی اور شہزادے کو کنکھیوں سے دیکھتی ہوئی دیوان کے پاس چلی گئی۔ ایک ادا سے اُس نے اپنے داہنے بازو کی کہنی اس پر جمادی۔ اور شربیلے سروں میں کہنے لگی۔

"شہزادے! دیکھ تیرے سامنے حُسن بذات خود چل کر آیا ہے۔ رات کتنی پُرکیف ہے حُسن! باہر بلبل کی آواز کتنی پُرسوز ہے۔ شائد وہ اپنے معشوق سے ملنے کے لئے بے تاب ہے۔ باہر ہوا سائیں سائیں کر رہی ہے۔ درخت جھوم رہے ہیں۔ سماں کتنا مدہوش کن ہے۔ تمہارے سامنے مجسم حسن کھڑا ہے۔ تم ایک بڑے ملک کے شہزادے ہو اور میں اس ملک کی ملکہ۔ انہیں بھول جاؤ اس وقت کہ تم شہزادے ہو اور میں ایک ملکہ ہوں۔ اس وقت تم ایک مرد ہو۔ اور میں ایک عورت۔ ابتدا میں بھی یہی تھا۔ ہم قدرت کے لئے ایک متعین راستے کو طے کریں گے۔ شہزادے بتاؤ کیا میں خوبصورت نہیں؟ کیا تم نے ایسا حسن پہلے بھی کبھی دیکھا ہے؟"

"ملکہ معظم! آپ بے حد حسین ہیں۔ اور میں ہر حسین چیز کی تعریف کرتا ہوں۔ قدرت کی اس ارتقا کو دیکھ کر میں اس کے خالق کی حمد میں سر جھکاتا ہوں۔ اُس غیبی طاقت کو سجدہ کرتا ہوں"

"تم بھی عجیب احمقوں والی باتیں کرتے ہو۔ اُس اندھی شکتی کی تم تعریف

کر رہے ہو۔ اُس کے آگے سجدہ ریز ہو۔ مگر حُسن کے آگے سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے تمہارے جیسا ظالم مرد نہیں دیکھا۔ مگر نہیں۔ ابھی تم نے صرف حُسن کو دیکھا ہے۔ اُس کی ادا نہیں دیکھی۔ میں تمہیں وہ سحر دکھاؤں گی۔ یہ ناممکن ہے کہ پتھر نہ پگھلے۔ لوہا آگ کے سامنے موم نہ بن جائے"

اُس نے ایک مستانہ انگڑائی لی۔ پھر آہستہ آہستہ اپنا لبادہ اُتارنا شروع کیا۔ آج وہ شہزادے کو جھکانے کے لئے تلی ہوئی تھی۔ اُسے سجدہ میں گرانے کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ میں خاموش سرنگوں بیٹھا تھا۔ آنیوالے واقعات کا خوف میرے اندر چھایا ہوا تھا۔ نہ معلوم اب کیا ہو گا۔ کیا شہزادے کی ہار ہو گی؟ ملکہ اس پر فتح پائے گی؟ جس نے آج تک ہارنا نہیں سیکھا تھا۔ جو شکست کے نام سے بے بہرہ تھی۔ ساکت و جامد میں اپنی جگہ پر بت بنے بیٹھا رہا۔

میرا انگ انگ کانپ رہا تھا۔ دوسرے لوگ بے ہوشی کے عالم میں اپنی سدھ بدھ کھوئے ہوئے پڑے تھے۔ اب ملکہ صرف مہین لباس زیب تن کئے ہوئے تھی۔ اُس کے جسم سے شعاعیں پھوٹنے لگیں۔ بجلیاں پھیلنے لگیں۔ میں نے یہ منظر پہلے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے مجھے اس کا احساس تھا۔ میں نے اپنا چہرہ شہزادے کے پیچھے چھپا لیا۔ شہزادہ خاموش۔ متحیر۔ جامد و ساکت بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تھرکتی ہوئی۔ سو سو بل کھاتی ہوئی کمرے میں گھومنے لگی۔ ایک چکر کاٹ کر پھر اُسی جگہ پہ آکر رک گئی۔ آج وہ قیامت کا سامان لئے ہوئے تھی۔ میں چھپتے ہوئے بھی چھپ نہ سکا۔ وہاں پہنچکر وہ تمسالہ بولی :-

"بول حسین شہزادے۔ اب بول۔ دیکھا ہے تم نے ایسا حُسن آج تک؟"

شہزادہ مسکرایا اور کمال تحمل سے بولا :-

"ملکہ میں تسلیم کرتا ہوں۔ تم حسین ہو۔ اتنی حسین کہ میں تمہارے حُسن کا قائل ہو۔

گر میں کہوں گا کہ میرے ملک نے بھی حسین دیویاں پیدا کی ہیں۔ میرا سر اُن دیویوں کے سامنے جھکتا ہے۔ کیونکہ اُن کی اولاد نے میرے ملک کی تاریخ کو روشن کیا ہے انہوں نے میرے بھارت کو دنیا کے سامنے بلند کیا ہے۔ گر تمہارے حُسن میں اور اُن کے حُسن میں فرق ہے۔ تم اپنے حُسن کا سودا کرتی ہو۔ اُسے نیلام پر چڑھاتی ہو۔ ملکہ مت بھول کہ یہ جسم فانی ہے۔ اسے ایک دن خاک میں ملنا ہے"۔

ملکہ نے جیسے سُنا ہی نہیں۔ وہ اپنے سحر سے خود ہی دھوکہ کھا رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قریب آئی۔ اُس نے ایک جام بھرا۔ اپنے ہونٹوں سے لگایا۔ اور کہنے لگی۔

"مجھے یہ زاہدوں والی باتیں پسند نہیں۔ شہزادے تم اپنے صوفیانہ خول کو اُتار ڈالو۔ پھر دیکھو۔ تمہیں اس حُسن میں بے خودی محسوس ہوگی۔ اس میں عرفان کا منظر دکھائی دے گا"۔

شہزادہ شاید اُکتا گیا تھا۔ اُسے قدرے غصہ آگیا۔ وہ تُرش لہجے میں بولنے لگا۔

"میں عورت کا قدردان ہوں میں اُس کی عظمت کے آگے سرنگوں ہوں مگر تم۔ تم عورت بعد میں ہو۔ اور ملکہ پہلے۔ مغرور ملکہ پہلے اپنے اندر جھانک کر دیکھ تیرے ارادے کیا ہیں۔ تو اپنے حسن کو کس مقصد کے لئے استعمال کرتی ہے۔ کیا تو اس کے زعم میں آکر دوسروں کے گھروں پر ڈاکہ نہیں ڈالتی۔ اُن کے امن میں خلل نہیں ہوتی۔ تمہاری حرکتیں چور اور راہزنوں سے کیا کم ہیں؟ ملکہ تمہارے منہ سے یہ الفاظ شوبھا نہیں دیتے۔ عرفان کا لفظ اس دہن کے لئے موزوں نہیں پہلے اپنے کردار پر نظر ثانی کر۔ کیا ہیں تیری کرتوتیں؟ تو ان غریب اور مجبور لوگوں پر ظلم روا رکھتی ہے۔ تو اُس کے سروں کو پامال کر کے چلتی ہے۔ تو اُن کے خون

سے اپنے ہاتھوں میں مہندی رچاتی ہے۔ کردار کی خوبصورتی تمہارے اس فانی حسن سے بدرجہا بلند ہے۔ مت بھول کہ

حسن صورت چند روزہ حسن سیرت مستقل
اُس سے خوش ہوتی ہیں آنکھیں اس سے خوش ہوتا ہے دل

شہزادہ یکدم رُک گیا۔ ملکہ کا چہرہ انگارے کی طرح تپنے لگا۔ گویا کسی نے اُس کے منہ پر تھپڑ مار دیا ہو۔ وہ چیخنے لگی۔

"میں جانتی ہوں کہ تمہیں کس نے ان باتوں سے آگاہ کیا ہے۔ وہ کون ہے جس نے تمہارے کان بھرے ہیں۔ یہی ہے وہ بڈھا خبیث جو تمہارے پیچھے چھپا بیٹھا ہے۔ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟ میں کیا کسی سے ڈرتی ہوں؟ میرے نجی معاملے میں مداخلت کرنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ میں اپنے اصولوں پر چلوں گی کوئی مجھے کیوں روکے۔ شہزادے! آج تک میرے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونے کی ہمت کسی نے نہیں کی۔ مگر تم۔ تم بھی نہیں کر سکتے۔ میرے سیلاب کے آگے تم نہ رُک سکو گے۔ تم جو اپنے آپ کو سچائی کا مرشد۔ پریم اور محبت کا شیدائی سمجھتے ہو۔ تمہاری بھی مجال نہیں کہ میرے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہ ہو جاؤ"۔

وہ دیوان کے پاس سے دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگی۔ وہ نغمے کو گویا یکدم پی گئی۔ اٹھلاتی۔ اتراتی۔ ایک ہاتھ کو ڈھیلا چھوڑ کر اور دوسرے کو لے پر رکھ کر شہزادے کے قریب پہنچی۔ اُس کے پاس آکر اُس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر نہایت ہی دلربا انداز میں شہزادے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اُس نے ایک جام شراب کا بھرا اور اپنی ہتھیلی پر رکھ کر۔ لبوں پر مسکراہٹ پیدا کر کے شہزادے کی طرف بڑھایا۔ اُف کیا جادو تھا۔ اُس کی نزاکت میں۔ اُس نے سچ ہی کہا کہ زاہد بھی اپنا ایمان اُس کے سامنے بیچ دیتے ہیں۔ اب میں دیکھتا تھا

میری نگاہیں دونوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کیا ڈرامائی انداز تھا۔ اُس کی رعنائیاں لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھیں۔ شہزادہ اُس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ ملکہ نے اپنے ہونٹ نیم وا کر دیئے۔ شہزادہ کافی دیر اُس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالے بیٹھا رہا۔ پھر اُس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ گویا اعتراف شکست کر لیا۔ وہ مغموم سا دکھائی دینے لگا۔ شہزادے کی نگاہیں پھسلتی جا رہی تھیں۔ وہ اُس مجسم کا ذرہ کو نیچے سے اوپر تک دیکھے جا رہا تھا۔ میں تڑپ اُٹھا۔ وہ مات کھا رہا تھا۔ وہ جوش۔ وہ ولولہ جو میں نے اُس کے اندر ابھی ابھی دیکھا تھا۔ اب اُس میں باقی نہ تھا۔ شائد پتھر پگھل رہا تھا۔ لوہے کے اندر سے آگ کی تپش سے شعلے نکل رہے تھے۔ شہزادے کی نگاہیں ایک بار پھر اُس کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں اب وہ مسکرانے لگا۔ میں تقریباً رو اُٹھا۔

عظیم شہزادہ۔ بلند کردار انسان پستیوں کی طرف مائل ہونے لگا تھا۔ میرے دل پر ہتھوڑے چلنے لگے۔ ملکہ کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے شہزادے نے بھرا ہوا جام اُٹھا لیا۔ اُس کے ہونٹ بھی نیم وا ہو گئے۔ ملکہ فتحیاب ہو رہی تھی۔ وہ کامیاب ہو گئی ۔۔۔۔

نہایت دھیمی آواز میں شہزادہ بولا:۔

"ملکہ تم خوبصورت ہو۔ میں اب تک غلطی پر تھا۔ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اب کھل گئی ہے۔ وہ حسن جو میں دُور سے نہ دیکھ پایا تھا اب قریب سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے تمہارے حسن کا راز اب کتنے قریب سے دکھائی دے رہا ہے"

ملکہ پر نشہ سا طاری ہو گیا۔ وہ بھی نہایت آہستہ سے بولی۔

"میں نہ کہتی تھی شہزادے ہاتم اب تک خواہ مخواہ ہٹ دھرمی کر رہے تھے۔ کیا رکھا ہے ان فضول ڈھکوسلوں میں۔ زندگی عیش کرنے کے لئے ہے۔

تمہارا حُسن جب میرے حسن سے ٹکرائیگا۔ تو کیا قیامت نہ آ جائیگی؟ پھر یہ زمین زمین نہ رہے گی۔ ہم ہم نہ رہینگے۔ پیو نہ اس جام کو۔ تمہارے سر کی قسم زندگی کا سرور آ جائے گا۔ کتنا مزہ ہے۔ اس تلخی کو ہونٹوں سے لگانے میں"

"واقعی ملکہ! اب قیامت ہی بپا ہو جائے گی۔ تمہاری رفاقت نے سامان محشر تیار کر دیا۔ اب تک مجھے اپنے اوپر بھروسہ نہ تھا۔ مگر اب کیا ہے۔ جب حسن خود قریب آئے۔ تو کیوں نہ موقع سے فائدہ اُٹھایا جائے"

شہزادہ بولے جا رہا تھا۔ ملکہ جام پر جام چڑھائے جا رہی تھی۔ پلانے والی خود پی رہی تھی۔ ساقی اپنی ہی پیاس بجھانے پر لگا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں خمار آلودہ ہو گئیں۔ اب وہ بہکنے لگی۔ اُس نے شہزادے کی طرف جھک کر اپنا داہنا ہاتھ اُس کی گردن کے گرد حمائل کرنے کے لئے بڑھایا۔ میرے دل کی حرکت بند ہونے لگی۔ دل ہی دل میں میں نے اپنے آپ کو سینکڑوں کوسنے دے ڈالے۔ کیا اسی شہزادے پر ناز تھا مجھیں؟ پھر میرے سامنے اُس بوڑھے کی شکل گھوم گئی جس نے گنگا کی وادیوں میں میرے اوپر ایک بھاری ذمہ داری ڈالی تھی۔ کیا اس انسان کے لئے میں نے اپنا معین راستہ چھوڑا تھا؟ میں نے اپنے اوپر لعنت بھیجی۔ کیوں میں اس دنیا میں بھٹکنے کے لئے آیا؟ اس انسان کو پرکھنے کی تمنا لئے ہوئے؟ مگر انسان تو ابتدا سے ہی گہرائیوں میں گرتا آیا ہے۔ ملکہ کا کردار میرے سامنے تھا۔ اب شہزادے کا کردار بھی دیکھ رہا تھا۔ اُس شہزادے کا جو دیوتاؤں کا ہم پلہ بن چکا تھا۔ کاش مجھے عورت کے جادو کا علم ہوتا۔ ملکہ ایسی زہریلی ناگن کا پتہ ہوتا۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ مگر نہیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب اس تنزل کو دیکھوں گا ۔۔۔۔۔ شہزادے کا ہاتھ بھی اب رفتہ رفتہ ملکہ کی طرف بڑھنے لگا۔ ملکہ فتح و کامرانی سے وجد میں آ چکی تھی۔ وہ اپنی منزل مقصود پا چکی تھی۔

اُس نے ایک عالمی شہزادے کو رام کر لیا تھا ۔۔ شہزادے کی اُنگلیاں اُس کے کالے بالوں سے کھیل رہی تھیں۔ دونوں کی نگاہیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں ۔۔۔۔
۔۔۔ یکدم ایک جھٹکا دیا گیا۔۔۔۔ ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی ۔۔۔۔۔ فضا تھرا اُٹھی۔۔۔ یہ کیا؟ ۔۔۔۔ یہ چڑیل کہاں سے آگئی ۔۔۔۔۔ ملکہ کہاں گئی ۔۔۔

اب جو میں نے دیکھا وہ بیان سے باہر ہے۔ ملکہ ایک بدصورت عورت میں بدل چکی تھی۔ اُس نے جو اپنے اوپر ایک مصنوعی خول چڑھا رکھا تھا۔ وہ اُتار کر شہزادے نے پھینک دیا تھا۔ اب اُس کا مکروہ چہرہ میرے سامنے تھا۔ اب وہاں وہ غزالی آنکھیں نہ تھیں، پھیلی ہوئی درازیں تھیں۔ وہاں وہ ستواں اور یونانی ناک نہ تھی۔ پھیلا ہوا اور چپٹا ایک پکوڑا سا رکھا ہوا تھا۔ اُس کے گھنے لمبے بالوں کی جگہ سر پر کھڑے ہوئے بال تھے۔ اُس کی زرد اور مٹ میلی رنگت پر مُردنی چھائی ہوئی تھی اُس کی چھاتیاں ایک بڑی بوڑھی عورت کی سی تھیں۔ تو یہ تھا اُس عورت کا اصلی روپ۔ کتنا بڑا فریب تھا۔ دھوکہ۔ وہ اپنے بناوٹی خول سے کتنوں کو تباہ کر چکی تھی۔ اس حُسن پر اُسے ناز تھا۔

ملکہ کی خوفناک چیخ سے تمام بے ہوش آدمی اُٹھ بیٹھے۔ ویسے بھی اُن کا نشہ اب اُترنے والا تھا۔ مگر اس اچانک واقعہ نے انھیں وقت سے پہلے بیدار کر دیا وہ سامنے بیٹھی ہوئی عورت کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ بار بار آنکھیں مل رہے تھے۔ خوبصورت خول برابر پڑا ہوا تھا۔ وہ خول اُنہیں بے جان ملکہ دکھائی دے رہا تھا۔ مگر یہ چڑیل کون تھی؟ جُوں جُوں اُنہیں ہوش آتا گیا وہ خوف سے کانپنے لگے۔ انھوں نے ملکہ کی بے حد خوبصورتی کا چرچا سُنا تھا۔ نقاب پہنے ہوئے اُسے چلتے پھرتے دیکھا تھا۔ چند ایک ایسے بھی خوش قسمت تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اُس کے بے پناہ حُسن کا نظارہ کیا تھا۔

بھیانک عورت پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ نہ معلوم وہ کیا سوچ رہی تھی۔ مجھے خوف پیدا ہوا کہ شہزادے کی جان خطرے میں ہے اور ساتھ کے ساتھ میرا مستقبل بھی تاریک تھا۔ ہم اسی عورت کے مہمان تھے۔ نہ معلوم اب وہ کیا قدم اُٹھائے مگر وہ جلالی انسان اپنے انجام سے بے خبر اُداس نظاروں سے سارے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ اُس نے جھوٹ کو بے نقاب کر دیا تھا۔ فریب کا خول اُتار پھینکا تھا۔ دنیا کے سامنے ملکہ کی اصلیت روشن کر دی تھی۔ مگر وہ آنے والے خطرے سے لاپرواہ تھا۔ شائد اسی لئے کہ وہ شہزادہ تھا۔ اُسے اپنی زندگی کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا۔ یا وہ ایک بلند انسان تھا۔ اُس نے آگ پر چلنا سیکھا تھا۔ اُس نے آہستہ سے نقاب کو ملکہ کی طرف پھینک دیا۔ تاکہ وہ عورت کی عزت کو چھپا لے۔ ملکہ نے اُسے سنبھالا اور اپنے مصنوعی خول کو لیکر برابر والے کمرے کی طرف چلدی۔ ہم وہاں خاموش بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی اصلی حالت میں نمودار ہوئی۔ اُس نے پھر سے خول کو پہن لیا تھا۔ وہ خاموشی سے چلی آرہی تھی۔ شہزادے نے اُسے دیکھ کر کہنا شروع کیا:-

" ملکہ عالیہ! مجھے افسوس ہے کہ مجھے ایک نازیبا حرکت کرنی پڑی۔ مگر میں مجبور تھا۔ نہیں بلکہ مجھے حالات نے لاچار کر دیا تھا۔ اب یہ تمام ملکوں کے نمائندوں نے آپ کی اصلیت کو دیکھ لیا ہے۔ وہ سمجھ گئے ہیں کہ آپ دراصل کیا ہیں۔ آپ نے اپنے چہرے پر، جسم پر ایک غیر قدرتی لبادہ کا استعمال کیا۔ اُس نے آپ کے چہرے کو اتنا خوبصورت بنا دیا کہ دُنیا اُسے دیکھنے کے لئے بے تاب ہو گئی۔ آپ کے دیدار کے لئے بڑے بڑے شہنشاہ بڑے بڑے رہبر بیتاب ہو اُٹھے۔ انہوں نے آپ کی خاطر اپنے ملکوں کو تہہ و بالا کر دیا آپ نے اس پر اکتفا نہ کیا۔ آپ کے دل کا چور شائد آپ کے اندر کچوکے لگا رہا تھا۔ آپ کی ضمیر آپ کو کہہ رہی تھی

کہ آپ دنیا سے چھل کرنے جا رہی ہیں۔ انہیں تصنع سے۔ فریب سے۔ ایک چال سے دوسروں کو پھنسا رہی ہیں۔ اس جھوٹ کو چھپانے کے لئے آپ کو دوسرے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔ آپ نے اپنے چہرے پر نقاب اوڑھا۔ پھر آپ نے اپنی ضمیر کو بالکل کچل دیا۔ لوریاں دے دے کر اُسے سلا دیا آپ کو اُس کی صدائیں سنائی نہ دے رہی تھیں۔ آپنے اپنے آپ کو دنیا کی خوبصورت ترین عورت تصور کر لیا۔ اس خود فریبی نے آپ کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا۔ آپنے ادائیں سیکھیں۔ ہوشربا انگڑائیاں لینے کی مشق شروع کر دی۔ اس لئے کہ دوسرے لوگ آپ پر مرمٹیں۔ وہ اپنی خودی کو بھول جائیں اور آپ کو سجدہ کریں۔ اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے آپ نے شراب کا سہارا لیا۔ دن بدن آپ کی کالی کرتوتیں ترقی کرتی گئیں۔ آپ نے اپنی رعایا پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ اُن کی خودی کو اپنے پاؤں سے روندنا شروع کر دیا۔ آپ اُن کے خون کو شراب میں ملا کر پینے لگیں ۔"

ملکہ نے بنایت سرشاری سے شہزادے کو روکنا چاہا۔ مگر وہ کہے جا رہا تھا۔

ملکہ معظمہ! مجھے کہنے دیجئے۔ اس میں عالم کا بھلا ہوگا۔ یہ شرفا۔ یہ شاندار ملکوں کے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے جن کو آپ نے اپنی با کمال مگر غلط صلاحیت سے بے ہوش کر رکھا تھا۔ پھر آپ نے وہی جادو مجھ پر چلانا چاہا۔ آپ نے بے حد کوشش کی کہ میں بھی آپ کی چال میں آجاؤں۔ آپ نے وہ سب کیا جو آپ کے لئے زیبا نہ تھا۔ آپ نشے میں چور میرے نزدیک آئیں اور مجھے آپ نے اپنے آپ کو غور سے دیکھنے کا موقعہ دیا۔ مگر میں باہوش رہا۔ میں نے شراب نہیں پی۔ قدرت کا اصول ہے کہ خوبصورتی ہر رنگ میں اپنا حُسن پھیلاتی ہے۔ حُسن مغرور بے شک ہو جائے مگر وہ بھیانک نہیں ہو سکتا۔ آپ کا کردار میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا۔ مگر آپ کے قرب نے مجھے آپ کی اصلیت دیکھنے کا موقعہ دے دیا۔ اور میں نے

وہ کچھ کیا جو نہ کرتے ہوئے بھی کرنا چاہئے تھا۔ ہر انسان اپنے کردار کا جواب دہ ہوتا ہے۔ قدرت اُسے ہرگز نہیں بخشتی۔ میں خوش ہوں کہ ان عالمی نمائندوں کے سامنے میں نے آپ کا خول اُتار دیا۔ میں ایک کام سے سُرخرو ہو چکا ہوں۔ میں نے اچھا کیا یا بُرا کیا۔ یہ نہ میں کہہ سکتا ہوں نہ آپ۔ اس کا جائزہ لینے والے یہی انسان ہیں۔ تمام دنیا ہے ۔"

ملکہ یہ سب کچھ سنتی رہی۔ میں سانس روکے اُس کی آئندہ حرکت کا انتظار کرتا رہا۔ شائد وہ اپنے سپاہیوں کو بلائے۔ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ اُس نے بدلہ لینے کے لئے کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔ میں اُس کی نس نس سے واقف تھا۔ وہ ایک منجھا ہوا کھلاڑی تھا۔ بڑی دور اندیش تھی۔ اس وقت اپنے آدمیوں کو بلا کر ان پر اپنی اصلیت ظاہر کر کے وہ اپنے ملک میں بدنام ہونا نہ چاہتی تھی۔ موقعہ شناسی نے ہی اُسے ملکہ بنا رکھا تھا۔ نہایت حلیمی سے وہ شہزادے سے بولی :-

"میں شرمندہ ہوں کہ میں نے اپنے مہمان کو صدمہ پہنچایا۔"

مگر یہ گہری سازش تھی۔ ایک اور خوبصورت دھوکہ۔ زخمی ناگن بھلا کب بخشتی ہے۔ شہزادہ پھر کہنے لگا۔

"ایسی حرکت کرنا میری سرشت میں داخل نہیں۔ ایک بات یاد رکھئے۔ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ انسان کا قلب اُس کا آئینہ ہوتا ہے دنیوی ایک لغتی طوق ہے۔ مصنوعی شکلیں دیر پا نہیں رہ سکتیں۔ آخر ایک نہ ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ انسان کے اندر کی صدا اُسے ملامت کرتی ہے۔ اُسے جھنجوڑ کر جگاتی ہے۔ ملکہ۔ آپ میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ میں اُن کی قدر کرتا ہوں۔ آپ کے اندر بھرتی ہے چستی ہے۔ بلا کی طاقت ہے۔ آپ میں وہ وہ خوبیاں ہیں اگر آپ چاہیں تو انہیں کار خیر میں لگا سکتی ہیں....

گر میں آپ کو کیا نصیحت کر سکتا ہوں۔ گنہگار کو اپنے کیے کا پھل ملتا ہے۔ یہ ایک بنیادی اصول ہے۔ اس سے کوئی منکر نہیں ہو سکتا۔ بشر کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔"

"بس بس شہزادے۔ مجھے اپنے کیے کی سزا مل گئی۔ تمہارے الفاظ خنجر سے زیادہ تیز ہیں۔ اور تمہارے عقیدے سمندر سے زیادہ گہرے ہیں۔ میں تمہاری باتوں کا بُرا نہیں مانتی۔ تم نے کوئی نازیبا حرکت نہیں کی۔ مگر یہ خول میرا انگ بن چکا ہے۔ میں اسے جُدا نہیں کر سکتی۔ اب تم آرام کرو۔ اور میرا یقین کرو کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گی۔"

"ان الفاظ کا شکریہ۔ ملکہ اب صبح ہونے والی ہے۔ مجھے آرام کی ضرورت نہیں۔ میرا مقصد پورا ہو گیا۔ اب مجھے واپس جانا ہے۔ میرا ملک میرا منتظر ہے میں نے آپ کے ملک میں چند دن گذارے اس کے لئے تہ دل سے شکریہ۔ اُمید ہے آپ مجھے بخوشی رُخصت کریں گی۔ میرا دوست بھی میرے ساتھ جائے گا۔"

"نہیں شہزادے میں تمہیں ایسے نہ جانے دوں گی۔ اکیلے جانا ایک شہزادے کی شان کے شایاں نہیں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ اور تمہیں تمہاری حدود تک بخیریت پہنچا کر لوٹوں گی۔ اس سے تمہارا سفر سہل ہو گا۔ اور میرے دل کو سکون ملے گا۔ اچھا اب مجھے اجازت دو۔ دوستو اب آپ بھی جا کر آرام کریں۔ مجھے شہزادے کی واپسی کا بندوبست کرنا ہے۔"

چودھواں باب

ہماری واپسی

ملکہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے جا رہی تھی۔ اُس میں وہ غرور۔ وہ تمکنت نہ تھی۔ ایک اُداس اور مضمحل سی عورت جا رہی تھی۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ جب وہ چلی گئی۔ تو دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی جگہ سے اُٹھے۔ انھوں نے گویا ایک خواب دیکھا تھا۔ نہ معلوم اُن کے جذبات کیا تھے۔ کیا وہ اس واقعے سے خوش ہوئے یا نہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ حالات بتائیں گے۔ مگر کوئی نہیں بولا۔ کسی نے لب تک نہیں ہلائے۔ وہ آہستہ آہستہ کمرے سے باہر جانے لگے۔ جب سب کمرے سے باہر نکل گئے تو میں نے ذرا اطمینان کا سانس لیا۔ مگر دل کو چین نہ تھا۔ اب ہم ملکہ کے رحم و کرم پر تھے۔ اُس کا عتاب اب بھی نازل ہو سکتا تھا۔

میں اور شہزادہ وہاں سے اُٹھے۔ اپنے کمروں میں پہنچ گئے ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہم سفر کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ مجھے کچھ نہیں کرنا تھا۔ اس لئے میں خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اگرچہ دل میں خدشہ تھا۔ مگر شہزادے کی عالی حوصلگی قابل ستائش تھی۔ یہ اُسی کی ہمت تھی کہ

دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا تھا۔ ملکہ نے کس کس کو دھوکہ نہ دیا تھا۔ کتنے بڑے حکمران اُس کی چالوں میں آچکے تھے۔ اُس نے کیسے اُنہیں کٹھ پتلی کی طرح نچایا تھا۔ پھر مجھ میں شہزادے کی گزارش کے متعلق جو خیالات اُبھرے تھے۔ میں نے اُن پر نظرِ ثانی کی۔ میں نے اپنے اوپر لعنت بھیجی میرا یقین ایک دفعہ ڈانواڈول ہوا تھا۔ میں نے تصور کر لیا تھا کہ شہزادہ مکڑی کے جالے میں پھنسا چاہتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے اُس کے بلند کردار کا دھیان میرے دل سے ہٹ گیا تھا۔ مگر سچائی آخر سچائی رہتی ہے۔ فتح اُسی کی ہونی تھی اور ہوگئی۔ کس طرح؟ ایک باکمال ڈھنگ سے اُس نے خول کا معائنہ کیا۔ اُسے غور سے دیکھا۔ ملکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر۔ اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر۔ اُسے سونے کی جگہ ملمع کی جھلک نظر آئی۔ اُسے ملکہ کا کمزور پہلو دکھائی دے گیا۔ وہ عورت کی شناخت کا اور مرد کی دکھتی رگ پکڑ لینے کا دعویٰ کرتی تھی۔ مگر یہاں معاملہ اُلٹ ہوا۔ شہزادے نے عورت کی شناخت کی تھی۔ پھر اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ اُس کی اصلیت کھول کر رکھ دیگا۔ خواہ اُسے اپنی زندگی سے کھیلنا پڑے۔ دلاور موت سے نہیں ڈرتے۔ اور پھر وہ واقعہ ظہور پذیر ہوا جو میں نے ابھی بیان کیا۔

قدرے توقف کے بعد ملکہ کا خادم آیا۔ اُس کے پیچھے بہت سے نوکر تھے ہاتھوں میں تحفے تھے۔ شہزادے کے لئے بھینٹ تھی۔ ملکہ کو شہزادے کی خوشنودی گوارا تھی۔ وہ دکھانا چاہتی تھی کہ اُس کا دل صاف ہے۔ اُس نے گذشتہ رات کی حرکت کا بُرا نہیں مانا۔ پھر یہ ایک دستور بھی ہے۔ مہمان نوازی کا تقاضہ ہے۔ ملکوں کی روایت ہے۔ دوستی کی نشانی دینا۔ اعزاز سے نوازنا۔ شہزادے نے بصد احترام اُنہیں قبول کر لیا۔ خادم واپس چلے گئے۔ ملکہ نے شہزادے کو ایک رقعہ بھجوایا تھا۔ شہزادے نے اُسے بغور پڑھا۔ اس میں دونوں ممالک

کی دوستی کا ذکر تھا۔ شہزادے کی عمر درازی کی دعائیں تھیں۔ اور اُس کی تشریف آوری کا شکریہ تھا۔ مگر اُس واقعے کی طرف کوئی اشارہ نہ تھا۔ اظہارِ تاسف نہ تھا۔ شہزادے پر کوئی چھینٹا نہ کسا گیا تھا۔ عام رسمی باتیں جو ہونی چاہئیں اُس میں درج تھیں۔

دوپہر ہونے کے قریب کھانے کا دعوت نامہ آیا۔ ہم دونوں شریک ہوئے ملکہ نقاب اوڑھے بیٹھی تھی۔ چیدہ چیدہ اراکین سلطنت تھے۔ بدیشی سفیر تھے۔ کھانے کے بعد ملکہ نے شہزادے کی خلوص دلی۔ رواداری۔ بلند اقبالی۔ دونو ملکوں کی قدیم دوستی کا ذکر کیا۔ شہزادے کی واپسی پر دلشکنی ظاہر کی۔ اور جلد ہی ایک دوسرے سے ملنے کی اُمید ظاہر کی۔ اس کا جواب شہزادے نے موزوں الفاظ میں دیا۔

بعد دوپہر ہم اپنی یہ عجیب و غریب سیاحت ختم کر کے واپس شہزادے کے ملک کے لئے روانہ ہوگئے۔ اگرچہ جانبین کے دل مضمحل تھے۔ مگر بظاہر رونق تھی۔ خوشی تھی۔ یوں بھی گہما گہمی کے بعد ہی نقشہ دیکھنے میں آتا ہے۔ ملکہ نے جانے جلوس کی شان کو بڑھانے میں کسر باقی نہ رکھی تھی۔ برق رفتار گاڑیاں۔ چیدہ چیدہ افسر بچاؤ کے لئے بھاری تعداد میں فوج ہمارے ساتھ تھیں۔ یہ ایک جری قافلہ اس طرح جا رہا تھا گویا کسی ملک کو فتح کرنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ بینڈ اور بگل کی آوازوں سے فضا گونج اُٹھی۔ شہر کے مختلف حصوں میں سے گذرتا ہوا یہ جلوس ایک جگہ آکر ختم ہوگیا۔ وہاں سے بہت سے لوگوں کو واپس ہونے کا حکم ملا۔ اب ملکہ کے ساتھ صرف اُس کی فوج تھی اور چند اُس کے گنے چنے سردار تھے۔ شہزادے نے ملکہ سے واپس ہونے کے لئے کہا۔ مگر اُس نے شیرینی کی سی حلاوت سے جواب دیا۔

"مجھے اپنے مہمان کی صحت وسلامتی کا خیال ہے۔ اس لئے میرا بذات خود شہزادے کے ساتھ جانا ضروری ہے"۔

اُس وقت وہ ہنس مکھ نظر آرہی تھی۔ اگرچہ اُس نے نقاب اوڑھ رکھا تھا۔ مگر اُس کی دلکش آواز اب بھی دل لبھا رہی تھی۔ مگر جب مجھے اُس کی اصلی صورت کا خیال آیا تو میں لرز اٹھا۔ شہزادے سے وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ اس طرح ظاہر کر رہی تھی گویا کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ میں سوچتا جا رہا تھا۔ ملکہ کو حُسن سے کتنا لگاؤ ہے اُسے حسین بننے کی کتنی خواہش ہے۔ اگرچہ قدرت نے اُس کے ساتھ ناانصافی کی تھی مگر کیا اس طرح اپنا دل بہلا لینا جرم تھا؟ یہاں تک تو بات میری سمجھ میں آرہی تھی۔ مگر آگے چل کر دماغ ماؤف ہونے لگا۔ خیالات دھندلے پڑنے لگے اُس نے اپنے حُسن کا استعمال غلط کیوں کیا؟ اُس کا مقصد نفس پرستی تھا؟ مگر جہاں تک میں نے پرکھا تھا۔ نزدیک سے دیکھا تھا۔ وہ ایسی تو نہ تھی۔ وہ کبھی خاص حدود سے آگے نہ بڑھی تھی۔ میرے آگے نہ سہی۔ اُس بھاؤ نما انسان کے آگے بھی اُس کا کوئی ایسا اظہار نہ تھا۔ وہ تو اپنے شکار کو آنکھوں سے پیتی تھی۔ اُس ناگن کی طرح۔ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتی تھی۔ جو شکار کی تاک میں لگ جاتی ہے۔ شکار اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے۔ پھر وہ شراب پلا کر اُس میں کوئی نشیلی شے ملا کر اُسے نیم بے ہوش کر دیتی تھی۔ یہ قطعاً اُس کی اپنی دلفریبی نہ تھی۔ بلکہ ایک اچھا خاصا جال تھا۔ جو با کمال طریقے سے تیار کرتی تھی۔ جب وہ تسلی کر لیتی کہ شکار رام ہو چکا۔ وہ جال میں پھڑ پھڑا رہا ہے۔ اُس کے بال و پر مناسب طریقے سے اُلجھ گئے ہیں۔ تو وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی اور ایک ہی بھرپور وار اُس پر کرتی۔ اُسے گہرا گھاؤ لگاتی۔ زہر اُس کی رگ رگ میں سرایت کرنے لگتا۔ وہ بے دم ہو کر اُس کی گود میں گر جاتا۔ پھر وہ جو چاہے کرتی۔ وہ اپنی مطلب براری کا تانا بانا بُنتی۔ یقیناً اُس کے مصنوعی خول کا یہی

مقصد تھا۔

اب ہمارا قافلہ ہمالیہ کی چوٹیوں پر چڑھنے لگا۔ اُس کی مسحور کن بلندیاں سامنے تھیں۔ مگر میں اُن سے لطف اندوز نہ ہو رہا تھا۔ انسان جب فکر سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے ماحول سے لطف اٹھاتا ہے۔ مگر مجھ پر ایک خوف طاری تھا۔

ملکہ کا شہزادے کو حدود تک چھوڑنے میں کوئی راز پنہاں تھا۔ یہ بھی شائد اُس کی چال ہوگی۔ ضرور مکڑی نے نیا جالا بُنا ہوگا۔ اب اُس کی مترنم آواز سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ شہزادہ کیا محسوس کر رہا تھا۔ ہمارا کارواں پہاڑ کی فلک بوس چوٹیوں کو عبور کرتا تیزی سے آگے ہی آگے جا رہا تھا۔ ہم برف کے اوپر چلے جا رہے تھے۔ علاقہ ویران اور خاموش تھا۔ شائد ہی کسی نے اس طرف آنے کی جرأت کی ہوگی۔ مگر میں حیران تھا۔ ملکہ نے یہاں ایک سڑک تیار کروا دی تھی۔ نہ معلوم اس پر کتنی دولت صرف ہوئی ہوگی۔ شائد ملکہ میری بھاؤ نا سمجھ گئی تھی۔ وہ میرے قریب آئی اور آہستہ سے کان میں کہنے لگی۔

"نجو لی۔ یاد ہے نہ وہ خزانہ جو ہم نے بڑی کاوشوں سے حاصل کیا تھا۔ میں نے اُسے اس سڑک کو بنانے میں صرف کیا ہے۔ یہ سڑک میرے ملک کے جنوب مشرق میں پہاڑوں کو کاٹتی ہوئی چلی گئی ہے۔ ہمارے سفر میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ ایسی ہی ایک سڑک میں نے جنوب مغرب میں بھی بنوا دی ہے۔ ان کے بنانے میں میرے سینکڑوں آدمی تباہ ہو گئے۔ کتنے ہی برف کے نیچے دب کر مر گئے۔ بہت سے جنگلی جانوروں کا شکار ہو گئے۔ مگر اس سڑک کا بنانا ضروری تھا۔ اس نے میرے ملک اور شہزادے کے ملک میں جو رشتہ دوستی مدتوں سے

چلا آیا ہے۔ اور استوار ہو جائیگا۔"

تو یہ تھا اُس خزانے کا تصرف۔ کتنی دور اندیش تھی یہ ملکہ۔ کیا یہ رفاہِ عام کی بھلائی پر صرف ہوا تھا؟ وعدہ کر کے اُسے بھلا دینا تو اُس کی عام عادت تھی۔ مگر میں اُس سے یہ سوال نہ کر سکا۔ اور کرتا بھی تو سوائے ایک قہر آلودہ نگاہ کے اُس کے پاس سے کیا جواب ملتا۔ میں نے ملکہ کو خزانہ دستیاب کرانے میں جو مدد کی تھی اُس کی اچھائی یا برائی اب آپ پر عیاں ہو چکی ہے۔ اب ہمارے سامنے چند بلند چوٹیاں تھیں۔ شہزادے کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ وہ جوش اور مسرت کے لہجے میں ملکہ سے گویا ہوا۔

"ملکہ وہ سامنے میرے دیش کی اُتری دیوار ہے جو ہمیں آپ کے ملک سے جنوب میں نظر آ رہی ہے۔ صدیوں سے یہ چوٹیاں ہمارے ملکوں پر ہنس ہنس کر تجلیاں بکھیرتی رہی ہیں۔ دیکھو ملکہ۔ ان کے نُور کی طرف غور کرو۔ یہ وہی بلندیاں ہیں جہاں میرے دیش کی آتمائیں نروان حاصل کرنے کے لئے دنیا سے منحرف ہوتے یہاں آتی رہی ہیں۔ اُن کا نام ہماری تاریخ میں۔ ہمارے لوگوں کے لوحِ دل پر سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔ کتنی پوتر ہے یہ جگہ؟ اس کے آگے خوامخواہ سرنگوں ہوتا جا رہا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو شہزادے۔ یہ چاندی کا تاج پہننے والی بلندیاں دراصل خوبصورت ہیں۔

"وہاں شہزادے میں اُن چوٹیوں کو غور سے دیکھ رہی ہوں۔ اُس کے روپہلی تاج کو سورج کی کرنوں نے سنہری بنا دیا ہے۔ مگر شہزادے تاج کبھی نگوں کے بغیر خوبصورت نہیں لگتے۔ اُن میں اگر سُرخ نگینے جڑ دیے جائیں تو اُن کی شان دوبالا ہو جاتی ہے۔ سُرخ رنگ بھر دینے سے یہ اور بھی دلفریب

بن جائیں گی۔ اُدھر دیکھو میرے حبیب ہم اُس درّے کو پار کر کے اُس چوٹی کو پیچھے چھوڑ جائیں گے۔ وہاں آگے چل کر ہمارا قافلہ رُک جائے گا۔ تمہارا راستہ آگے کی طرف ہو گا اور میں اپنے ملک کو لوٹ جاؤں گی۔ مگر تمہیں وداع کرتے ہوئے میرا دل ٹوٹتا ہے۔ ہائے کتنے اچھے دن ہم نے ایک ساتھ بتائے ہیں۔"

شہزادہ اس رمز کو کیا سمجھا ہو گا؟ میں بھی ملکہ کے اشارے کو نہ پا سکا۔ شہزادہ اپنے ہی رَو میں کہنے لگا۔

"ملکہ ہمارا رشتہ وقت کے بے انتہا موڑوں سے ہو کر چلا آیا ہے۔ ہماری دوستی ایک ٹھوس بنیاد پر قائم ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس دوستی کو مضبوط بنانے میں کوشاں رہے گی۔ میں اپنی طرف سے اطمینان دلاتا ہوں کہ میرا ملک آپ کی دوستی پر فخر کرتا رہے گا۔"

میں یہ رسمی باتیں سُن رہا تھا۔ قافلہ درّے میں سے گذرنے لگا۔ ہمارے دونو طرف نہایت ہی بلند پہاڑ تھے۔ سردی زوروں سے پڑ رہی تھی۔ دوپہر ڈھلنے لگی تھی۔ فضا اُداس معلوم دے رہی تھی۔ اس درّے کو پار کر کے بھارتی علاقہ آ جاتا ہے ہم اُس میں کافی آگے بڑھ گئے۔ ملکہ نے خواہش ظاہر کی کہ مناسب جگہ ڈھونڈ کر ڈیرے ڈال دیے جائیں۔ چنانچہ جلد ہی ایک ہموار سا ٹیلہ نظر آ گیا۔ ہمارا یہ لمبا قافلہ وہاں رُک گیا۔ وہاں خیمے نصب کئے جانے لگے۔ ملکہ کے لئے ایک نہایت خوبصورت خیمہ باقی خیموں سے کافی دُوری پر لگایا گیا۔ شاہی خیمہ ویسا ہی خوبصورت تھا جیسا کہ اُس جہاز کا خوبصورت کمرہ جس سے میں ملکہ کے ساتھ سفر کر کے اُس کے ملک پہنچا تھا۔ اُس میں مخملی قالین بچھایا گیا۔

میرا من اس ماحول سے گھبرا رہا تھا۔ لہٰذا دل بہلانے کے لئے پاس ہی ایک چشمے کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر میں نے اپنا عکس ایک جگہ رُکے ہوئے پانی میں دیکھا۔ مجھے اپنے اوپر ہنسی آ گئی میں کیا ہوں! میرے چہرے سے فکر و تاسف

خوشی اور مسرت کے ملے جلے تاثرات پیدا ہو رہے تھے۔ میں کون ہوں؟ اب تک میں نے کیسا کردار نبھایا تھا۔؟ میں ایک فن کار تھا۔ انسان بھی تو فن کار ہی ہوتا ہے۔ ایک زندگی میں اُسے معین کردار دیا جاتا ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں سے اچھا یا بُرا نبھاتا چلا جاتا ہے وہ کس لئے پیدا ہوتا ہے؟ کہاں سے آتا ہے اور کدھر جا کر غائب ہو جاتا ہے؟ اس چھوٹے سے عرصے میں کیا کیا تغیر ظہور پذیر ہوتے ہیں؟ بچپن۔ جوانی۔ بڑھاپا اور پھر ابدی نیند اُس پر طاری ہو جاتی ہے۔ یہ سب کیوں ہے؟ میں سمجھنے سے قاصر تھا۔ قدرت نے اُس کے اندر ایک تڑپتا ہوا خون کا لوتھڑا رکھ دیا تھا۔ محسوس کرنے کی حس اُسے کیا کیا چرکے لگاتی ہے۔ کبھی وہ ہنستا ہے۔ کبھی روتا ہے۔ اور دماغ۔ اُسے باقی جانداروں سے کچھ بڑا ہی دیا ہے اُس نے اُسے استعمال کر کے دنیا کو کیا سے کیا بنا دیا۔ وہ بنائے بھی جاتا ہے۔ اور بگاڑے بھی۔ مگر ایک غیبی طاقت اس عمل کے پیچھے کام کرتی ہے۔ کوئی اُسے اپنا معبود سمجھ کر پوجتے ہیں اور کوئی اُس طاقت سے ہی منکر ہو جاتے ہیں۔ "میں میں" کی آوازیں اس خاموش صدا کو نہیں سننے دیتی۔ کتنا شور و شر ہے اس دنیا میں۔ اُف۔

یکایک میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ دُور بہت دُور ایک سفید سا نشان بادلوں کے آگے دکھائی دیا۔ آہستہ آہستہ وہ بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ وہ ایک پرندے میں تبدیل ہو گیا۔ میں اُس کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگا۔ وہ اپنے پنکھ پھیلائے اُڑا چلا آ رہا تھا۔ اُس نے اپنے چاندی کے سے پر پھیلا رکھے تھے۔ اُس کا رُخ اُن دوریوں کی طرف تھا۔ جہاں پہنچ کر انسان کی نگاہیں گُم ہو جاتی ہیں۔ یہ اونچی پرواز پرندہ گویا سکھ اور شانتی کا ایک نمونہ تھا جو فضاؤں میں تیر رہا تھا۔ اچانک میری نگاہ دوسری طرف گئی۔ ایک سیاہ پرندہ آسمان میں منڈلا رہا تھا۔ اس کی تیز

نگاہیں عقاب کی طرح اس پرندے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی اڑان سفید پرندے کے تعاقب کی طرف کر لی۔ پھر تیزی کے ساتھ اُس سفید پرندے پر لپکا۔ اور جھپٹ کر اُسے زخمی کر دیا۔ سفید پرندہ غوطے کھاتا ہوا بلندیوں سے نیچے گرنے لگا۔ وہ بھی اس کے تعاقب میں نیچے آیا۔ مگر اُس نے شائد مجھے دیکھ لیا۔ اس لئے اُس نے اپنا رُخ موڑ لیا اور جلدی ہی خلاؤں میں غائب ہو گیا۔ آن واحد میں سفید پرندہ میری گود میں تھا۔ اور میں اُس کے زخم چشمے کے پانی سے دھو رہا تھا۔ وہ سسکنے لگا۔ مگر مجھے خیال تھا کہ یہ بچ جائے گا۔ لہٰذا اسے اپنی گود میں اٹھاتے ہوئے میں نے ملکہ کے خیمے کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا۔ شہزادہ آرام کر رہا تھا سامنے ملکہ سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے دیکھتے ہی ماجرہ پوچھا۔ اس کے بعد بولی:-

"میں نہ کہتی تھی۔ ان جوتیوں میں سُرخ رنگ کتنا کھلیگا۔ اب تم ہی دیکھو۔ تمہارے سفید چغے پر یہ لال نشان کیسا بھلا معلوم دیتا ہے؟"

میں نے اپنے کپڑوں کی طرف دھیان ہی نہ دیا تھا۔ واقعی وہ سُرخ ہو رہا تھا۔ پرندے کا خون بہہ کر میرے چغے پر دو ایک جگہ لگ گیا تھا۔ میں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ مگر یہ ایک دلیل تھی اُس بھیانک واقعے کی جسے میں اب بتانے جا رہا ہوں۔

سورج ڈھلنے لگا۔ شہزادہ آرام کر کے آگے چلنے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ ملکہ کے اور اُس کے درمیان رسمی باتیں ختم ہو چکی تھیں۔ ہم پیدل ہی سفر کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے باوجود ملکہ کے اصرار کے ہم نے اُس کی پیشکش سے انکار کر دیا۔ وہ ہمارے لئے ایک گاڑی کا انتظام کر رہی تھی تاہم ہمیں پیدل سفر سے زیادہ لطف آتا تھا۔ پھر یہ شہزادے کا علاقہ تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ جس طرح سفر پر روانہ ہوتے ہوئے اُس سے لطف اندوز ہوئے تھے۔ ویسے ہی اب مزہ لیں گے۔ مگر کون جانتا ہے پل بھر میں کیا سے کیا ہو جائے گا؟ ملکہ شہزادے کو اگرچہ رسمی طور پر الوداع کہہ چکی

تھی۔ مگر وہ کچھ فاصلے تک ہمارے ساتھ آئی۔ ایک ڈھلوان پر ہم پہنچ گئے۔ وہاں ملکہ نے کہا کہ اب وہ واپس ہونا چاہتی ہے۔ شہزادے نے اُسے ہاتھ جوڑ کر الوداع کہا۔ ملکہ رُکی رہی اور ہم رُخ موڑ کر آگے بڑھنے لگے۔ ہم دونو برابر برابر چل رہے تھے۔ اچانک ایک واقعہ ہوا۔ ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی ... اُف شہزادہ تکلیف میں تڑپ رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اُسے گود میں لے لیا۔ وہ گرتے گرتے بچا۔ اُف میں نے دیکھا اُس کی کمر میں ایک خنجر پیوست تھا۔ یکایک ایک قہقہہ بلند ہوا۔ میں نے رُخ گھما کر دیکھا۔ ملکہ نے نقاب اُلٹ رکھا تھا۔ وہ بے تحاشہ ہنسے جا رہی تھی۔ پھر وہ یکدم سنجیدہ ہو گئی۔ اور چلا کر کہنے لگی۔

"مغرور شہزادے! دیکھ میں نے بدلہ لے لیا۔ ایک بڑے ملک کی ملکہ نے اپنا انتقام لے لیا۔ یاد ہے تو نے مجھے بے نقاب کیا تھا۔ میرا خول اُتار کر تمام دنیا کے سامنے میرا اصلی روپ آشکارا کیا تھا۔ تو نے میرے ملک میں آکر مجھے رُسوا کرنا چاہا۔ اور میں نے تجھے تیری ہی دھرتی پر زخمی کر دیا۔ سامنے دیکھ تیرے علاقے پر میری فوج کھڑی ہے۔ اب یہ علاقہ میرا ہے۔ جہاں میں نے قدم رکھ دیا وہی جگہ میری حدود میں شامل ہو گئی۔ میں اسے ہرگز واپس نہ کروں گی۔ مجھے اپنی طاقت پر بھروسہ ہے۔ صلاح اور امن کے دیوتا! تیری نصیحتیں مجھ پر اثر نہیں کر سکیں۔ تو مجھے یہاں سے نہ ہلا پائے گا۔

سُن اے عظیم شہزادے! میں یہ اقرار کرتی ہوں کہ تو بلند کردار ہے۔ مگر تیری باتیں دنیا کو بھرما سکتی ہیں۔ دنیا کے لوگ تیری ان اونچی اونچی فلسفے بھری نصیحتوں پر کان لگا سکتے ہیں۔ مگر مجھ پر یہ اثر نہیں کر سکتیں۔ میں اپنے مستقبل کو اپنے ہی طریقے سے چلاؤں گی۔ میں نے صدیوں سے چلی آئی ہمارے ممالک کی دوستی کو آج ختم کر دیا۔ میرے خیالات جدید ہیں۔ ماضی کی روایات سے میرا دل نہیں

بہل سکتا۔ جاؤ خوبصورت شہزادے جاؤ۔ ایک ملکہ تمہیں الوداع کہتی ہے۔ وہ ملکہ جس نے تمہیں دل سے پیار کیا۔ جسے تم نے ٹھکرا دیا۔ مجھے یقین ہے اگر میں اتنی ہی حسین ہوتی جتنی میں نظر آ رہی ہوں۔ تب بھی تم مجھے پیار نہ کرتے۔

سامنے دیکھ اے شہزادے کے دوست غور سے دیکھ میں نے ان سفید چوٹیوں میں سُرخ رنگ بھر دیا۔ ملکہ جو کہتی ہے وہ کر دکھاتی ہے ..... الوداع شہزادے! آخری الوداع میرے محبوب"

میں نے بلندیوں کی طرف نگاہیں پھیریں۔ ڈھلتے ہوئے سورج کی سُرخ روشنی سے چوٹیاں آگ کی طرح دہک رہی تھیں۔ ہر طرف سُرخی ہی سُرخی نظر آ رہی تھی۔ میں نے آخری نظر ملکہ پر ڈالی۔ اُس کی آنکھوں میں دو آنسو لرز رہے تھے۔ اُس نے ایک سسکی لی اور اپنے چہرے پر نقاب ڈال دیا۔ وہ تیزی سے مڑی اور برق رفتاری سے اپنے خیمے کی طرف چلنے لگی۔

اب مجھے شہزادے کی فکر لاحق ہوئی۔ اس ویرانے میں میں اُس کی مدد کس طرح کرتا۔ خون اُس کے جسم سے بہہ بہہ کر نیچے گر رہا تھا۔ ہمارے پیچھے دُشمن تھا۔ اُس کی بھاری فوجیں تھیں۔ میں شہزادے کو سہارا دیتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ وہاں کوئی بھی ہمارا مددگار نہ تھا۔ جگہ ویران تھی کسی کو کیا علم کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔ ملکہ نے شہزادے کو ہی زخمی نہ کیا تھا۔ ایک ملک کی پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا۔ سیاہ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ اب ملکہ کی فوجیں ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھیں۔ اچانک مجھے قریب ہی ایک جھونپڑی میں ٹمٹماتا سا چراغ دکھائی دیا۔ چند لمحوں میں ہم اُس کے قریب پہنچ گئے۔

دیا تھا۔ حالات معمول پر آ رہے تھے۔ اب میں اپنا چولا بدلنے کے لئے بے قرار تھا۔ اس لئے میں نے خلوت میں شہزادے سے ملاقات کی۔ وہ ویسا ہی ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ اُس کی وہی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ وہی اُس کا جلال تھا۔ اُس نے بڑے پیار اور ادب سے کہا:۔

"میرے شفیق و محترم بزرگ" میں تمہارا کتنا احسان مند ہوں۔ تم نے سفر کی کڑی مصیبتیں جھیل کر میری رہنمائی کی۔ ہم نے دنیا کے اہم حصے کو مل کر دیکھا۔ مجھے تمہاری موجودگی میں کتنا سکونِ قلب ملا۔ میں کتنا خوش ہوں کہ میرا سفر ایک کامیاب سفر ثابت ہوا۔ مگر مجھے ایک ہی واقعہ کا افسوس ہے کہ مجھے ملکہ کو بے نقاب کرنا پڑا جس کو میں نے ہمیشہ سے ہی اپنا دوست سمجھا۔ اُس نے دھوکا دیا۔"

مگر میں فوراً ہی بول اُٹھا۔

"شہزادے۔ تم نے جو قدم اُٹھایا وہ ضروری تھا۔ تم نے دنیا کے سامنے اُسے بے نقاب کر کے کل عالم پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ وہ اُس کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہے۔ اب وہ دوسروں کو دھوکہ دینے میں کامیاب نہ ہو سکیگی"۔

شہزادے نے سر جھکا لیا۔ اور خاموش کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ میں اُس سے رُخصت ہو کر واپس چلا آیا۔

شہزادے سے اجازت لیکر میں نے اُس کے ملک کا دورہ کیا۔ اُف کیا یہ وہی ملک تھا۔ جو چند سال پیشتر غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ شہزادے نے تو اس کی کایا ہی پلٹ دی تھی۔ جہاں بھی میں جاتا۔ مجھے اُس میں بلندیاں ہی بلندیاں دکھائی دیتیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں میں نے تمام ملک کا دورہ کر لیا۔ گویا مجھے اپنے روپ کو تبدیل کرنے کا ثمر مل گیا تھا۔ میرے دل کو ایک سکون مل چکا تھا۔ میں کتنا خوش ہوا کہ میں نے ایک غلط قدم نہ اُٹھایا تھا۔ شہزادے کے ساتھ

پندرھواں باب
جامِ شہادت

جب ہم اُس چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے۔ اور لوگوں کو علم ہوا کہ اُن کا شہزادہ زخمی ہو گیا تھا۔ تو یہ خبر گرد و نواح میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگوں کے اندر جذبہ نفرت پھیل گیا۔ شہزادے کا علاج معالجہ تو خیر ہونا ہی تھا۔ مگر جلد ہی اُس کے دارالسلطنت میں پہنچانے کا انتظام کیا گیا۔ اس غم و غصّہ کی آگ کو روکنا تھا۔ مبادا لوگ غلط قدم اُٹھا لیں۔ یہ معاملہ صرف انسانوں کا نہ تھا۔ ایک عورت نے ایک مرد سے بدلہ نہ لیا تھا۔ اُس نے نہ صرف اپنے محبوب کو ہی زخمی کیا تھا۔ بلکہ ایک ملک نے دوسرے ملک پر وار کیا تھا۔ چنانچہ یہ خبر دنیا کے کونے کونے میں پہنچ گئی۔ ملکہ کو سبق دینے کے لئے دوسرے ممالک شہزادے کی مدد کو تیار ہو گئے۔ میں اس قصے کو طول نہ دوں گا۔ صرف چند الفاظ میں بیان کروں گا۔ شہزادے نے نہایت تحمل اور بردباری کا ثبوت دیا۔ اُس نے اپنے ملک والوں کو سمجھایا کہ اس میں اُس ملک کے لوگوں کا کوئی قصور نہیں۔ صرف ملکہ ہی اس واقعہ کی ذمہ دار ہے۔

رفتہ رفتہ شہزادے کا زخم مندمل ہونے لگا۔ ملکہ کی فوجوں کی روک تھام ہو چکی تھی۔ اس ملک کی فوجوں نے ملکہ کے سپاہیوں کا منہ توڑ جواب

رہ کر، انسانی شکل اختیار کر کے میں نے وہ کچھ دیکھ لیا۔ جس کی خواہش میرے دل میں اٹھی تھی۔ ایک تمنا پوری ہو گئی تھی۔ میرے اندر بھی ایک روحانی نور سا پھیل گیا تھا۔

ایک شب میں ایک نہایت ہی بڑے شہر میں گھوم رہا تھا۔ اس شہر کے قریب ہی سمندر تھا۔ میں اس کی موجوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ نہ معلوم میں کتنی دیر وہاں بیٹھا رہا۔ ہر طرف خاموشی چھا چکی تھی۔ رات شائد آدھی کے قریب بیت چکی تھی۔ فضا پُر سکون تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چل دیا۔ مجھے سامنے ایک اونچی جگہ پر ایک نشان سا دکھائی دیا۔ میں اس کی طرف بڑھنے لگا۔ قریب پہنچ کر میں نے دیکھا۔ یہ تو وہی انسان کھڑا تھا۔ جو مجھے گنگا کے کنارے ملا تھا۔ وہ خاموش تھا۔ مگر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے پاس جا کر اسے نمسکار کیا اور اسی خاموش بت سے باتیں کرنے لگا۔

"شانتی کے دیوتا! بوڑھا مسافر تمہیں سلام کرتا ہے۔ تو نے جو ذمہ داری میرے اوپر ڈالی تھی۔ میں نے اسے نبھایا۔ میں آج اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ مجھے آشیرباد دو ......"

یہ کہہ کر میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے کی طرف دوڑائیں۔ مگر یہ کیا؟ اُف میں ڈر گیا۔ نہ معلوم کہاں سے اور کیوں؟ اس بُت کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پتھر کے بُت بھی کبھی روتے ہیں؟ کیوں نہیں۔ جب 'وقت' اپنی چال بدل سکتا ہے۔ جب میں انسانی شکل اختیار کر سکتا ہوں۔ تو یہ کیوں ناممکن ہو سکتا ہے؟

فضا پر اداسی چھا گئی۔ آسمان ابر آلود تھا۔ میں نے آبادی کی طرف نہ جا کر پھر سمندر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اچانک ہوا تیز چلنے لگی۔ سامنے سے

ایک بھیانک طوفان بڑھا چلا آرہا تھا۔ بجلی کی کڑک سے کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ اس کے کوندے میری طرف لپک رہے تھے۔ گویا وہ مجھے اپنے اندر سما لینے کے لئے بے قرار تھے۔ سب طرف طوفان بڑھنے لگا۔ سمندر کا پانی اچھل اچھل کر ساحل کی طرف آرہا تھا۔ کتنا خوفناک تھا یہ طوفان؟ نہ معلوم آج کیا ہونے والا تھا۔ سمندر مجھ سے کافی دُور تھا۔ مگر پھر بھی ایسا لگتا تھا کہ میں اس کے لپیٹ میں آیا ہی چاہتا ہوں۔ میں نے چاروں طرف گھوم کر دیکھنا شروع کیا۔...... یکدم زمین میرے پاؤں کے نیچے کانپ اٹھی۔ مجھے کیا ہو رہا تھا؟...... یہ کیا خوفناک زلزلہ... اُف یہ کس بات کا پیش خیمہ تھا؟ آج دنیا کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا قیامت آگئی؟ کیا بھگوان شنکر نے پھر تانڈو نریہ شروع کر دیا تھا؟ میرا دم گھٹا جا رہا تھا۔ میرے اندر یہ تبدیلی کیوں آرہی تھی۔ صدیوں سے میں نے قدرت کے بڑے بڑے کھیل دیکھے تھے۔ اتنی اُتھل پتھل دیکھی تھی۔ مگر آج میرا دل کیوں بیٹھا جا رہا تھا؟ میں آبادی کی طرف تیز قدم اٹھاتا ہوا چلنے لگا۔ مگر یہ کیا؟ لوگ چیخ رہے تھے۔ مجھے خیال ہوا۔ شائد طوفان اور بھونچال کی وجہ سے یہ ہاہاکار مچی ہوئی ہے۔ میرے قریب سے ایک آدمی گذرا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اس سے دریافت کیا۔ اس نے چیختے ہوئے بتایا۔ آج شہزادہ دنیا میں نہیں ہے۔ وہ جام شہادت پا چکا ہے۔ میرے اوپر بجلی گری...... ہر طرف اندھیرا...... گھور اندھکار...... اچانک میں ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرا...... اور بیہوش ہو گیا۔ اس بیہوشی کے عالم میں مجھے شہزادے کا نورانی چہرہ نظر آیا۔ ایک تجلی میری حس کے سامنے پھیل گئی — ہزار شمعوں کا حامل ایک نور...... جو ایک دفعہ ملکہ کو بھی دکھائی دیا تھا... وہی مسکراتا ہوا چہرہ...... حسین مکھڑا...... وہ میری طرف بڑھتا چلا آیا... میرے قریب پہنچ

گیا۔ اُس نے دونو ہاتھ جوڑ دیئے اور صرف اتنا ہی کہا۔

"میرے رہبر۔ میں نے اپنا کام پورا کر دیا۔ اب مجھے سکون کی ضرورت ہے۔ ایک ابدی سکون۔ میں وہاں جا رہا ہوں۔ جہاں شانتی ہی شانتی ہے۔ میں نے جیون بھر اسی کی تلاش کی۔ میں خوش ہوں کہ میں نے اپنی منزل پالی۔ میں نے دنیا سے پیار کیا اور دُنیا نے مجھے پیار دیا۔ یہ دنیا سورگ بن جائے۔ یہی میری خواہش ہے۔ میں پھر آؤں گا جب یہ دنیا جنّت بن جائے گی۔ جب کسی کی آنکھ میں آنسو نہ رہے گا۔ کسی کے چہرے سے مسکراہٹ چھینی نہ جائیگی میں نے یہاں آکر ایسا ہی کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب آپ بخوشی اپنا چولا بدل لیں .... الوداع ...... میرے محترم بزرگ ... آخری الوداع"

مجھے یکدم ہوش آگیا۔ اب میں جا رہا ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں۔ میرے اندر بے پناہ طاقت آ چکی ہے۔ اب میں اس دنیا میں نہیں رہوں گا۔ میں انسانی چولا بدل ڈالوں گا۔ اور اپنی ابدی زندگی کی شمع کو سنبھال لوں گا۔ اور اپنے معین راستے پر چل دوں گا۔ میرا وہی پرانا راستہ ہوگا۔ وہی پرانا سفر ایک کبھی نہ آنے والی منزل کی طرف جو لاکھوں کروڑوں سالوں سے طے کرتا آیا ہوں ......

مگر آپ حیران کیوں ہو رہے ہیں؟

میری طرف تعجب سے کیا دیکھ رہے ہیں؟

ہاں۔ میں سمجھ گیا۔ آپ میری آنکھوں میں لرزتے ہوئے دو آنسوؤں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ٹھیک ہی تو ہے میں آج تک کبھی نہ رویا تھا۔ مگر

یہ آنسو نہیں ہیں۔ یہ دو قطرے میری عقیدت کے پھول ہیں۔ جو میں اُس عظیم شہزادے پر چڑھانے جا رہا ہوں۔ اے دنیا والو۔ خوش رہو۔ شائد اب میں کبھی انسانی روپ نہ لُونگا۔ میں اسی اُمید سے آپ سے وداع ہو رہا ہوں کہ یہ دُنیا جنت بن جائے۔ میری تمنا بھی شہزادے کی تمنا کے ساتھ ہے۔ پھر میرا راستہ سہل ہو جائے گا۔ الوداع .... اے دنیا کے لوگو...... آخری الوداع ...."

ختم شُد